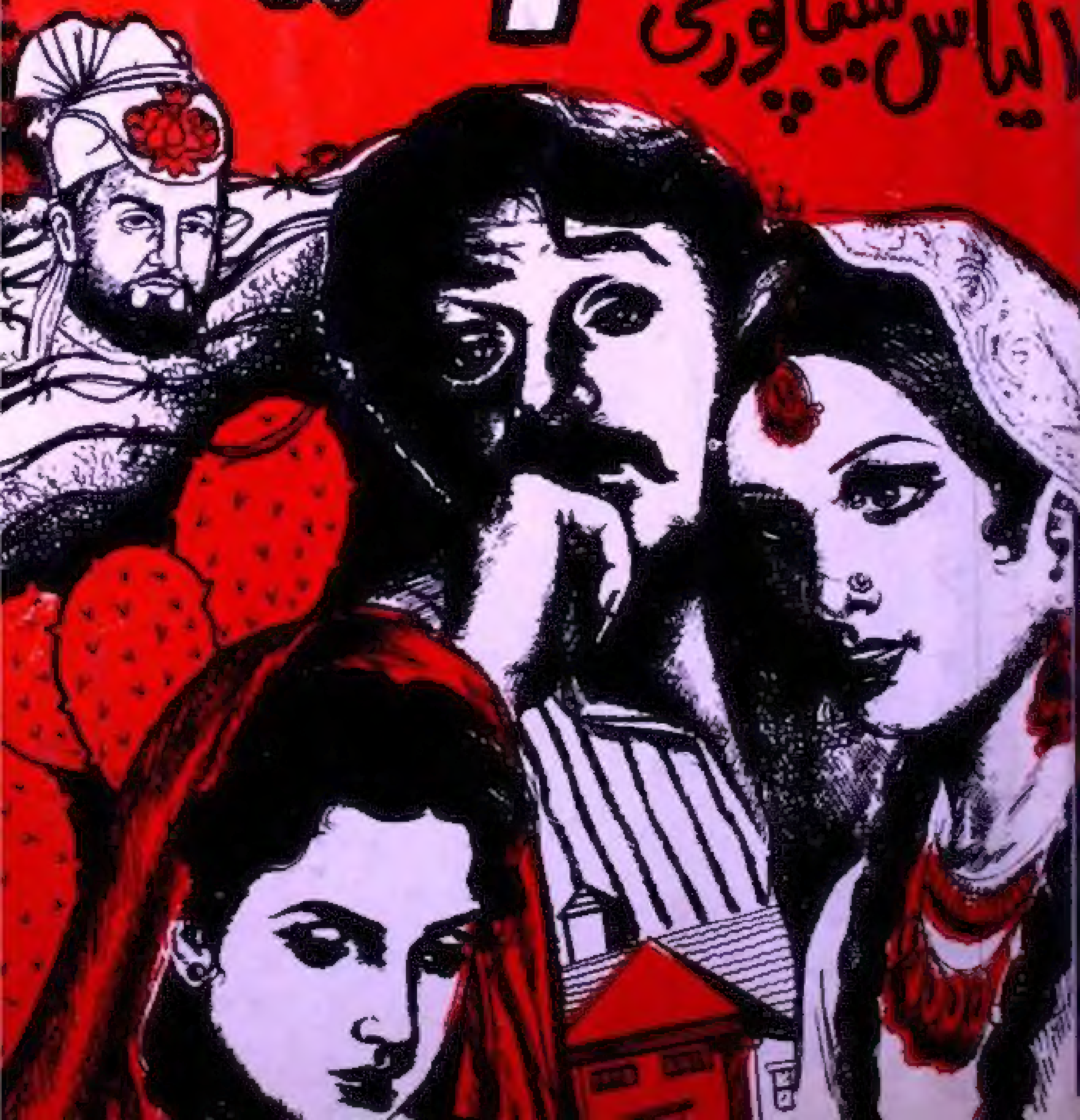


خدا کا نام

ایمان سنی پوری



محکوم خلیفہ

الیاس سینا پوری



نام کتاب : محمد علی خلیفہ
مصنف : الیاس سید پوری
قیمت : - / ۳۵ روپے
سن اشاعت : ۱۹۹۰
مطبوعہ : کلر پرنٹنگ پریس دہلی
ناشر : کتاب والا ۲۷۹، پیہاڑی بھوجلہ دہلی

حکایت

ختم ہو چکی تھی سلطان طفیل کے دل و دماغ پر مایوسیوں نے چڑاؤ ڈال رکھا تھا وہ اپنے لشکر کی طرف واپس جاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ آخر ان کامیابیوں سے حاصل کیا ہوگا جو خراسان سے آرمینیا، جبال آذربائیجان، موصل، ہمدان اور بغداد کو اس کے حق میں سفر کر کے اب ہری باری یہ ساری چیزیں اس سے واپس لی جا رہی تھیں۔ کیا اب اسے ایک بار پھر ترک قبائل کے قدیم مسکن میں لوٹ جانا ہوگا۔ اس کو اپنی کاسیا بیاں شدہ مستقبل نظر آ رہی تھیں جو چند لمحوں کے لیے اپنی چمک دمک سے پورے ماحول کو روشن کر کے ہمیشہ کے لیے معدوم ہو جاتا ہے۔ کیا اس کی قسمت میں آتی عارضی اور وقتی فتوحات و تم کی گئی تھیں۔ اسے ابراہیم اینال کا پکا بھاری نظر آ رہا تھا۔

ابراہیم اینال کی بے وفائی نے بھتیروں کی وفاداریوں شائبہ کر دی تھیں۔ تاورت، یاقوتی اور الپ ارسلان بھی ابراہیم اینال کی طرح انسان تھے اور انسان کسی دقت بھی اپنی وفاداریاں بدل سکتا ہے۔

اسے ابونصر بھی قابل اعتبار نظر نہیں آتا تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ اس کا یہ سرکہ ایک آزمائش ہے۔ اگر وہ یہ جنگ جیت جائے گا تو مستقبل اس کا ہوگا اور اگر ہار جائے گا تو اس کا اپنا سایہ بھی اپنا نہ ہوگا۔

اس نے اپنے بھتیروں کو آزمائش کے لیے جنگ چھیڑنے سے پہلے اپنے خیمے میں طلب کیا۔ جب تاورت اور یاقوتی اس کے خیمے میں داخل ہو رہے تھے تو ان دونوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ آج ان کا چھاپا طفل انھیں خاص نظروں سے پرکھ رہا ہے۔ وہ دونوں کی چال میں اعتماد اور بے اعتدالی کو تلاش کر رہا تھا وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ ان دونوں کو اس جنگ میں کامیابی نظر آ رہی ہے یا ناکامی؟ وہ اس جنگ میں طوعاً و کرہاً حصہ لے رہے ہیں یا خوش دل اور خود اعتمادی سے۔

اس نے اپنے بھتیروں کی چال میں اعتماد کی جھلک دیکھ لی تھی۔ اس نے اس موقع پر ابونصر کو نہیں بلایا تھا۔

تاورت اپنے چچا کے دربار و دروب کھڑا ہو گیا لیکن یاقوتی نے صاحب کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ بہت جلدی میں نظر آ رہا تھا۔ اس نے نہایت بے تعلقی سے کہہ دیا "میرے محترم! میں نہیں جانتا کہ اس وقت میں کیوں بلایا گیا ہے مگر میں یہ جانتا ہوں کہ یہ وقت باتوں کا نہیں ہے۔"

تاورت نے اپنے بھائی کو ادب کی تحقیر کی۔ یاقوتی! یہ تو کس طرح کی باتیں کر رہا ہے؟

یاقوتی نے جواب دیا: ابراہیم اینال ہمارا استغفار نہیں کرے

گار میں جا رہا ہوں اس کا قصہ جلد از جلد پاک کر دیا جائے گا۔" تاورت نے کہا: "یہ تو ہم سب چاہتے ہیں، اپنے چچا کی بھی سُن لو، شاید کوئی مفید مطلب کی بات مل جائے؟"

طفیل نے دونوں کی باتوں سے اندازہ لگایا کہ وہ اس کے لیے مخلص اور وفادار ہیں، دونوں سے کہا: اب تم دونوں جا سکتے ہو باقی باتیں فتح کے بعد ہوں گی؟

دونوں کے چلے جانے کے بعد طفیل نے اپنے چہرے پر بے دلی اور مایوسی طاری کر لی اور اس حالت میں ابونصر کے پاس خود گیا۔ ابونصر نے خود کو فوج کے قلب میں رکھا تھا۔ وہ سپاہیوں میں جوش و خروش پیدا کرنے والی باتیں کر رہا تھا۔ اس نے سلطان کو دیکھا تک نہیں... جن سپاہیوں نے سلطان کو دیکھ لیا تھا وہ غیر معمولی مستعد اور حیا و چوہ بند ہو گئے تھے۔

ابونصر سپاہیوں کو سبھا رہا تھا۔ وہ دن یاد کر ڈھب تم دشت خرنیز اور دشت تراک میں بے وسو سامانی کی زندگی گزار رہے تھے۔ تمہارا ذریعہ معاش لوٹ مار تھا۔ پھر سلطان طفیل نے تم کو مستعد کر لیا اور تمہیں مستعدن شہروں میں لے آیا۔ تم کو عزت اور شہرت بخشی اور اب تم شاندار حال اور عظیم الشان مستقبل کے مال ہو رہے ہو۔ عمارت غیر معمولی کاسیا بیاں سننے ابراہیم اینال کو خوش فہمی میں مبتلا کر دیا اور وہ یہ بھول گیا کہ آج وہ جو کچھ ہے سلطان طفیل کے طفیل ہے۔ آج تم سب ابراہیم اینال کی خوش فہمی اور سرکشی کو خاک میں ملا دو اور یہ طے کر لو کہ تمہیں انھی مستعدن شہروں میں رہنا پسند ہے اب تم دشت خرنیز اور دشت تراک واپس نہیں جاؤ گے۔ تم مرجاؤ مگر اپنی نسوں کا مستقبل محفوظ کر جاؤ؟

سلطان نے ابونصر کی باتیں سنیں اور بے حد خوش ہوا۔ مگر چہرے پر مایوسی اور بے دلی کے اثرات طاری رکھے۔

ایک سپاہی نے ابونصر کو سرگوشی میں بتایا: آپ کے پیچھے سلطان کھڑے ہیں؟

اس نے گھبرا کر مڑ کر جو دیکھا تو پیچھے بھاٹ گیا اور سلطان سے درخواست کی کہ آگے تشریف لائیں۔

سلطان نے اس سے کہا: "میں نے تیری دلولہ انجیر باتیں سنیں، اب ذرا میری باتیں بھی سُن لے؟"

سلطان طفیل نے ابونصر کے شانے پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھ کر اٹک لے جاتے ہوئے پوچھا: تیرا کیا خیال ہے؟ کیا ہم یہ جنگ جیت لیں گے؟

ابونصر کھپکھپایاں ہو گیا۔ یہ آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟

سلطان نے کہا: ابونصر! میرے پاس پوری فوج بھی نہیں ہے اور جو فوج ہے وہ کم بھی ہے اور حوصلہ داری ہوئی بھی۔ اور ہمارے برعکس ابراہیم اینال کے پاس زیادہ اور حوصلہ

نہروں سے میرا خیال ہے ہم اس کوشش سے نہیں دے سکیں گے؟

ابو نصر بہت پریشان تھا۔ یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ سلطان نے کہا: میں نے قاضی اور یاقوت سے کہہ دیا ہے کہ اگر وہ خود کو زور محسوس کریں تو ابراہیم اینال کے پاس چلے جائیں۔

ابو نصر نے پوچھا: اور ان دونوں سے کیا جواب دیا؟ سلطان نے جواب دیا: وہ دونوں تہذیب نظر کر رہے تھے شاید وہ دونوں میرا ساتھ چھوڑ دیں!

ابو نصر نے پرجوش لہجے میں کہا: وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ میں ان دونوں کو سمجھاؤں گا۔

سلطان نے اس کو رخ کیا: سمجھانے سے حاصل؟ جب قدر بچتے ہو تو سایہ بھی انسان سے جدا ہو جاتا ہے۔

ابو نصر نے پوچھا: گستاخی ملنے لگیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کو یہ بات کس نے بتائی کہ آپ کا مقدر برگشتہ ہے؟

سلطان نے جواب دیا: ابراہیم اینال کی بے وفائی نے۔ امیر المومنین کی گرفتاری اور بیاسیری کے عروج نے۔

ابو نصر نے کہا: لیکن میں آپ سے اتفاق نہیں کروں گا۔ سلطان نے کہا: تو مجھ سے اتفاق نہیں کرتا تو نہ کر اس سے حقائق نہیں بدل سکتے۔

ابو نصر سوچ میں پڑ گیا کہ ان حالات میں اس کو کیا کرنا چاہیے۔ تو فریاد میں حوصلہ پیدا کر دیا تھا اور سلطان اس کی حوصلہ شکنی کر رہا ہے۔

سلطان نے کہا: اس رقت میں تم کو یہ شہر دینے آیا ہوں کہ اگر دوسری طرف سے تم کو اچھی پیش کش ملے تو تمہ کو یہ لے لے قبول کر لیتا ہوں۔

ابو نصر نے جواب دیا: آپ بہت زیادہ اصرار کر رہے ہیں۔ میرا چاہنا ہے کہ آپ سے وابستہ رہوں۔ میں ابراہیم اینال کا کفاریت کا تصور تک نہیں کر سکتا۔

سلطان نے مشورہ دیا: تو جو کہہ کر رہا ہے اس پر غور خود کو کوئی فیصلہ کر۔

ابو نصر نے جواب دیا: اس پر سختی انداز میں غور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سلطان طنز لے کر ابو نصر کا سپردہا تھا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پچھلے شمس صافی کے بعد اس کو تین بار جھٹکا دیا۔ اگر

یہ بات سچے ترغیب یا مسرہ ساتھ میری فوج کے قلب میں رہا۔ اس وقت تک مصروف پیکار نہ جب تک ابراہیم اینال اس کے چھائیوں کو شکست محسوس نہ کرے۔ میں ان تینوں کو...

پابندِ نجر اپنے دیر در دیکھتا جا رہا تھا۔

ابو نصر نے بھی بڑی گرم جوشی دکھائی اور مصافحے کے بعد سلطان کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ کوئی دھواں بات نہیں انٹنے چاہا تو تینوں شام تک نجر میں جکڑے ہوئے آپ کے قدموں میں پڑے ہوئے گئے۔

دوسری طرف سے ابراہیم اینال قلب میں رہا اور اس کے دونوں چھائی احمد و محمود سمندر میں چلے گئے۔

ابراہیم اینال اپنی فوج سے کہہ رہا تھا: آگے بڑھو اور آج کی جنگ جیت کر اسے میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے بعد مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب ہمارے ہم انداز میں بیٹھ کر ہر طرف حکومت کریں گے۔ بیاسیری مصر چلا جائے گا۔

دونوں طرف سے طبل جنگ ایک ساتھ بجا دیے گئے۔ سلطان نے اپنے مسرہ کو ابراہیم اینال کے سینے کی طرف بڑھا دیا۔

دونوں نے ایک دوسرے پر تیروں کی برچھاڑ کر دی۔ ان تیروں کو دونوں طرف کی فوجیں اپنی ڈھالوں پر روک رہی تھیں لیکن جو خود کو نہیں پہچانے وہ زخمی ہو کر گر گئے اور چرچا ہی ساتھیوں کے پاؤں تلے روندے گئے۔ چیخ پکار اور آواز بکا

سے پراں ایدان گونگی رہا تھا اور دونوں طرف سے تجربہ کار فوجی سردار یہ اندازہ لگاتے کہ کوشش کر رہے تھے کہ کون کون پر رہا ہے اور کس کو لگ بھگ پہنچانے کی ضرورت ہے اس کا تقاب کیا جائے

اور کس پر شدید ضرب لگائی جائے۔

ابراہیم اینال نے کوشش کی کہ وہ سلطان کے قلب کو چیرتا ہوا سلطان تک پہنچ جائے لیکن سلطان کے بال شادوں نے اس کو قریب نہیں آنے دیا۔

جب دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب پہنچ گئے تو تواریں نیام سے باہر آئیں اور دست پر دست جنگ ہونے لگی۔

یاقوت سلطان کے شانے پر ابراہیم اینال کے مسرہ سے بھڑکیا۔ مسرہ محمود کی سرکڑی میں تھا۔

محمود نے چیخ کر یاقوت کو پیش کش کی: یاقوت! اگر جنگ نہیں جیت سکتا ابھی لیے اپنے مسرہ کے ساتھ میری طرف چلا آؤ۔ میں تم کو پناہ بھی دوں گا اور چین پر حکومت کر رہا ہوں۔

یاقوت نے جواب دیا: میں تم سے موت لوں گا اور موت بھی لوں گا۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

قادریت مسرہ پر تھا اور وہاں دوسری طرف سے احمد لاپچوسے رہا تھا۔

ابو نصر کو اس بات کا افسوس تھا کہ سلطان نے اپنے قلب کو ابھی تک اپنے قابو میں رکھا تھا۔ اس کی فوج پیش قدمی

نہیں کر رہی تھی وہ صرف ان سپاہیوں کو رد کر رہی تھی جو سلطان کے قاب پر حملہ آور ہو رہے تھے۔

ابونصر نے سلطان سے درخواست کی کہ اپنے قلب کو پیش قدمی کی اجازت دی جائے۔

سلطان نے جواب دیا: ابھی نہیں، مجھ کو کسی بات کا انتظار ہے۔

ابونصر نے عرض کی: حضور والہ جنگ ضرور کھڑی ہوا رہی ہے۔ اگر ہم صرف مدافعت کرتے رہے تو اس سے دشمن کے حوصلے بلند اور اپنے پست ہو جائیں گے۔

سلطان کی نظریں ابراہیم اینال کے عقب میں تھیں۔ وہ سب کچھ بڑے آنکھ سے دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے وہ سپاہی قادیات اور یا قادی کے پاس اس جاہلیت کے ساتھ بھیجے کہ کچھ بھی ہوا اپنے سینہ اور سر کو پیچھے نہ ہٹنے دینا کیوں کہ فی الحال اس جنگ کا اختصار تو ممکن نہیں ہے۔

ابراہیم اینال کا حملہ ناشدہ رہا کہ سلطان کی سپاہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئی۔

ابراہیم اینال کی نظریں سلطان پر تھیں کیونکہ وہ ہمارا تھا کہ اس ایک آدمی کو مار دیا جائے تو یہ جنگ ختم ہو جائے گی۔ وہ اپنے گھوڑے کو سر پہلے دوڑاتا ہوا سلطان کی فوج میں داخل ہو گیا اس نے اپنے سامنے کی صفیں درخیم پریم کر کے رکھ دیں۔ لیکن سلطان اس کے داخل ہونے سے پہلے ہی اپنی جگہ

مجبور کر گئیں اور چلا گیا تھا۔

ابراہیم اینال نے آواز دی: طفیل بھائی پڑا سامنے آؤ تاکہ زیادہ جانیں نہ جائیں اور جنگ کا فیصلہ جلدی ہو جائے۔

طفیل کے سپاہیوں نے اس کو گھیرنا چاہا لیکن وہ اس کے بس کا نہیں تھا۔ جتنی تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے واپس چلا گیا۔

ابونصر حیران تھا کہ سلطان آخر کیا بتا کر رہا ہے؟ اور اس کو کس چیز کا انتظار ہے؟

تقریباً دو ساعتوں کے بعد سلطان نے ابراہیم اینال کی فوج کے عقب سے گرد و غبار کے تل بادل اٹھتے دیکھ کر غور و غبار تو ان دونوں فوجوں کا بھی کافی تھا لیکن یہ غیب کا گرد و غبار اس سے مختلف اور ذرا فاصلے پر تھا۔ سلطان نے اپنی فوج کو حکم دیا: اب پیش قدمی کا وقت آ گیا ہے کہ گے بڑھو اور دشمن کو خاک و خون میں نہلا دو۔

اور اس حکم کے ساتھ ہی سلطان خود بھی ابراہیم اینال کے قلب میں داخل ہو گیا۔

تیروں کی سنسٹا ہٹ اور غبار تل کی شپاشپ میں ڈھالوں پر گھنے والی عزیمت کا شور بھی کچھ کم نہیں تھا۔ سلطان کا یہ حملہ اتنا اچھا لگتا اور شدید تھا کہ ابراہیم اینال اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ شاید سلطان کی فوج سے کسی کی لگ آ کر لگ گئی ہے۔

دونوں فوجیں اس طرح گھٹم گھٹا ہو گئیں کہ ابراہیم اینال اور سلطان ایک دوسرے کے مقابل جانے کا خیال ہی اپنے دل سے نکال بیٹھے۔

سلطان نے اپنی فوج کو ہدایت کی کہ ابراہیم اینال کو قتل نہیں کرنا کیا جائے۔

یہی حکم قادیات اور یا قادی کو بھیجا گیا کہ محمود اور احمد کو قتل نہ کیا جائے انھیں زندہ گرفتار کیا جائے۔

دوسری طرف ابراہیم اینال نے بھی اپنے قلب کی سپاہ کو حکم دیا: سلطان طفیل زندہ نہ کرنا ہے اس کو قتل نہ کیا جائے اور اس کے ساتھ اس نے انعام کا اعلان بھی کر دیا جو سپاہی طفیل کو قتل کرے گا اس کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔

یہ عجیب متضاد اعلان تھا۔ زندہ گرفتاری کی ہدایت اور قتل پر انعام و اکرام کا وعدہ۔

ابونصر نے کہا: شاید اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے پھر یہ ایک ابراہیم اینال کی سپاہ کا رخ اپنی پشت کی طرف ہو گیا وہ کسی اور سے مصروف ہو چکا ہو چکا ہے۔

لیکن وہ کسی کسی نے مار کر سلطان کی سپاہ سے بھی الگ ہو رہے تھے ایک سپاہی ابراہیم اینال کی قتل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

ابونصر کی جستجو تھی کہ ابراہیم اینال کی پشت پر کیا ہو رہا ہے؟

سلطان طفیل اپنے جدید سواروں کے ساتھ ابراہیم اینال کی طرف بڑھا۔ ابراہیم اینال کے محافظ ادھر ادھر جھاگ رہے تھے۔ ابراہیم اینال نے ان کو روکنا چاہا مگر وہ نہیں دے سکے۔

ابراہیم اینال کا سینہ اور سیرہ بھی اس مصیبت میں گرفتار تھے۔ ان دونوں کی سپاہ بھی ادھر ادھر جھاگ رہی تھی۔ یہ دونوں فوجیں بھی اپنے سامنے اور پشت سے یکساں مار کھا رہی تھیں۔ یہاں بھی قادیات اور یا قادی محمود اور احمد کو نظروں میں رکھے ہوئے تھے۔

دفعتاً ایک گھڑ سوار ابراہیم اینال کی طرف بڑھا۔ وہ ابراہیم اینال کی پشت سے گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور ایک گھنٹہ ابراہیم اینال کی طرف اچھالی جو اس کی گردن میں پھنس گئی اور ابراہیم اینال اپنے گھوڑے سے گر کر گھسٹا ہوا سلطان طفیل کے گھوڑے

انگریزوں کے دو دنوں کے بعد کوہستان میں خزاں آرام سے بیٹھ سکوں گا؟
ابو نصر نے جواب دیا: تو نے ہم سب کو آرام سے
نہیں بیٹھ دیا تو ہم قہر کو آرام سے کیوں بیٹھنے دیں گے؟
ابراہیم اینال اوندھے سبز زمین پر گر گیا۔ اس سے میٹھا
نہیں جا رہا تھا۔

ابو نصر خیمے سے باہر بیٹھ گیا۔ وہ ابراہیم اینال سے باتیں
کرتے کرتے چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے کچھ سپاہیوں کو اپنے خیموں کی
طرف آتے دیکھا اور زیادہ تر کو تعاقب میں جلاستے دیکھا سب
جنگ ختم ہو چکا تھی۔

سپاہی اس کو سلام کر رہے تھے۔ ابو نصر نے ایک سپاہی
سے پوچھا: جنگ ختم ہو گئی؟

اس نے جواب دیا: ہاں جنگ ختم ہو گئی۔ کیوں؟ کیا
آپ کو نہیں معلوم؟

ابو نصر نے کہا: معلوم ہے لیکن سلطان اور شہزادے
کدام ہیں؟

سپاہی نے جواب دیا: سلطان ہمدان پر قبضہ کرنے
تشریف لے گئے، یاقوتی اور قاورت محمود احمد کر پڑ کے
لارہے ہیں اور شہزادہ ارسلان شاید وہ بھی سلطان کی کے
ساتھ گئے۔

لیکن سپاہی نے غلط کہا تھا کیوں کہ شہزادہ الپ ارسلان
خزاں دیر بعد ہی اس کے خیمے میں داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے
ابو نصر بھی اندر آ گیا۔

الپ ارسلان نے کہا: وہ سب کچھ گئے ایک ہی
نہیں بچا۔

ابو نصر نے پوچھا: وہ کون؟

الپ ارسلان نے جواب دیا: وہ سب ابراہیم اینال کے
بھائی محمود احمد دہ سب کچھ گئے۔

خیمے میں ابراہیم اینال کو اوندھے سبز زمین پر ادبھی تو
الپ ارسلان کو بیسی آگئی۔ عراق و خراسان کی حکمرانی کا خواب
دیکھنے والا آج سر بسجود کیوں ہے؟

ابراہیم اینال نے کراہتے ہوئے جواب دیا: بیٹھے!
میں تیرا بڑا بھائی ہوں مذاق نہ مٹاؤ۔

الپ ارسلان نے کہا: رشتوں کی بات وہ کسے میں جن
کو رشتوں کا خیال ہو۔

ابراہیم اینال نے جواب دیا: میں نے اپنے بھائی
خضر کے ساتھ زیادتی کی ہے وہی مجھ سے جواب طلب کر
سکا ہے تو کیوں بولتا ہے؟

تک چلا گیا۔
یہ گھڑسوار گھوڑے سے کود کر سلطان خضر کی طرف
بڑھا۔ سلطان خضر بھی گھوڑے سے نیچے آ گیا اور اس فرعون
گھڑسوار کو سینے سے لٹکایا۔ الپ ارسلان! یہ آج کی فتح تیرے
نام لکھی جا رہی ہے۔

شہزادہ الپ ارسلان کی نظریں خاک و خون میں اترنے
ہوئے ابراہیم اینال کی طرف تھیں جو زخمی نو تھا مگر مجبوراً بالاج
نہیں ہوا تھا۔ الپ ارسلان نے اس کے دونوں ہاتھ پشت پر
باندھ دیے۔ ابراہیم اینال نے اسے الٹا کرنے سے منع کیا۔
پچھلے الپ ارسلان! میں تیرا چچا ہوں تو یہ کر رہا ہے؟

الپ ارسلان نے محسوس کیا کہ سلطان کے قلب میں
انتشار پیدا ہو رہا ہے۔ اس وقت ابو نصر بھی ان کے پاس
ہیٹے گیا اس نے سلطان سے بڑی بدحواسی میں کہا: یہ آپ
گھوڑے سے نیچے کیوں گئے؟ ہماری فرج اس شک و شبہ
میں پڑ گئی ہے کہ آپ خدا نخواستہ اس معرکے میں جہاں شہادت
دش کر چکے ہیں۔

خضر نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا اور اپنے گھوڑے
پر سوار ہو کر قلب کی سپاہ میں اپنا گھوڑا دوڑانے بھاگنے لگا۔
الپ ارسلان کو اپنے سوتے اور ابراہیم اینال کو گرفتار
دیکھ کر ابو نصر پھولانے سمایا۔ شہزادے سے پوچھا: آپ کدھر
سے آ گئے؟

شہزادے نے جواب دیا: باتیں تو بعد میں بھی ہو جائیں
گی۔ آپ ابراہیم اینال کو خیمے میں لے جائیں۔

ابو نصر ابراہیم اینال کو بیدل چلا کے اپنے خیمے میں لے
گیا۔ اس وقت ابراہیم اینال کو رحم طلب نظروں سے دیکھ رہا
تھا اور ابو نصر بڑبڑاتا تھا: بد نصیب انسان! اوندھے اپنی دنیا
بھی برباد کی اور آخرت بھی تباہ کر ڈالی۔

ابراہیم اینال نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی تب تک
کو سب کچھ کہہ رہا ہے بلکہ کاش میں نے تیرا کام لیا ہوتا؟
ابو نصر نے اس کی گمان کے بارے میں پوچھا: تیری وہ
گمان کد ہے جس کی انت سے تو مجھے جہانسی دینے والا تھا؟
ابراہیم اینال نے جواب دیا: وہ میدان جنگ ہی میں
کہیں گر گئی۔

ابو نصر نے اس کو قالین پر بٹھا دیا تھا۔ چوں کہ اس کے
دونوں ہاتھ پشت پر بندھے تھے اس لیے اس کو تکلیف ہو
رہی تھی اس کی پیشانی کو دھان تھیں اور کپڑوں پر غنم کے دھبے
تھے دونوں کنیاں چھل گئی تھیں اور ان سے غنم کی دھواں تھا۔
ابراہیم اینال نے مجھ کی درخواست کی تھی ابو نصر!

ابونصر نے اب اسلطان کو اشارے سے منع کیا کہ وہ خاموش رہے۔

اب اسلطان خاموش ہو گیا اور کچھ دیر بعد وہ خیمے سے نکل کر باغ جنگ کا جائزہ لینے لگا۔

ابراہیم اینال نے خیمے کو اب اسلطان سے خالی دیکھ کر ابونصر سے درخواست کی: "ابونصر! تو توڑک نہیں پئے ترک خاتم ہوتے ہیں میرے دونوں ہاتھ تو کھول دے میں بڑی تکلیف میں ہوں۔"

ابونصر نے معذرت کر لی: "افسوس کہ میں بددیانتی سے نہیں کر سکتا، اللہ تیری مشکل آسان کرے۔"

ابراہیم نے انعام کی پیش کش کی: "تو مجھ پر رحم کر میں تجھ کو مال مال کر دوں گا۔"

ابونصر کو ہنسی آگئی، پوچھا: "وہ کس طرح؟ یہاں اس وقت تیرے پاس کیا ہے؟"

ابراہیم نے جواب دیا: "میرے دست صرف وعدہ دینے کے لیے اگر تو مجھ پر بھروسہ کرے تو میرے ساتھ چل، میں تجھ کو مال مال کر دوں گا۔"

ابونصر نے اس کی پیش کش پر کوئی توجہ نہیں دی اور باہر جاتے ہوئے کہا: "اب تو کچھ دیر آرام کر لے، اللہ نے پادشاہ اسلطان کے واسطے آئے ہی تیری مشکل آسان ہو جائے گی۔"

باہر اسلطان کے سپاہی مل غنیمت ڈھونڈنے میں مشغول تھے، ابراہیم اینال کے خیمے تک اکھاڑ لیے گئے۔

ابونصر نے اسلطان کو دربار سے انجی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا، وہ چند ترکوں کے زنج میں تھا اس کے گھوڑے کے رفتار زیادہ تیز نہیں تھی، پوچھ کر دیکھی تھی۔

ابونصر اسلطان کے استقبال کو آگے بڑھا راستے میں کسی طرف سے اب اسلطان بھی نمودار ہو گیا، اسلطان شہزادے کو دیکھتے ہی اپنے گھوڑے سے نیچے آگیا، شہزادے نے بھی یہی کیا، دونوں چپا بختیہ غل گیر ہو گئے۔

اسلطان نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی: "میں یہ فتح میرے غنیمت حاصل ہوئی ہے۔"

اب اسلطان نے انکساری اختیار کی: "یہ آپ کی ذوق نوازی ہے، ورنہ من انہم میں کیا ہوں، خوب جانتا ہوں۔"

اسلطان نے کہا: "اب اسلطان میرے بھتیجے، بہر حال، کوئی کسے یا نہ کہے لیکن میں ہی کموں گا کہ میں نے یہ جنگ تیرے لفیل جیتی ہے!"

اب اسلطان نے عرض کیا: "میں متعزیم آپ اس ذکر کو چھوڑی اور یہ سوچیں کہ اب میں کیا کرتا ہے؟"

اسلطان نے انجی طرف آتے ہوئے ابونصر کے بارے میں اظہار خیال کیا: "یہ آدمی بھی میں خوب ملا ہے، عقلمند اور وفادار میں نے اسے ہر طرح آنا کر دیکھ لیا۔"

اب اسلطان نے بھی تائید کی: "ہاں اچھا آدمی ہے۔"

اسلطان نے اب اسلطان کو مشورہ دیا: "ابونصر کو چاہئے خاندان میں زندگی بھر رہنا چاہیے، یہ شخص ہماری آبرو ہے۔"

اب اسلطان نے جواب دیا: "آپ کا ارشاد بجا اور انجی جگہ میرا خواجہ شخص بھی اس سے کسی طور کم نہیں ہے، وہ بھی خوب آدمی ہے۔"

اسلطان نے آہستہ سے کہا: "ہو سکتا ہے وہ بھی بہت لائق ہو لیکن وہ کسی طرح اس جیسا نہیں ہو سکتا۔"

اب ابونصر ان کے قریب پہنچ چکا تھا اس نے اسلطان کے ہاتھ سے گھوڑے کا لٹکام لے لیا، اسلطان نے پوچھا: "ہاں ابونصر! وہ ابراہیم اینال کس حال میں ہے؟"

ابونصر نے جواب دیا: "جس کو اس کی تعذیر نے چھوڑ دیا ہوا اس کا حال کیا بیان کیا جائے؟"

اسلطان نے دوسرا سوال اب اسلطان سے کیا: "اور وہ دونوں؟ محمود اور احمد کہاں ہیں؟"

اب اسلطان نے جواب دیا: "بھائی یا قوتی کی قید میں، عجمی کے سامنے پہنچ کر گھوڑا تو ایک سامنے کے سپرد کر دیا گیا اور اسلطان، اب اسلطان اور ابونصر کے ساتھ خیمے میں داخل ہو گیا۔"

ابراہیم اینال کی اسلطان غزل پر جیسے ہی نظر پڑی اس نے ابونصر کی شکایت کر دی: "بھائی غزل! آپ مجھے دیکھ رہے ہیں کچھ بھی سنی آخر میں آپ کا بھائی ہوں، ایک بھائی کی اولاد ابونصر نے میرے دونوں ہاتھ میری پشت پر باندھ دیے ہیں!"

اسلطان غزل نے ابونصر کو تکم دیا: "اس کے دونوں ہاتھ کھول دیے جائیں۔"

اب اسلطان نے پریشان ہو کر کچھ کہنا چاہا لیکن کد نہ سکا، ابونصر نے اس کے دونوں ہاتھ کھول دیے، اس کو اندیشہ تھا کہ اس اسلطان اس کو اس بار بھی معاف نہ کرے۔

ابراہیم اینال نے آزاد ہوتے ہی ابونصر کی طرف حقارت سے تنہا دیا: "یہ کام تو پہلے بھی کر سکتا تھا۔"

اسلطان غزل نے اس کو جھڑک دیا: "ان بے ہودہ حرکتوں سے باز آ جا اور چپ چاپ بیٹھ جا۔"

ابراہیم اینال جہاں کھڑا تھا وہیں بیٹھ گیا۔

اسلطان نے اب اسلطان سے کہا: "اب اسلطان غزل اور یا قوتی کو بھی میں بلوانا اور یا قوتی سے بھی کھولنے کے کردہ محمود

اور اس کو بھی یہیں لے آئیں۔

اب اس سلطان باہر چلا گیا۔ اب سلطان ابراہیم اینال سے مخاطب ہوا اور بہ نسبت انسان کیا تو ابو نصر کو نہیں جانتا کہ میرا کون ہے؟

ابراہیم اینال نے جواب دیا: اس کو مجھ سے زیادہ کون جانے گا؟ یہ آپ کا وزیر ہے۔

سلطان نے پوچھا: اور تو میرا کون ہے؟

اس نے جواب دیا: میں آپ کا سچائی ہوں۔ سلطان نے تحقیر آمیز لہجے میں کہا: تو میرا بھائی تو ضرور ہے لیکن بن یا مین کی طرح نہیں بیوہ کی طرح۔

ابراہیم اینال نے اپنے دونوں بھائیوں کا بلہ کیا: میں نے یہ جو کچھ کیا، اپنے دونوں بھائیوں محمود اور احمد کے درغلانے پر کیا، اگر ان دونوں کو ہلاک کر دیا جائے تو میں ان کی نحوست سے نجات پا جاؤں گا۔

ابو نصر کو اس پر غصہ آ رہا تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ سلطان نے ابراہیم اینال کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔

سلطان نے ابو نصر کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم کے پاس بیٹھا ہے اور ابراہیم کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے۔

وہ باہر چلا گیا۔ ابراہیم اینال کو ابو نصر پر ہنسی آرہی تھی۔

کھنڈے گڑے ترے۔ اپنی زندگی کا ایک سنہرا موقع ضائع کر دیا کچھ دیر پہلے اگر میری بات مان لیتا تو تو ملا مال ہو چکا ہوتا لیکن سچ ہے کہ جب کوئی چیز کسی کی قسمت ہی میں نہ ہو تو وہ اسے کس طرح مل سکتی ہے؟

ابو نصر نے بڑے تحمل سے جواب دیا: میں سلطان کا

خدمت گار ہوں۔ میں جس حال میں ہوں خوش ہوں اور میں سلطان سے بددیانتی نہیں کر سکتا۔

ابراہیم اینال نے کہا: اب تو میرے شر سے کس طرح بچے گا۔ میں پھر بحال ہو جاؤں گا اور کبھی نہ کبھی تجھ کو بتاؤں گا کہ وہ بھائیوں کے جھگڑے میں کسی غیر کا دخل دانا غار بھاگایا ہوتا ہے اسلئے اس کا انہام کیا ہوتا ہے؟

ابو نصر نے جواب دیا: یہ ساری باتیں فضول ہیں۔ تجھ کو کیا معلوم کہ تیرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟

ابراہیم نے بڑے اعتماد سے کہا: سلطان ہفزل میرا بھائی ہے۔ وہ بیوہ کی طرح براہ کوش نہیں ہے۔

ابو نصر اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن ابراہیم اینال باتیں کیے جا رہا تھا آخر ابو نصر نے کہا: تجھ کو کچھ دیر غاموش رہنے سے میں تجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔

ابراہیم نے پھر کچھ کہی اور وہ خود تجھ سے بات نہیں کرنا

چاہتا ہوں۔

ابو نصر اپنی بیوی عورتی محسوس نہیں کر رہا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس بار بھی ابراہیم کو چھوڑ دیا گیا تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ سلطان ہفزل زیادہ عقلمند نہیں ہے اور حکمرانی اور جہاں بانی اس کے پس کی بات نہیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کو اب کس دربار کا رخ کرنا چاہیے؟

خیمے کے باہر کئی لوگ باتیں کر رہے تھے ان کی آوازیں اندر رسانی دے رہی تھیں اور ان آوازوں میں سلطان کی آواز بھی شامل تھی جو نمایاں اور شکممانہ تھی۔ وہ کسی کو حکم دے رہا تھا: دونوں دار قریب قریب رکھی جائیں۔

اور دوسرے ہی لمحے سلطان، یا قوتی، قنارت، شہزادہ

اب اس سلطان دونوں قیدیوں کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔

دونوں قیدی محمود اور احمد تھے اور ان کی نہ نجیریں دو انگ انگ تنومند سپاہی پکڑے ہوئے تھے۔ سلطان کے ہاتھ میں ایک کمان تھی۔

سلطان نے اپنے بھتیجوں سے پوچھا: سلیمان کہاں ہے؟ وہ کیسے نظر نہیں آ رہا؟

یا قوتی نے جواب دیا: اس کو ان چیزوں سے کوئی لمبی نہیں۔ اپنے خیمے میں ہو گا۔

سلطان نے حکم دیا: اس کو بھی اسی جیسے میں ہوا ہوں۔

یہاں یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کو دیکھنا چاہیے اس کو سمجھنا اور

* ایک قبر پر کتبہ گا
تھا: یہاں میری بیوی
چین سے سوار ہوئی ہے اور اب
میں بھی گھر میں چین کی نیند سوتا ہوں۔

* ایک صاحب نے اپنے دوست کو بتایا: نسبت

میں میری حالت دوبار تباہ ہوئی۔ پہلی بھوپ نے مجھے

ٹھکرادیا اور دوسری بھوپ نے مجھ سے شادی کر لی۔

* کلاسیکی سنگیت کی محفل میں ایک عورت نے اکتار اپنے شوہر سے کہا: آخر آپ دوسرے شوہروں کی طرح کیوں نہیں بن جاتے جو اپنی بیوی کو اپنے ساتھ بھی لے جاتے؟

یہاں تک کہ اس کی ضرورت ہے تاکہ یہ نشست و برخاست کے آداب
میکھ سکے۔

شہزادہ سلیمان نے الپ ارسلان کو بھیڑک دیا۔ تم سب
کو اور بطور خاص الپ ارسلان کو کسی بھی یہ بات ذہن نشین
کر لینی چاہیے کہ میں اس حکومت کا ولی عہد ہوں اور جانشین بھی
گو یا اس وقت تم سب کے سامنے دو بادشاہ موجود ہیں اس لیے
دونوں بادشاہ ایک ہی جگہ بیٹھ جائیں تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔
ابو نصر کو شہزادہ سلیمان سے بددلی تھی اس نے شہزادے
کی تائید کی یہ سیر اغیال ہے شہزادہ سلیمان جو کہہ کر اسے اس میں
حق بجانب ہے۔

یا قوتی، طاقتور الپ ارسلان ناخوش نظر آ رہے تھے
وہ اپنے بھائی اور ابو نصر سے متفق نہیں تھے۔
سلطان نے اس ناخوش گوار ماحول کو خوش گوار بنانے
کی کوشش کی یہ درست ہے کہ شہزادہ سلیمان کی یہاں ہو جانی
اشد ضروری تھی یہ آگیا، بہت اچھا، وہ ایسا لگ بات ہے کہ
سلیمان کو یہ نہیں معلوم کہ اس کو اپنے بھائیوں سے کس
طرح پیشکش کا نام چاہیے۔

ابراہیم اینال اور اس کے دونوں بھائی خضر اور اس کے
بھتیجیوں کی نا انصافی سے خوش تھے۔

سلطان نے سلیمان کو بطور خاص مخاطب کیا: ہاں تو سلیمان
یہاں جو کچھ ہر پاسے اس پر توجہ دے اسے اسے ادا نہ کر سکتا ہے۔
اور اس سے۔

سلیمان نے بڑا سناٹا بنایا اور سر ترچھا کر کے دروازے
سے بیٹھ گیا۔

سلطان نے ابراہیم سے پوچھا: ہاں تو تو کس کا
رہنما ہے؟

ابراہیم اینال نے جواب دیا: یہی کہ مجھے میرے ان
دونوں بھائیوں نے اس حال کو پہنچا دیا۔

محمود دیکھ کر کھڑا ہو گیا: اور میں کچھ پس مال کو کس نے
پہنچایا ہے؟

ابراہیم نے جواب دیا: تم دونوں کی اپنی سوچ اپنے
کچھ فی نے۔

احمد نے اس کا بھانڈا بھونڈ دیا: بسا سیری سے سازش
کس نے کی تھی باغی خلافت کی تائید کے حاصل تھی؟

سلطان نے محمود اور احمد کے مقدمے کا فیصلہ سنا دیا: تم
دونوں مجرم ہو اور ابراہیم کو اس حال تک پہنچانے کے محرک تم
دونوں ہو اس لیے اس بار تم دونوں کو معاف نہیں کروں گا۔ تم
دونوں کے لیے باہر تختہ دار موجود ہیں یہ پھر الپ ارسلان سے کہو

سکھتا چاہیے۔
یا قوتی نے باہر نکل کر ایک سیاہی شہزادہ سلیمان کے
پاس رسد نہ کبریا۔

اب سلطان دونوں بھائیوں سے مخاطب ہوا: بھائیو
یہ کیا بات ہے کہ میں خود تم دونوں کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں
پہنچا رہا اور تم دونوں خواہ مخواہ مجھ میرے پیچھے پڑ گئے ہو اگر
تم دونوں چاہتے کیا ہو؟

محمود نے جواب دیا: ہم کیا چاہیں گے ہم تو یہ چاہتے
ہیں کہ بھائی ابراہیم اینال کو ان کا حق دے دیا جائے۔
سلطان نے پوچھا: ابراہیم کا کیا حق ہے بھائیوں کو
دے دیا جائے تو امن بھال ہر ہلے گا؟

محمود نے جواب دیا: سیری آدمی حکومت پر تو ابراہیم اینال
کا حق جتنا ہے وہ یہاں تیرے ساتھ برابر حکمران ہے۔
سلطان نے احمد سے پوچھا: اور اس مسئلے میں تو کیا
کہتا ہے؟

احمد نے جواب دیا: وہی جو بھائی محمود نے کہا ہے۔
بھائی ابراہیم کو ان کا حق دے دیا جائے تو امن بھال ہر ہلے گا۔
اب سلطان نے ابراہیم کی طرف دیکھا۔

ابراہیم اینال غصے میں ٹھہرا رہا تھا اس نے حکمرانانہ لہجے
میں کہا: ابراہیم، تو نے بھائیوں کی باتیں نہیں سنی ہیں اب تو وہی
کہہ جان کی عدم موجودگی میں کہہ رہا تھا۔

ابراہیم اینال یہ سمجھا کہ شاید سلطان اس طرح دونوں
بھائیوں کو خطا کا قیاس کر رہا ہے کہ ابراہیم کو معاف کر دینا چاہتا ہے اس
نے دونوں بھائیوں سے غصے کی ترغیب دی لیکن اس سے زیادہ
کہہ ڈالا جس کی اس سے امید جا رہی تھی۔

دونوں بھائیوں نے ابراہیم اینال کی باتیں سنی تھیں انہوں نے
کچھ نہیں اور پوچھا: یہ تو کہہ رہا ہے کہ ابراہیم اینال تو... تو...
ابراہیم اینال نے جواب دیا: ہاں یہی کہہ رہا ہوں تم دونوں
نے مجھے اتنا نہ غصا دیا کہ میں اپنے بھائیوں کے لیے غصے کی پٹریاں
خلاف صرف کر رہا ہوں؟

محمود نے سلطان سے کہا: انہوں نے کہہ دیا کہ کسی کمزور
شخص کو بھلا کر دیا۔

احمد نے بھی انہوں سے کہا: بھائی ابراہیم اینال! یہ آپ نے
کیا کر دیا؟

ابراہیم اینال نے جواب دیا: میں نے سیری کا جو سچ تھا:
شہزادہ سلیمان بھی اندر داخل ہوا اور وہ سیدھا سلطان
خضر کے پاس چلا گیا اس کی یہ حیاءت حاضرین کو گراں گزری۔
الپ ارسلان نے سلطان سے شکایت کی: سلیمان کو ایک

”ان دونوں کو باہر لے جا اور دار پر چڑھا لے۔“

دونوں بھائیوں نے شور کیا یہ کیسا انصاف ہے کامل مجرم تو محفوظ ہے اور ظالمین کو سزائے موت دے دی؟
الپ ارسلان ابراہیم کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اس نے ابراہیم کی طرف دیکھ کر سلطان کی طرف دیکھا متب پھر پاؤں میں ہے۔“

سلطان نے جواب دیا: ”اُن جا۔ میں نے جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کرو۔“

ابو نصر نے دلی زبان میں عرض کیا: ”اور یہ ابراہیم؟ اس کا کیا ہوگا؟“

سلطان نے جواب دیا: ”مجھے اپنے معاملات میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں۔“

الپ ارسلان نے باہر سے چار سپاہی بولائے۔ ان چاروں نے دونوں کو ان کے شانوں سے پکڑ کر باہر لے جلتے ہوئے دھکوں سے بھی کام لیا۔

سلطان خود بھی کھڑا ہو گیا اور حاضرین سے کہا: ”آؤ تیر تماشا ہم بھی دیکھیں۔“

یا قوتی، تاحصت، ابو نصر اور شہزادہ سلیمان کے ساتھ ابراہیم ایتال بھی کھڑا ہو گیا۔ وہ خوش تھا کہ چلوں کم جہاں پاک۔
دونوں اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔

اس بار غیر متوقع طور پر شہزادہ سلیمان نے اسے ڈانٹ دیا: ”تو تو خاموش رہ، کیوں کہ ان سارے نعتوں کی بڑ تو ہے۔“
ابراہیم نے قہر اور نفرتوں سے سلیمان کو گھوما تو گویا سید کی کو بھی زکام ہو گیا۔“

سلیمان نے طیش میں کہا: ”تو مجھ سے اس لیے معاف کرنا ہوں ورنہ میں دوبارہ تلخے ضرور رسید کرتا۔“

سلطان نے سلیمان کو آنکھ دکھائی: ”ایسی بات مت کر۔“
ابراہیم خوش ہو گیا: ”ہم بھائیوں میں اختلاف کا سبب یہ جتنیجہ میں اور نہ ہم دونوں کے دل حلف میں۔“

چاروں سپاہی محمود اور احمد کو دھکیلنے پر توجہ دار ٹکدے لے گئے، الپ ارسلان ان کے ساتھ ساتھ تھا۔

اس تہلیشے کو دیکھنے کے لیے چاروں طرف سے ترک سپاہیوں کا ہجوم اٹھا ہو گیا۔

تھوڑے دیر کے پاس دو جلاوچے سے موجود تھے ابراہیم اس خوفناک منظر سے بدو جب خوش ہو اٹھا۔ سپاہیوں نے ابراہیم کو زلوا اور خوش جو دیا تو ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ یہ کچھوں کا زاد اور خوش ہے۔

سلطان نے اپنے سپاہیوں کو بتایا: ”یہ وہ دونوں

مفسد ہیں جو ہمیشہ میری پریشانیوں کا باعث بنتے رہے۔“

محمد نے کہا: ”سلطان! آپ بھی ہلکے بھائی ہیں۔ ہم دونوں سنے رہے کیا ہمیں کا بھائی ابراہیم نے ہمیں حکم دیا فتنہ اور فساد کی جڑ تو آپ کی بغل میں محفوظ اور محفوظ کھڑی ہے اور آپ ہم دونوں کو دار پر چڑھا لے دے رہے ہیں یہ کیسا انصاف ہے آپ کا؟“

سلطان نے ان کی کسی بات کا بھی جواب نہ دیا جلاوچوں کو حکم دیا کہ دونوں کو دار پر چڑھا دیا جائے۔

جلاوچوں نے دونوں کو ایک ساتھ دار پر چڑھا دیا دونوں کے غلا میں لٹکے ہوئے پاؤں کچھ دیر تھر تھرتھرتے رہے اور آخر کار ساکت ہو گئے۔ سلطان اور دوسرے ناظرین کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ دونوں کی جانیں نکل چکی ہیں۔

سلطان نے جلاوچوں سے پوچھا: ”کیا دونوں سرچکے ہیں؟“
جلاوچوں نے ایک ساتھ جواب دیا: ”بھلا انہ دونوں سر چکے ہیں۔“

سلطان نے ابراہیم ایتال سے پوچھا: ”تیرے دونوں بھائی مر چکے ہیں اگر تو جانتا ہے تو ان کی میتوں کے نیچے کھڑے ہو کر ان کے لیے دعاؤں سے مغفرت کر دے۔“

ابراہیم نے بڑی بے مروتی سے جواب دیا: ”میں اور دعاؤں سے مغفرت کروں ان مفسدوں کے حق میں! تو بر تو تیر میں یہ نہیں کروں گا۔“

سلطان نے ابو نصر کو آواز دے کر اپنے پاس بلایا اور کہا: ”خیمے میں جہاں وہاں ابراہیم کی کمان رکھی ہے اس کا ٹھالا؟“
کچھ دیر بعد ابو نصر ابراہیم ایتال کی کمان لے آیا۔

ابراہیم ایتال پریشان ہو اٹھا۔ سلطان نے کمان ابو نصر کے ہاتھ سے لے کر ابراہیم سے پوچھا: ”کیا تو تہلے گا کہ یہ کسی کی کمان ہے؟“

اب یا قوتی، قادرت اور الپ ارسلان بڑی دلچسپی سے ان دونوں کی باتیں سن رہے تھے۔ سلیمان ان سب کی فحشیں باری باری دیکھ رہا تھا۔

ابراہیم نے سہمے ہوئے بچے میں جواب دیا: ”میری ہی کمان ہے۔ آپ کو کہاں سے ملی؟“

سلطان نے یا قوتی اور ابو نصر سے پوچھا: ”شاید تم دونوں بھی اس کمان سے واقف ہو گئے؟“

دونوں نے جواب دیا: ”اے ابراہیم اسے پہانتے میں یہ ابراہیم کی کمان ہے۔“

ابو نصر نے بغور خاص کر اس کمان کو اس لیے بھی نہیں جھول سکا کہ ابراہیم نے اس کی آنت سے کچھ کر چاٹنی

دینے کا ارادہ کیا تھا۔

ابراہیم اینال نے اپنی صفائی پیش کی وہ بات میں سے
سجید سے نہیں ازراہ مذاق کی تھی۔

سلطان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا تو نے ابھی
نہیں مذاق ہی مذاق میں ہم سب کو بہت دنگ دیا ہے، بڑی
اڑتیلیں دی ہیں۔ تو نے اپنے دونوں بھائیوں کو مذاق ہی مذاق
میں دیر پر پڑھوا دیا تو نے ہم سے جنگ کی اور مذاق ہی مذاق
میں سیکڑوں ترک نکل کر اٹھے۔ تو نے مذاق ہی مذاق میں بلیر
سے ساز باز کر لیا اور امیر المومنین کو غارت گری میں غارت کر دیا
اور مذاق ہی مذاق میں مصر کے فاطمی خلیفہ سے ساز باز کر لیا
ابراہیم زار و قطار دوڑنے لگا۔ بھائی فخریٰ رحمہم آپ کو
میں کا واسطہ، ماں کی اس کو کھ کا واسطہ جو ہم دونوں کی ہو گئی۔
سلطان نے غصے میں کانپتے ہوئے بات کاٹ دی۔
اب میں تیری ایک بات بھی نہ سنوں گا اور تیری کوئی بات نہیں
مانوں گا۔ تو ہرگز معافی کا مستحق نہیں۔ تو احسان فرماؤش اور موقع
پر مت ہے۔

ابو نصر اور چاروں شہزادوں سے یہ درخواست نظر آچکے تھے
سلطان نے دونوں جلاوطن کو اپنے پاس بلایا
ابراہیم دوزخ فخریٰ کے رویہ پر بیٹھ گیا۔ بیس ایک ہالہ
میں وعدہ کرتا تھا کہ آئندہ کسی غلطی نہیں کرے گا۔
سلطان اس کے سامنے سے ہٹ گیا اور ابو نصر سے
کہا۔ جلاوطن سے کہہ کہ وہ اسی کی کانٹ سے ابراہیم کو
پھانسی دے دیں۔

ابراہیم نے بڑی بیس بیس سے پوچھا۔ بھائی فخریٰ! جب
آپ کو یہ سزا دینی ہی تھی تو آپ نے جاں بخشی کیوں کی تھی؟
سلطان نے جواب دیا۔ میں نے تجھ کو معاف نہیں کیا
تھا۔ میں نے تیری جان بخشی نہیں کی تھی۔

ابراہیم نے کہا۔ تب پھر مجھے بھی میرے دونوں بھائیوں
کے ساتھ ہی دیر پر پڑھنا پڑتا تھا۔

سلطان نے جواب دیا۔ میں نے تیرے بھائیوں کی
نظر میں تیرا مقام شہزادہ قرار رکھا اور میں تجھ کو ان دونوں
سے الگ کر کے یہ سزا دینا چاہتا تھا۔

ابو نصر نے سلطان سے درخواست کی۔ سلطان محترم!
برخیز کہ ابراہیم کو آپ کے حکم سے پھانسی دی جا رہی ہے لیکن
میں اس سے بری رہنا چاہتا ہوں۔ آپ دونوں میں خون کا رشتہ
ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اس کے گٹے میں میری نگہانی اور مرئی
سے اس کی تانت کا پھندا ڈالا جائے۔

شہزادہ یا قوقی آگے بڑھا اور سلطان سے کہا۔ یہ کام میں

انجام دوں گا۔ کیوں کہ ابراہیم نے میری موجودگی میں یہ کہا تھا کہ
اس کان کی تانت سے یہ ابو نصر کو پھانسی دے گا۔ میں اس کا
علیق شاہد ہوں۔

سلطان نے جواب دیا۔ جلیبی سی۔

دونوں جلاوطن نے یا قوقی کے اشارے سے پرکان کی
ہمت کان سے الگ کی اور پھر اس کا پھندا بنا کر ابراہیم اینال
کے گٹے میں ڈال دیا۔ ابراہیم اینال نے دونوں ہاتھوں سے پھندا
نکالنے کی کوشش کی لیکن طاقت اور جلاوطن کی گرفت سخت
ہوتی چلی گئی۔ ابراہیم اینال نے کئی جھکے دیے جس سے دونوں
جلاوطن کھٹکے، مگر انھوں نے تانت نہیں چھوڑی۔

یا قوقی نے جلاوطن کو مشورہ دیا۔ اسے زمین پر گرا دو۔
دونوں نے ابراہیم کو زمین پر گرا دیا۔ اب وہ زمین پر
ترپ پل رہا تھا لیکن اب اس کا زور کم ہو چکا تھا۔
جلاوطن کے دونوں ہاتھ تانت کے دونوں سرے
اپنی اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ ابراہیم اینال کی آنکھیں مائل
پڑ رہی تھیں۔

ابو نصر وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ یہ منظر نہیں دیکھا چاہتا تھا۔
سلطان بھی نیچے میں چلا گیا۔ اس نے ابو نصر سے پوچھا
تو وہاں سے کیوں چلا آیا؟

ابو نصر نے جواب دیا۔ دو بھائیوں کا معاملہ تھا۔ میں اس
میں اپنے جذبات کو خیر مانہ لاری۔

سلطان نے ناراضی کا اظہار کیا۔ اس نے ہمیں بہت
نقصان پہنچایا۔ کیا میں اس کو معاف کر دیتا؟ کیوں معاف کر دیتا؟
ابو نصر نے جواب دیا۔ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ آپ اس
کو معاف کر دیتے لیکن یہ ضرور ہے کہ ابراہیم جیب بھی آپ کو یاد
آئے گا تو اس کے ساتھ ہی میں بھی یاد آؤں گا۔ یہ زخم ابھی تازہ
ہے اس لیے اس کی ازیت ابھی نہیں، بعد میں بہت محسوس ہو
گی اور اس وقت میں آپ کی نظروں سے کس قدر گر جاؤں
گا۔ اسی لیے میں ابراہیم کے قتل میں پیش پیش نہیں رہا۔

سلطان نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا۔ شاید وہ دیر چکا
وہ ابراہیم سے محبت کرتا تھا۔

ابو نصر نے سلطان کو غلیہ دینا چاہا، باہر جانے کا اجازت
چاہی۔ کیا میں باہر جا کر دیکھوں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟
سلطان نے جواب دیا۔ نہیں، تو یہیں ہی نیچے میرے
موجود رہ۔

سلطان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ ابو نصر دم سا دھ کر
بیٹھ گیا۔

کچھ دیر سکوت رہا۔ آخر سلطان نے اپنے جذبات پر قابو
لایا کہنے لگا: میں سوچ رہا تھا کہ یاقوتی طاقت اب ایسا سلطان
نہیں سے کوئی ایک سیری طرف بڑھے گا اور کہے گا کہ ہم شہر کو
ایک بار اور معاف کر دیا جائے؟
سلطان خاموش ہو گیا۔

ابو نصر نے ہستہ سے کہا: اللہ اکبر سلطان کو کتنا بڑا
دل عطا ہوا ہے۔ سبحان اللہ!

سلطان نے کہا: لیکن میں اس وقت یہ پس بکبے اختیار
سوچ رہا ہوں کہ یاقوتی نے چھانسی دینے کے ذمے داری خود قبول کر لی؟
ابو نصر سلطان سے بے حد متاثر تھا۔

سلطان ابو نصر کے شکایت کرنے لگا: تو نے بھی ابراہیم
ایمال سے منہ موڑ لیا۔ تو نے بھی اس کی سفارش نہیں کی، تو نے
بھی رحم و درگزر سے کام نہیں لیا؟

ابو نصر کو سلطان کے ان احساسات اور جذبات کا کسی
قدما ندانہ تھا۔ میں سلطان کے عمل و انصاف میں سادگیت
شیرا رہا چاہتا تھا۔

سلطان نے ابو نصر کے چہرے پر نظریں جمار کھی تھیں
اور یہ نظریں تیر کی طرح ابو نصر کے دل میں اتنی جاری تھیں۔

سلطان اٹھ کھڑا ہوا: آگاہ ہوں میں نے کبھی وہاں کیا ہو رہا

سب سے سبب یہ دونوں تھے۔ سے شکل رہے تھے تو سلطان ابو نصر

کو یاد کار رہا تھا۔ دائر میں سنہ ابراہیم کو یہ سزا اس لیے بھی دی

کہ اس نے تجھ جیسے وفادار اور صاحب عقل و دانش کو اپنا گمان

نکالت سے ماننے کی دھمکی دی تھی؟

ابو نصر سلطان کے احسان کے پورے دتا جا رہا تھا۔

دونوں جلاد ابراہیم ایمال کو ہلاک کر کے تانت یا قوتی

کو دے کر واپس جا رہے تھے۔

سلطان ابو نصر کے ساتھ ابراہیم ایمال کی لاش کے پاس

گیا اور اس کے گرد بک چرس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے

آنکھوں کے آبیے ہوئے ڈیروں کو اپنی آنکھوں سے اندر کر کے

کی کوشش کی مگر کام نہ رہا۔

ابو نصر نے بتایا: یہ اندر نہیں جائیں گے؟

شاید سلطان نے اس کی بات نہیں سنی۔ مگر ابراہیم ایمال

سے کہہ رہا تھا: اس میں کہ میں نے تجھ کو کئی بار معاف کیا۔

لیکن تو نے ان کا خیال نہیں کیا۔ تو میرا جوابی تھا لیکن تو اس حد تک

شکار ہو گیا جس حد تک شکار مادم کے مقابلہ میں شکار

معتد ہو گیا تھا۔

ابراہیم ایمال کے چہرے پر مٹی لگ گئی تھی سلطان نے

اسے اپنے دامن سے حلق کر دیا۔

سلطان نے سلطان کی حرکات کا مذاق اڑایا اور مسکراتے
ہوا وہاں سے جا گیا۔ وہاں سے کچھ دیر بعد ابو نصر کے
سے سلطان کی عقل کو وہ وقت گزریا ہے شاید؟

سلطان نے یاقوتی کو حکم دیا: ابراہیم کو اعزاز و احترام

سے دفن کر دے۔ اور اس کے کھدائی و دفن کے بعد ان کے ساتھ

نہیں در نہ یہ دونوں دریاں بھی ابراہیم کو قسطنطنیہ میں منتقل کر

دیں گے۔

اس بار سلطان نے ابو نصر کو بھی اپنے ساتھ نہیں لیا۔

وہ ایک طرف جا گیا۔ اس طرف جہاں اس کے ترک مقبول

فلک و زمین میں پھرتے پھرتے تھے۔

یاقوتی نے ابو نصر سے پوچھا: یہ سلطان اندر کس

کس قسم کی باتیں کر رہے تھے؟

ابو نصر نے ہر بات صاف صاف بتادی۔ سلطان کو

ابراہیم کی موت کا بہت ڈر کہہ رہے تھے۔ تو مدد رہے کہ ہم میں

سے کسی سے ابراہیم کی سفارش بھی نہیں کی۔

یاقوتی نے کہا: سلطان کو اگر معاف ہی کہتا تو توں کو

کسی کی سفارش کیوں دکھا رہے تھے۔ نہ ہماری سفارش کے بغیر بھی

معاف کر سکتے تھے۔

ابو نصر نے کہا: یہ بات سلطان سے کریں۔ شاید مزاج کا

مشکلت تھا جو سلطان کو سفارش پر مانگ کر دے تھا۔ سفارش

کو بہانہ بنا کر ابراہیم کو معاف کر دیتا۔

سلطان کے مزاج اور نفسیات کا یہ نہ رہتا تھا جس کو

ابو نصر اس کے جتنیوں سے پہلے بار چاہے دیکھ لیا تھا۔

۔۔۔

اس خطرناک مہم سے فارغ ہونے کے بعد سلطان اپنے

کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اب ارمینا سے بہت خوش تھا کہ یہ کہ

اگر وہ حسب منصوبہ ابراہیم ایمال کی پشت پر حملہ آور نہ ہو جاتا

تو ملک کا انجام ابراہیم ایمال کی حمایت میں رہا ہو سکتا تھا۔

یا تو قیامت اور دوسرے ترک سرور سلطان کی اداسی

سے پریشان تھے اور یہاں ایسا تھا کہ سلطان کا صدمہ جواب

دے چکا تھا۔ اسباب و فریاد و فوہات میں کوئی دلچسپی نہیں

رکھتا۔ سلیمان کو اندیشہ تھا کہ کہیں سلطان سب اچھے چھوڑ چھوڑ

کر گوشہ نشینی اختیار کر لے۔ جہاں اس سے سلطان سے

دو پہ غفلتوں میں کہا: یہ تین نو جوان تھے وہاں پہلے میں

ان کا میں بخوبی اندازہ کر سکتا ہوں۔ اب اگر آپ یہ سوچ رہے

ہوں کہ میدان سلطنت سب سے اور ترک دنیا میں مافیت ہو سکتا

ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ سب سے اور ترک دنیا میں مافیت ہو سکتا

ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ سب سے اور ترک دنیا میں مافیت ہو سکتا

ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ سب سے اور ترک دنیا میں مافیت ہو سکتا

رکھوں گے

جب وہ سلطان سے یہ باتیں کر رہا تھا اس وقت سلطان کے پاس ابوالنصر کے سوا کوئی نہ تھا۔ سلطان کو شہزادے کی ملوک پرکز حققت پر غصہ بھی آیا اور انہوں میں بھی ہوا۔ اس نے سلیمان کو جواب دیا: تیری پیش کش پر میں ضرور غور کروں گا۔ اس وقت تو تو اپنے خیمے میں آرام کر میں ماسی سہلے میں ابوالنصر سے چند باتیں کر لوں۔

سلیمان کے خیمے پر سترت و انبساط کی چمک دکھائی دیتی تھی۔ اس نے جانتے جانتے ابوالنصر سے کہہ میں آپ کو ہم محترم کی جگہ شے چکا ہوں۔ میرے وزیر کا آپ کی رہی ہوئی ہے۔ جب سلیمان چلا گیا تو سلطان نے سلیمان پر غصہ کر کے شہزادے کو کہہ اس بات کی باتیں اس کے بہائیوں نے نہیں منیں گے۔ معلوم نہیں کیا غضب ہو گا۔ ایک طوفان ناچھ کھڑا ہوا۔ امیر خیال ہے اس کو اس کی ماں کے پاس سے بھیج دیجئے۔

ابوالنصر نے جواب دیا: آپ جناب چاہیں سلیمان کو بھیج دیں۔ ویسے شہزادہ جو صلہ مند ضرور ہے۔

سلیمان نے کہا: جو صلہ مند نہیں، امانت ہے۔ اس کو جو صلہ مندی نہیں عاقبت کہتے ہیں۔ ویسے تیری اطلاع کے لیے میں یہ بتا رہا ہوں کہ میری دل چاہی کے لیے شہزادہ ابوالنصر سے بہتر شخص نہیں مل سکتا۔

ابوالنصر نے سلطان کو ہانڈی عمر کی دعا میں دی۔ شہزادے کو قیامت تک زندہ و قائم رکھے۔ یہ مایوسی کی بات کہ کچھ دنوں کے بعد وہ بھی۔

سلطان نے شہزادے کو شروع کر دیا۔ شاید وہ کسی الجھن میں تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلنے لگا۔

ابوالنصر نے کچھ دیر غموش رہ کر سلطان سے پوچھا: آپ مجھ سے کوئی خیر خواہی بات کر سکتے ہیں؟

سلطان نے جواب دیا: ہاں، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا میرے چہرے پر مایوسی اور تشکر کے اثرات یکساں نظر آتے ہیں؟

ابوالنصر نے کہا: جی ہاں۔ میں اسے مایوسی تو نہیں ٹکڑی اور الجھن ضرور کہہ سکتا ہوں۔ وہ آپ کے چہرے پر نمایاں ہے۔ سلطان بھڑک گیا: بالکل صحیح اندازہ لگا یا تو نے؟ میں واقعی سب سے بدتر مندرجہ بہت زیادہ الجھن میں ہوں۔

ابوالنصر دواؤں میٹھے تھے۔ حضور و آلہ میں کس دن کام آؤں گا؟ آپ اپنے خیر خواہی کے لیے کچھ کچھ میسرے کا نہ ہوں پر مجھ سے

دیکھیں

سلطان کو پناہ مال دل کہنے میں آئی تھا اس کے لیے چینی میں کچھ اور اٹھانہ ہو چکا تھا۔

ابوالنصر نے عرض کیا: آپ اپنی ہر بہت میرے علم میں لے آئیں جیسا کہ آپ مجھے سبق دیتے ہیں۔

سلطان نے ٹنگ ٹنگ کر بتایا: میں نے بھائی ابوالنصر کو اس عید پر ٹھکانے لگا دیا کہ اب وہ میرے لیے بیکار تھا اور اس کا زندہ رہنا نقصان ہے۔ پھر اس نے بھی کچھ ایسا کیا کہ اب اس کے حق میں رحم و مروت سے غافل ہو گیا۔

ابوالنصر نے عرض کیا: جناب دانا! آپ مجھ سے کچھ چاہا رہے ہیں؟

سلطان نے کہا: تمہارا بیٹا کچھ غصہ کرتا ہے کہ میں تم کو اپنی نہایت سے لینے لگا ہوں۔

سلطان بولتے ہوئے غموش رہا۔ اور ابوالنصر بھی کچھ سلطان اس کو جواب دیا: چار تہائی اس کے لیے چاہیے اور غفلت کے انتخاب میں کالجھا ہوا ہے۔

ابوالنصر نے کہا: میں نے غلیظ قلم: مرث کے چکر میں اپنے بھائی ابوالنصر کو قتل کر دیا۔ اور وہ میری بیٹی میں قید ہے۔ کیا وہ رہا ہو سکتا ہے؟

ابوالنصر نے سلطان کو بلوایا۔ وہ دوا: آج صبح سے بغداد شریف کے چہرے میں اس سے بے سیری کوئی باہر کریں اور امیر المؤمنین کو بارہ قلعہ خدمت میں پہنچا دیں۔ اس سے جیسا غلیظہ کا خیالی مسئلہ جو تقطیع ہوئی تھا۔ ہر حال ہو جائے گا۔

سلطان نے کہا: تیرا شہزادہ دست پہنچا گیا۔ میری کوہنہ اس سے نکلا دینا اتنا آسان بھی نہیں تھا تو کچھ بہت ہے۔ ابوالنصر کو بے سیری کی قوت کا اندازہ تھا اس نے اپنی راستہ دیکھ کر بے سیری کو اپنی بڑا اور سلطان کو اپنی نہ ہر پاسے لیکن وہ سلطان سے مشرق و مغرب کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سلطان نے اپنا اندیشہ بیان کیا: اس کی پشت پر خوفِ ظالمی کا ہاتھ ہے کیا میں اس کا مقابلہ کر سکتا ہوں؟

ابوالنصر نے جواب دیا: جی ہاں، میں اسے اپنی برتری کو تین ہزار معرلوں کی مدد حاصل تھی اور آپ کے لیے یہ کوئی تعداد نہیں۔

لیکن سلطان کو خطرہ ہو گیا۔ اس نے کوئی تیار نہ تھا اس لیے بے سیری کو نہایت نرم و مہذب کھوایا۔

بے سیری اسے کچھ ہو چکا۔ اس وقت خاک ڈال۔ تو امیر المؤمنین کو درخشہ ہند سے بغداد بلوا لے، ان کے اعزاز اور احترام کو بادل کرے۔ مجھ کے خطیوں اور رگوں میں بیلاہم شامل

الپ ارسلان نے اس کی بات کاٹ دی اور اس کو ایک طرف سلے گیا۔ محمد کو معلوم ہوا ہے آپ کی ہم عمر ہے سے طری باتیں ہوئیں؟

ابو نصر نے جواب دیا: ہاں باتیں تو بہت ہوئیں لیکن کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس کی آپ سید کر رہے ہیں؟

الپ ارسلان نے کہا: آپ مجھ سے کہیں کہ کیا باتیں ہوئیں اور یہ سلیمان بھی تو وہاں پہنچ گیا تھا۔

ابو نصر نے جواب دیا: ہاں یہ بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔

الپ ارسلان کے لیے میں حدیث اور سب سے بڑی آئی جاری تھی؟ اس احمق نے وہاں کیا باتیں کیں؟

ابو نصر نے جواب دیا: جب آپ نے سلیمان کو احمق سمجھ ہی لیا ہے تو اب اس احمق کے بارے میں یہ بوجھ کچھ کیسی؟

الپ ارسلان نے ابو نصر کو مٹھوں کرنا شروع کر دیا۔ آپ شاید اس موقع میں زندہ ہیں کہ اگر سلیمان نے ہم عمر مرہ کی جگہ لے لی تو آپ اس کے وزیر بن جائیں گے تو اس خیال پر احمق کو آپ جتنی جلدی اپنے ذہن سے نکال دیں گے اتنا ہی اچھا ہوگا۔

اب بات ابو نصر کے اختیار سے نکلی جا رہی تھی اس نے بھی اپنے لیے میں تمہی سودی؟ شہزادے آج آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں؟ محمد کو ضرورت غلطی کی کوئی خواہش نہیں یہ آپ نے کیسی تمہت لگا دی ہے محمد پر؟

الپ ارسلان نے جواب دیا: یہ تمہت نہیں حقیقت ہے۔ میں بھی آپ کو اپنا وزیر بنا سکا ہوں بشرطیکہ آپ مجھ پر بھروسہ کرنے لگیں؟

ابو نصر نے محنت کی: اب آپ مجھے معاف کریں میں نے ایک بار کہہ چھوڑا کچھ وزارت سے فائدہ برابر بھی دلچسپی نہیں ہے۔

الپ ارسلان نے طنز کیا: اللہ کرے یہ بہت درست ہو۔ ویسے میں عنقریب ایک اعلان کر دے گا۔ میرے بھائی میری پشت پر ہیں؟

ابو نصر نے عرض کیا: آپ لوگ اپنی حال کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

الپ ارسلان نے جواب دیا: میں ماں کے بارے میں یہ جانتا ہوں کہ انھیں سلیمان سے بڑی محبت ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح سلیمان کو برسرِ اقتدار لانے میں بڑی دلچسپی رکھتی ہیں؟

ابو نصر نے کہا: میں اسی سے آپ کا بازو لگاؤں گا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟

کرشمے اور بغداد پر حکومت کرنا وہاں تیسرے حق میں نہ کوئی بلا بھالیوں کے بعد عراق سے چلا جاؤں گا؟

یہ سلطان کی جین کش تھی اس میں دھمکی کہیں بھی نہ تھی۔ یہ خط بغداد روانہ کر دیا گیا۔ ابو نصر کچھ سوچ سوچ کر سکرا رہا تھا۔

سلطان نے پوچھا: یہ تو بلا وجہ سکرا کیوں رہا ہے؟

ابو نصر نے جواب دیا: یہاں آپ کے پاس آگے سے پہلے میں نے یہ سوچا تھا کہ اس وقت تک بغداد ہی میں رہوں جب تک آپ واپس نہ آجائیں؟

سلطان نے پوچھا: پھر تو کیوں چلا آیا؟

ابو نصر نے جواب دیا: پھر میں نے اپنا وہ فیصلہ بدل دیا۔ کیوں کہ مجھے شبہ تھا کہ میں یہ غالی بنالیا جاؤں گا یا پھر... اور اللہ بھلا کر سے غور نہ کیا۔ آج اس کے طفیل میں یہاں آپ کے ملنے موجود ہوں؟

سلطان نے کہا: اگر تجھ کو یہ غالی بنالیا جاتا تب تو میرے ضرور بغداد پہنچ جاتا؟

ابو نصر نے جواب دیا: حالانکہ اب آپ وہاں حساباً ہی نہیں جاسکتے۔

سلطان نے کہا: اب میں فرج کو ترتیب دوں گا۔

ابو نصر نے پوچھا: فرج کو کیوں ترتیب دیں گے۔ اسی کی کوئی خاص وجہ؟

سلطان نے جواب دیا: میں اپنے خط کے ساتھ ہی بغداد پہنچ جانا چاہتا ہوں۔ کیوں کہ اسی میں ہماری نجات اور ہمارے بے گناہ ہے۔

ابو نصر کو ہلدار یہ معلوم ہوا کہ سلطان طبعاً اتنی گرائی میں سجدہ زور ہے۔

ان باتوں میں ان کا کافی وقت برباد ہو گیا تھا۔ سلطان نے کہا: ہاتھ پٹا کام کر۔ میں بغداد جانے کی تیاریاں کرتا ہوں؟

ابو نصر وہاں سے اپنے خیمے میں چلا گیا۔ اب وہ واقعی مغربی بغداد کے بعد غور کر رہا تھا۔

یہ لوگ ہمدان کے بازار میں گھوم پھر رہے تھے۔

یا توئی قاورت۔ الپ ارسلان اور شہزادہ سلیمان نے سبھی خوش خوش ہمدان واپس کو غور شروع کر دیا تھا۔

ابو نصر نے شہر لوں سے ابراہیم ایٹال کے بارے میں پوچھا۔

ابراہیم ایٹال کیسا آدمی ہے؟

وہ سب ابراہیم کی تعریفیں کرنے لگے۔ الپ ارسلان نے بڑا سا منہ بنالیا اور کہا: اب آپ اس کا ذکر ہرگز نہ کریں؟

ابو نصر نے جواب دیا: میں یہی چیز تو نہیں۔

میں موجود ہیں۔ میں سلطان کے پاس ہوں اور وہاں آپ کے حقوق کا محافظ ہوں گا۔

جب یہ دونوں سب سے میں شہر کی بیوی اور سیماں کی لڑکی کے سامنے پہنچے تو اس نے ابو نصر سے پہلا سوال ابراہیم اینال کے بارے میں کیا: اس جنگ کا کیا ہوا؟

ابو نصر نے جواب دیا: ابراہیم اینال جنگ ہار گیا سلطان نے اس کی لڑائی کی تانت سے اس کا گلا گھونٹ کر ہلک کر دیا۔ سیماں کی ماں کاٹھنپ گئی اور وہ ان کو بڑا بھلا کہنے لگی۔ سفول نے ابراہیم اینال اور سفول شہر کے لوگوں میں فساد کا بیج بویا تھا اس کے بعد اس نے ابو نصر سے پوچھا: سلطان نے میرے بیٹے سیماں کو اپنا جانشین نامزد کر دیا یا نہیں؟

ابو نصر نے جواب دیا: میں آپ سے کوئی بات چھپاؤں گا نہیں۔ لیکن جیسا کہ میں شہزادہ سیماں سے کہہ چکا ہوں کہ میں سلطان کے پاس ہر وقت موجود رہتا ہوں۔ اس لیے آپ دونوں کو اس طرح سے مطمئن رہنا چاہیے۔

اس نے ابو نصر کو آگاہ کیا: میں جانتی ہوں یہ آپ سیماں میرے بیٹے سیماں کی زبردست مخالفت کر رہا ہے۔ ہمارے بیٹے کو حکم دیتی ہوں کہ جب بھی موقع ملے آپ سلطان کو ہمارے بارے میں بتا دینا۔

ابو نصر ان کی اس میں ہل چلا کر سلطان کے پاس واپس چلا گیا۔

ابو نصر نے سلطان یا توئی اور قادیت اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے اور اب سلطان شہر بنداد پہنچنے کی فکر میں تھا۔ اس موقع پر اس نے ایک بار پھر ابو نصر سے پوچھا: ان تو اب بتا کا سیر الموشین کہاں ہیں؟ ابو نصر نے ان کا ہمارے وہاں کون اپنا دوست ہے اور کون اپنا دشمن؟

ابو نصر نے بتایا: اس مصلحت ہمارے لیے زیادہ ساقی قریش بن بدان سے بدیا ہے۔ اس نے سیر الموشین کو اپنے حجاز اور بھائی ابوالہارث ہمارے شہر کے سپرد کر دیا تھا اور سلطان خاتون کو اپنے خاندان کی عورتوں کے پاس چھوڑ دیا تھا۔

سلطان نے جواب دیا: اب میں بسا سیری اور قریش بن بدان سے الگ الگ ٹھونکوں گا۔

سلطان نے بسا سیری کو توہی کھنچا جو پہلے بھی نہ چکا تھا کہ سیر الموشین کو بھروسے آؤ اور جسے اور عیدین کے خطبات میں ہمارا نام شامل کر دو۔ میں عراق سے دست بردار ہو جاؤں گا۔

بسا سیری نے اس کا مطلب یہ لے لیا کہ اب سلطان شہر میں کھیلے میاں دم خم نہیں رہا۔ اس لیے اب اس کو بڑے شیر سے ڈرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس نے صاف انکار کر دیا کہ نہ تو

عقل ہمارے علم معترم چاہیں گے۔ ابو نصر نے خط کا شکر ادا کیا: اللہ تبارک و تعالیٰ شہزادے کی سب سے زیادہ بات انگلی جو میں لانا چاہتا تھا۔

لیکن اب اس سلطان نے پھر تبدیلیاں چڑھا دیں۔ سیماں کو اسے بھجوا دیں جس کے حق میں یہی بہتر ہے اور آپ اس کو سر پرستی سے باز آجائیں۔

ابو نصر نے جواب دیا: آپ جو چاہیں کہیں ویسے آپ کی باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔

ابو نصر نے سلطان سے ہمت بھریا۔ ابو نصر کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ وہ... تپا بولنے کی غلط فہمیاں کسی طرح دور کرے۔

ان باتوں کو کئی دن گزر گئے اور یہ نصر کافی غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ اب سلطان سے بچاؤ اچھی بات نہیں تھی۔

اس نے سلطان سے اجازت چاہی: میں شہزادہ سیماں کو رستے میں اس کی ماں کے پاس پہنچا دیتا چاہتا ہوں۔

سلطان نے اجازت مسترد دی کیوں کہ وہ شہزادہ سیران کی حوا تولا سے شک آتا تھا۔ اس نے کہا: شہزادے کو رستے پہنچا کر فرار ہوا پس آجائے۔

لیکن شہزادہ سیران سے جاننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ابو نصر نے اس کو سمجھایا: شہزادہ سیران آپ سے سمجھا کریں، آپ کا رستے میں مدد ہر ضروری ہے۔

سیماں نے پوچھا: وہ کیوں؟ ابو نصر نے جواب دیا: آپ کو جنگوں سے قدر رہنا چاہیے۔

کیوں کہ انہی آپ کے دوست ہمارے نام اور دشمن زیادہ ہیں۔ ابو نصر نے اسے آپ کو ریل بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

شہزادہ سیماں ہوش میں آ گیا: کوئی نقصان پہنچانے کا مجھے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے مجھے؟

ابو نصر نے جواب دیا: کوئی بھی نہیں کسی کا نام لوں۔ اس کے علاوہ رستے سلطان کا مستقر ہے۔ آپ رستے سے الگ ہو کر حکومت کریں گے۔

شہزادے کی سمجھ میں یہ آخری بات انگلی اور وہ ابو نصر کے ساتھ رستے روانہ ہو گیا۔

رستے میں ابو نصر اس کو بڑی غافلانہ باتیں بتاتا رہا کہ اسے بیچ دوپہر میں سب سے کوئی دیکھ کر شہزادہ سیماں کو سمجھانے لگا: دیکھو شہزادہ! میں جس طرح آپ کا یا سیران امیر قدموں سے آچکا ہے اور اب اگر ہم اس کو تلاش بھی کرنا چاہیں تو یہ ہمیں نہیں ملے گا۔ اس کے لیے ہمیں وقت کا انتظار کرنا پڑے گا۔ آپ جلد سے کام نہ لیں۔ جلدی نہ کریں۔ اور آپ سے

رستے میں ابو نصر اس کو بڑی غافلانہ باتیں بتاتا رہا کہ اسے بیچ دوپہر میں سب سے کوئی دیکھ کر شہزادہ سیماں کو سمجھانے لگا: دیکھو شہزادہ! میں جس طرح آپ کا یا سیران امیر قدموں سے آچکا ہے اور اب اگر ہم اس کو تلاش بھی کرنا چاہیں تو یہ ہمیں نہیں ملے گا۔ اس کے لیے ہمیں وقت کا انتظار کرنا پڑے گا۔ آپ جلد سے کام نہ لیں۔ جلدی نہ کریں۔ اور آپ سے

رستے میں ابو نصر اس کو بڑی غافلانہ باتیں بتاتا رہا کہ اسے بیچ دوپہر میں سب سے کوئی دیکھ کر شہزادہ سیماں کو سمجھانے لگا: دیکھو شہزادہ! میں جس طرح آپ کا یا سیران امیر قدموں سے آچکا ہے اور اب اگر ہم اس کو تلاش بھی کرنا چاہیں تو یہ ہمیں نہیں ملے گا۔ اس کے لیے ہمیں وقت کا انتظار کرنا پڑے گا۔ آپ جلد سے کام نہ لیں۔ جلدی نہ کریں۔ اور آپ سے

رستے میں ابو نصر اس کو بڑی غافلانہ باتیں بتاتا رہا کہ اسے بیچ دوپہر میں سب سے کوئی دیکھ کر شہزادہ سیماں کو سمجھانے لگا: دیکھو شہزادہ! میں جس طرح آپ کا یا سیران امیر قدموں سے آچکا ہے اور اب اگر ہم اس کو تلاش بھی کرنا چاہیں تو یہ ہمیں نہیں ملے گا۔ اس کے لیے ہمیں وقت کا انتظار کرنا پڑے گا۔ آپ جلد سے کام نہ لیں۔ جلدی نہ کریں۔ اور آپ سے

رستے میں ابو نصر اس کو بڑی غافلانہ باتیں بتاتا رہا کہ اسے بیچ دوپہر میں سب سے کوئی دیکھ کر شہزادہ سیماں کو سمجھانے لگا: دیکھو شہزادہ! میں جس طرح آپ کا یا سیران امیر قدموں سے آچکا ہے اور اب اگر ہم اس کو تلاش بھی کرنا چاہیں تو یہ ہمیں نہیں ملے گا۔ اس کے لیے ہمیں وقت کا انتظار کرنا پڑے گا۔ آپ جلد سے کام نہ لیں۔ جلدی نہ کریں۔ اور آپ سے

میں اسیر المومنین کو بند اولادوں کا کیوں کہ عباسی خلافت مملکت ختم ہو چکی ہے اور نہ ہی سلطان کا نام چلے اور عیدین کے خطبات میں شامل کیا جائے گا۔

عباسی کے ساتھی اس کو منع کر رہے تھے کہ سلطان سے اس لب و لہجہ میں بات نہ لیاں کہ جسے کیوں کہ سلطان اپنے بھائی ابراہیم ایساں اور دونوں بھائیوں کو شکست دے کر قتل کر چکا ہے اس لیے اب سلطان ہم پر پوری قوت سے حملہ آور ہو جائے گا۔

عباسی نے سر کو اڑا لیا اور تکیے توروں سے جواب دیا: اب میں سلطان طغرل سے بالکل نہیں ڈرتا کیوں کہ ہمیں برقت ضرورت مصری خلافت سے مدد مل جائے گی اور مصری خلافت کا ہماری پشت پر اپنا ہاتھ رکھ دینا کسی معجزے سے کم نہیں۔

قریش بن بردان بھی یہی حد پریشان تھا اس نے لہا سیری کو مشورہ دیا کہ مصر کی داخلی خلافت پر مت تکیہ کر دیکھو کہ وہاں سے ہمیں اپنے خط کا جواب تک نہیں ملا۔

عباسی نے غم غلط کرنے کے لیے رقص و موسیقی کا منصوبہ پہلے سے تیار کر رکھا تھا اس نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ کل کس کا ساتھ دے گا اور کل جو کچھ ہوگا اس کا آج غم کیوں کریں آؤ ہم رقص و موسیقی سے دل بہلائیں اور اسے دل لے کر لے کر اندیشوں کو مے ناب میں ڈبو دیں۔

قریش بن بردان نے اس کا ساتھ دیا۔ ایک ہستی گزر چڑھے اور ایک سو سپاہی گزلبے دیوانہ کرے میں گانے گایاں رقصاں میں اور سازندہ کا طائفہ پہلے سے موجود ان کا انتظار کر رہا تھا خوب صورت نقش قریش پر جبکہ جبکہ سلیقے سے گانے گائے رکھ رہے گئے تھے جو ہم و جماعت کے تھے عباسی اور قریش بن بردان نے اپنی اس خاص محفل میں ایوانِ عمارت مبارک کو بھی شریک کر لیا تھا۔ حدیثہ خانکا امیرِ عمارت بیباک ذکر ہو چکا ہے کہ قریش بن بردان کا ابن عم تھا، چچا زاد بھائی خلیفہ قائم ہار الرشید کی تحریک میں دے دیا گیا اور سلطان خاتون اس کے محل میں اس کی خاتین کے ساتھ رہی تھیں۔

داخلی خلافت کے ہمارا میر بھی اس محفل میں موجود تھے۔ اس کو اس محفل میں ان کی مرضی کے خلاف شریک کیا گیا تھا۔ اس سو لعب سے دور رہنا چاہتے تھے۔ عیب آغوش نے کامل سے کام لیا اور ان کی تو عباسی کے پوچھا: انکار کی کوئی خاص وجہ ہے؟

ایک سیر نے جواب دیا: وہی ایسی تقریبات غیر اسلامی معلوم ہوتی ہیں۔

عباسی نے اس کا مذاق اڑایا: خیر اسلامی سے تیری کیا مراد ہے؟ میں کچھ کو ایک نکتے کی بات بتاؤں؟

مصری نے جواب دیا: بتائیں۔

عباسی نے کہا: کل بات میں اسلامی شرع اور فقہ پر غور کر رہا تھا تو اچانک میرا جہان بکھڑا ہو گیا۔ اور اسے کبھی نے بتایا کہ جو بیباک پوری دنیا میں اسلام پر پھیل جائے اور ساری دنیا مسلمان نہ ہو جائے اسلامی شرع اور فقہ کا انکار قبول ہے اور جب درمی حالات یہ چیزیں قبل از وقت در فضول ٹھہری تو پھر ہمارے اعمال اور افعال کا ہمارے بھی فضول ٹھہرا۔ انصاف اور ایمان داری سے ہم مذکور شرط کے پوری ہونے سے پہلے آزاد میں اصرار ہم سے ہمارے گناہ اور ثواب کے بارے میں پوچھ گچھ اور کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

اس کے بعد اس نے شراب کا جام اپنے ہونٹوں سے لگایا۔

قریش بن بردان نے عباسی کو ٹوک دیا اور اسے متنبہ کیا: اودشمن دین و اخلاقیات! تو کیسی ہے دینی اور غیر دینی باتیں کر رہا ہے۔ تیری باتوں سے تو میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تو مسلمان ہی نہیں۔

عباسی نے رگڑ کر اسے لیجھ میں جواب دیا: ہل میں مسلمان نہیں ہوں تو نہ سہی۔ تیرا دین تیرے ساتھ اور میرا دین میرے ساتھ۔

قریش بن بردان نے تقاضاؤں کو دیکھا تو ان کے رگڑے معلوم ہو رہے تھے، کیوں کہ ان کے ہال لڑکوں جیسے کٹے تھے۔

مصری جہان بھی ان کو حیرت سے دیکھ رہے تھے بیباک نے پوچھا: ان تقاضاؤں کو اسے خور سے کیوں دیکھ رہے ہو؟

مصری جہان نے جواب دیا: ہم سوچ رہے ہیں کہ ان کو غرضی میں یا لڑکے؟

عباسی نے کہا: یہ لڑکیاں ہیں ہاں کو لڑکوں کی طرح رہنے کا شوق ہے۔ اس کے بعد اس نے ایک رقصہ کر لیا۔ قریش بلایا: ہاں یا لڑکا اور دھیرے سے اس کو آواز دیا: ہاں! یہ اپنے سر کو گھٹا کر رکھا تھا اور شبی نہیں مڑوں جیسی تھی۔ مصری جہانوں نے اس کا سر سے ہالوں تک کا ہار لے لیا تو غور کی کہ نیچے نشیب و فراز نے ان کو یقین دلایا کہ وہ لڑکیاں ہی ہیں۔

ایک مصری جہان نے پوچھا: یہ اس طرح کیوں ہیں؟

عباسی نے جواب دیا: ان پر کسی قسم کی پابندی نہیں کی گئی بنیاد اور اس کے ذریعہ میں بہت سی لڑکیاں ہی مشغول طبع میں نظر آئیں گی اور ان کو ہم غلامیات کہتے ہیں۔

بصر لوں کو یہ حلیہ اور یہ شکلیں بہت اچھی لگیں اور وہ
حالیہ نظر لوں سے انہیں دیکھتے رہے۔

خوب صورت لڑکیاں کنیزوں کا کردار ادا کر رہی تھیں۔
صراحیال شاہوں پر اور پیالی ہاتھوں میں۔ جو ان سے طلب کرتا یہ
پیالہ اس کے ہاتھ میں دے کر صراحی سے شراب اس میں ڈال
دیتیں۔ یہ خوار اشاروں کنایوں میں ان سے چھیڑ چھاڑ بھی کر
دیتے تھے۔ یہ لڑکیاں غیر مسلم ملک سے تعلق رکھتی تھیں۔

قریش بن بدران نے بسا سیری سے پوچھا: تو نے
اتنی اچھی اور خوب صورت کنیزیں کہاں سے خریدیں؟

بسا سیری نے جواب دیا: ابن ابیہین سے۔ اس کی نظر
انتخاب کا کوئی جواب نہیں۔

اس محفل میں ایک ایسا شخص بھی موجود تھا جو شراب سے
نفرت کرتا تھا لیکن رقص و موسیقی سے دلہی رہتا تھا۔ بسا سیری نے
اس کو اس حال میں دیکھا کہ کنیزوں سے بے نیاز اور متنبیادوں اور
رقصاءوں کو رالہانہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے قریش بن بدران سے
کہا: ذرا اس بے وقوف کو بھی دیکھنا دعا آتش کے بجائے یک آتش
کے شے لے رہا ہے۔

پھر اس نے ایک مہراچی بدوش کنیز کو اپنے پاس بلایا اور
پوچھا: کیا تو اپنے فرائض منہی سے آگاہ نہیں ہے؟

کنیز تجھ لگی، جواب دیا: میں واقف ہوں خوب اچھا طرح
واقف ہوں گیوں؟

بسا سیری نے اس شخص کی طرف اشارہ کیا: کیوں کی پچی؟
اُدھر دیکھ اس شخص کو؟

کنیز نے جواب دیا: ہاں میں اسے دیکھ رہی ہوں گیوں؟
کیا کوئی خاص بات ہے اس شخص میں؟

بسا سیری غصے کی اداکاری کر رہا تھا وہ شخص۔ یہ کیسا
آدی ہے جو تیری شراب سے ابھی تک محروم ہے؟

کنیز نے جلیب دیا: میں اس کے پاس گئی تھی لیکن وہ
شراب نہیں پیتا۔ اس نے شراب لینے سے انکار کر دیا۔

بسا سیری نے کہا: وہ انکار کر رہا ہے لیکن یہ محفل میری
ہے تو اس کے پاس جا اور اس سے کہہ کہ یہ بات آداب محفل

کے خلاف ہے کہ جو کام پوری محفل کر رہی ہے کوئی ایک شخص
اس سے مختل نہ رہے۔

کنیز نے کہا: آگاہ آپ مبہور کرتے ہیں تو میں اس کو شراب
ضرور پیش کر دیتی۔

بسا سیری کو خبر چلی ہوئی تھی اس لیے وہ جو کچھ کہہ رہا تھا،
کر رہا تھا اس میں احتیاط اور توازن نہیں پایا جاتا۔

کنیز نے پیالہ اس شخص کی طرف بڑھا دیا تاکہ خشک

طبع نوجوان! تو اہل محفل سے مختل اور گریزاں کیوں ہے؟ لے پیالہ
لے اور محفل والوں کا ساتھ دے۔

اس شخص نے کنیز کو نہایت غور سے دیکھا اس کو کنیز
کا اندازہ خاطر بھی بہت اچھا لگا۔ وہ کن آنکھوں سے اس

شخص کو دیکھ رہی تھی۔

کنیز اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا سکی نظریں نیچی کر لیں اور
اس شخص سے پوچھا: کیا آپ جس بیٹیف نہیں رکھتے؟

اس شخص نے جواب دیا: کیا تو یہ نہیں جانتی کہ انسان
کا پندار کیا ہوتا ہے اور اگر کسی طرح اس پندار کو توڑ دیا جائے

تو اس سے اس پندار شکن کو کیسی روحانی اور غیر روحانی تکلیف
پہنچ سکتی ہے؟ شاید تو اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتی؟

کنیز نے کہا: میں یہ سب نہیں جانتی مجھ کو میرے ہاتھ
سے شراب کا یہ پیالہ بنایا ہی پڑے گا۔

اس شخص نے کنیز کا پیالہ ڈال دیا تاکہ کلائی سے پکڑ
لیا، کنیز نے ترچھی نظروں سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا

اور ناز و انداز سے کہا: اب پی بھی لے ایسی ہی منہ کس کام کی
وہ دیکھ بسا سیری کی طرف اس کی نظریں تیری ہی طرف ہیں؟

کنیز کی غمخوار آنکھوں سے غصے ہونے والی نیش کیفیت
اس شخص کے دل میں سرایت کرنے لگی۔

کنیز نے مہراچی کا منہ پیالے میں جھکا دیا اور قفل کی راہوں
کے ساتھ پیالہ شراب سے لبریز ہونے لگا۔ کنیز نے کہا: یہ نیز

ہے اور اس کو غصے غرائف نے جائز قرار دیا ہے۔ امتراز سے باز
آ اور پیالے کو چپ چاپ منہ سے لگالے۔

اس شخص نے بے بسی سے کنیز کی آنکھوں میں جھانکا
اور کہنے لگا: اسے اٹھ تو دیکھ رہا ہے کہ میں کس طرح شکار

کیا جا رہا ہوں! اس موش کی آنکھوں میں جو شراب گوسنہ دوزلوں
میں بھری ہوئی ہے آج وہ میری آنکھوں میں اٹھ لی دی گئی میری

دوڑوں آنکھیں کچھ دیر کے لیے قیف بن گئیں اور میرا دل پیالہ۔
اور جب میرے دل کا پیالہ گوسنہ لبریز ہو کر دیا ہے تو میں اس

اضافی حقیر شراب سے کیا بچوں؟

وہ پیالے کو غصا غصٹ بڑھا دیا۔ بسا سیری اور قریش بن
بدان اس دلچسپ منظر کو بڑی توجہ اور شوق سے دیکھ رہے تھے

بسا سیری نے نہایت پرجوش آواز میں رقاہادوں کو قفس
کی اور متنبیادوں کو گھاسنے کا حکم دیا۔ غصا غصٹوں کی جھنکار کے

ساتھ ہی نرم و نازک ہونٹوں سے نکلنے والے سُروں نے
ماحول کو مست و سرشار کر دیا۔

اس شخص نے کنیز کی کلائی پکڑ رکھی تھی اور اس سے لہرار
کہہ رہا تھا کہ وہ پوری مہراچی اس کو ملائے۔ کنیز مصیبت میں گھٹیں

گنتی تھی۔ اس سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی یہ کیا کر رہا ہے
 آؤ دیکھو محفل کی کسی نظر میں ہم مدلوں پر بھی ہوئی ہیں۔
 وہ بدستی میں بھی ہوش کی باتیں کر رہا تھا۔ لڑکی! جب
 میں سے ان نظروں کا خیال نہیں کیا جو ہر جگہ ہر طرف واپس
 دیکھنے پر تھوڑی تو میں ان پر اڑتی ہوں جاسد اور عیب جو نظروں کی
 کیا پروا کروں گا؟

کنیز نے بسا سیری کی طرف دیکھا۔

یہ یہ تو اسی کتا کتہ سے عارف انداز ہو رہا تھا اس لیے متہ

پھیر دیا۔

قریش بن بردان سے بسا سیری کا پیوہا بازار کیا تم دیکھ رہے
 ہو کہ اُدھر کیا ہو رہا ہے؟

بسا سیری کا ساتھ بھی قریش بن بردان کا پیوہا بازار اور ہر مت
 دیکھ اور اگر دیکھنا ہی ہے تو انگریزوں سے دیکھ تو جہت سے میں
 سناؤ کار اس کو شرب پلو ہی رہی یہ

قریش نے پوچھا: لیکن یہ ہے کون؟ اس میں غفلت خاص
 میں کسی کے ساتھ آیا ہے؟

بسا سیری کو جیسے کچھ سنے ڈانک مار دیا ہوا اچھل گیا پوچھا
 کیا یہ شخص تیرے ساتھ نہیں آیا؟

قریش بن بردان نے جواب دیا: نہیں اس کا مجھ سے کوئی
 تعلق نہیں میں اسے نہیں جانتا۔

ایک گھنٹہ کی گنتی۔ بسا سیری سب سے زیادہ پریشان
 تھا کہ یہ اجنبی اس محل خاص میں آخر کس طرح گیا۔ آخر ابوالدشت مدارش
 نے بتایا کہ میرے ساتھ ہے ترک سہارا دیر لمبی دیر

آدمی ہے۔

بسا سیری نے کہا: تو اس کو کب سے جانتا ہے؟

مدارش نے جواب دیا: مد سال سے پہلے یا بارہا ہمارے
 کے ساتھ تھا اب یہ ہمارے ساتھ ہے کیوں کہ ابلاہیم اینٹال کو
 قتل کر دیا گیا۔

قریش بن بردان نے مدارش کو سمجھایا: بھائی مدارش بھائی
 تجربہ کھو ڈال جس کی اجنبی کا اس طرح اپنی خاص محفل میں لے آنا
 میرے خیال میں مناسب بات نہیں ہے۔

مدارش نے جواب دیا: یہ ابلاہیم اینٹال کا آدمی ہے حال
 میں اس لیے اس کے ہاتھ میں اتنا ہی جانتا کافی ہے کہ یہ بھی
 سلطان غفری سے ابلاہیم اینٹال ہی جتنی نفرت کرتا ہے۔

بسا سیری خوش ہو گیا اس کے چہرے سے تشویش و غصہ
 بڑھ گئی وہ اس کی جگہ اطمینان اور سکون سے لے لے لے مدارش سے کہ
 بہت خوب بچہ تربیت کیا آدمی ہوگا۔ حالانکہ ایسا آدمی ہمارے لیے
 زیادہ سودمند ثابت ہوں گے جو سلطان غفری کے ذمہ خندہ ہوں۔

چند مدرش سے کہا: جو کچھ کہنا ہے کہنے دے، اور مت دیکھ
 قریش بن بردان نے پوچھا: اس کا نام کیا ہے؟
 مدارش نے جواب دیا: خمدار تھین۔ یہ اصل اس کا ترک ہے
 بسا سیری چونک گیا، مدارش سے کہہ کر کیا نام بتایا تو نے؟
 ذرا پھر تو لیا یہ نام؟

مدارش نے دوبارہ نام لیا: خمدار تھین۔

بسا سیری نے پوچھا: اگر میں غلطی نہ کرتا تو اس کا ایک
 بلور سردار سلطان غفری کی فوج میں بھی ہے اور وہ شاید اس پریت
 زیادہ پھر دیا کرتا ہے۔

مدارش نے جواب دیا: ایک نام کے کئی کئی سردار ہمارے
 فوج میں بھی موجود ہیں۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟

بسا سیری نے کہا: ان بات بھی سہما گدو ایسا ہی قابل
 اعتماد ہے تو اس کا تعارف مجھ سے کر۔ یہ میرے لیے بھی ...
 واجب العزت ہے۔

مدارش اس ترک سردار کے پاس خود چل سکے یا جو ابھی تک
 کنیز کا پیچھا کر رہے ہوتے تھا۔

مدارش کے ہٹتے ہی بسا سیری نے قریش بن بردان سے
 پوچھا: مدارش تیرا بھائی ہے کیا تو یہ بتا سکتا ہے کہ ہم اس پر کیا
 حکم ہو رہا کر سکتے ہیں؟

قریش بن بردان نے جواب دیا: مدارش میرے چچا کا
 ہے اور اس کی دغا بازی کے ہاتھ میں اتنا ہی ہانتا کا نسبت کہ
 مدیشہ خانہ میں اس نے خدایا المومنین کو قید کر رکھا ہے۔

بسا سیری نے کہا: امیر المومنین! اس کا امیر المومنین جب
 وہ امیر المومنین نہیں تھا تو وہ قائم ہو گیا تھا باہر اللہ ہو کہ اتنا
 لیکن اب وہ ہمارا قیدی ہے اور ہم اسے جب چاہیں بھجھ کر دے دیں۔

مدارش خمدار تھین کو اس طرح بسا سیری کے پاس لایا کہ ...
 ... ہمارے سردار کنیز بھی اس کے ساتھ ہی چلی گئی تھیں
 کنیز کی کوئی خمدار تھین سے ابھی تک مضبوطی سے پکڑ رکھی تھی

بسا سیری نے خمدار تھین کو بغور دیکھا اور اس کی طرف اشارہ
 کے ساتھ کیوں چھوڑ دیا تو نے؟

خمدار تھین نے برجستہ جواب دیا: ابلاہیم اینٹال نے اس کا
 ساتھ کیوں چھوڑ دیا تھا؟

بسا سیری نے کہا: وہ فوجی ہے لیکن تو تو سلطان غفری کا
 بہت دانا اور ترک سردار تھا۔

خمدار تھین نے جواب دیا: لیکن ابلاہیم اینٹال تو ایک بڑا ہی قہر
 بسا سیری کا دل صاف میں تھا اس نے کنیز کی طرف

اشارہ کیا: یہ اس کا ہاتھ کیوں پکڑ رکھا ہے تو نے؟

خمدار تھین نے کنیز کے خلاف استغاثہ کیا: اس نے میرا

پندر توڑ دیا توڑا نہیں بکھڑا دیا سب میں اس کا ہاتھ نہیں
چھوڑوں گا :

بہا سیری نے کہا : لیکن یہ میری کیت ہے اس پر نہ کیا حق
خدا تعالیٰ نے جواب دیا : وہ شک یہ کیت آپ کی ہے یہ
مفل بھی آپ ہی کی ہے بعد ازیں آپ ہی کا ہے اور بیاں کی
ہر چیز آپ ہی کی ہے یہاں تک کہ میں خود بھی آپ ہی کا ہوں :
بہا سیری اس جواب سے اتنا خوش ہوا کہ اس نے وہ کیت
خدا تعالیٰ کو بخش دی اور کہا : جب مفل پر قیامت ہو جائے تو یہ
کیت تیری ہوگی اس کو تو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے :
کیت تیرا ہی تھی لیکن خدا تعالیٰ نے اسے بتایا : رک کی ایریہ
اصول ہے کہ میں جس چیز کی خواہش کرتا ہوں مگر کاراسہ حاصل
کر لیتا ہوں :

بہا سیری نے ان دونوں کو باتیں کرنے سے منع کیا : تم دونوں
مجموعہ سب کی طرح رقص و موسیقی سے ملطف حاصل کرو اور خواہ خواہ
باتیں کر کے مفل کو بد مزہ نہ کرو :

دونوں چپ ہو گئے اور پھر جو رقص و موسیقی کی گرم بازاری
ہوئی تو ان کی تمام نگاہیں لوگوں کی جھنکاروں میں اس طرح سرگم
ہو گئی کہ بعد میں کئی دن تک یہ جھنکاروں میں گم تھے
گلابیہ شیم و دیبا کے لباس میں ملبوس مغیہ خواجہ گارہی
تھی بہا سیری : ... انہیں بہت بے دلی سے سن رہا تھا
اسے نہ لگتا : میں تجھ کو بڑا بھی نہیں کہہ سکتے کیوں کہ تو

فدائے
کلی میں غلام کی حیثیت سے بیاں ایک سوداگر کے ہاتھ
بک گیا تھا :

پھر اس سوداگر سے آل بوسہ کے خوشنہ ستارے
فقد الدار ملنے لگے بچے خرید لیا :

دولہ غلام کی طرح بچنے والا آج بندادہرا الیاں بندادہرا کی
قصور کا ملک بن گیا :

یہ سب کیا ہے ؟ نہ ان کی نیرنگیاں نہ لگنے کی دھوپ
بھاؤں ہے :

ایک کیا ہوگا ؟ کوئی نہیں جانتا نہ میں نہ تم اور نہ کوئی اور
کہاں ہیں وہ ستارہ شناس اور انسانوں کے مستقبل نشان
ادھر آؤ بہا سیری کے پاس اور ہمیں بتاؤ کہ اس کا کل
کیا ہے ؟

تم سے زیادہ درخشاں یا بالکے میں غلام سے زیادہ برا
جو وہ دیا ایک کرڈیل و دار جوار اسے نہ لگتا نہ لگنا
میں نے سنا ہے ہر شے اپنی اصل کی طرف جاتی ہے میرا
کہ نہ خود نہ تیرا ہے :

کل فلیں راجے الی انھیں لوگوں بچے بتاؤ
اس کی اصل کیا ہے ؟

ایسا بڑا خوش حال ہے اردن ! تمہارے قیام قبائل منیاں خوش
ہستیاں اور خوشیاں میری طرف سے مبارک ہوں لیکن اس خوش حال
دن میں اس سیاہ رات کوست بھیل جانا جو تیرے ہم سب کا
مقتل ہے :

کیوں کہ یہی یادداشت یہی مل تجھ کو فضا پر مال کوگا
انصاف پر قائم رکھے گا انصاف کا جو کہ بنائے گا انصاف
کا جو کہ رکھے گا :

بہا سیری بلے ابوالحرث شاہ لستار سلطان !
ساندوں نے اسے اچھے سارے بکھڑا دے مغیہ نے
اتھ اچھی دھن میں یہ گیت گایا کہ مفل وہ میں آگئی لیکن وہ بہا سیری
مغیہ نے نہ اٹھ ہو گیا : اس نے اسے کہا : میں نے مغیہ کو اپنے پاس
ہوایا اور اسے اپنے ساتھ لے جھالیا :

قریش بن بدان نے اس کی بڑی تعریفیں کیں : مغیہ
میرن ہوں کہ ایسا جواب دے سب مال کا کام تھا کہ وہ کھلے
مدش نے کہہ تیری دھن میں خوش تھی کیا میں پہچان
رہا کہ دھن کس سے بنائی تھی :

بہا سیری نے اپنا پیر دونوں تھیلیوں پر چسکا رکھا تھا اور
دونوں کنیاں دونوں ٹھنوں چمک رہی تھیں :

مدش پر چڑھا تھا : میں تو کہنے میں یہ نہیں بتایا کہ میں
کس کی تھی :

لیکن جواب سے پہلے قریش بن بدان نے سوال کر دیا :
اور یہ ضرور بتانا کہ یہ پاساؤ کلام کس کا تھا ؟

مغیہ نے جواب دیا : کلام یہی میرا تھا احمد دھن میں میری
حاضرین اور سامعین کو اس جواب سے بڑی حیرت ہوئی
خوار تھیں نے پوچھا : اور بہا سیری جو اس وقت ہم سب
کا آقا ہے کے بارے میں اتنی باری معلومات کہاں سے
حاصل کی تھیں ؟

بہا سیری نے سب کو ڈانٹ دیا : بندہ کرنا ہی بکواس
اس کے بعد مغیہ کے کہنا : اس میں کوئی شک نہیں کہ تیرا کلام
تیری دھن سے بہتر ہے اور تیری دھن تیرے کلام سے بہتر
میں نہیں جانتا کہ کس پر ترجیح دوں : دونوں ایک سے ایک میں گڑ
بہا سیری کی ڈانٹ نے سب کو خوش اور خوش کرنے سب کا اس
کی طرف متوجہ کر دیا تھا :

مغیہ نے کہا : بہت سے عرصے کی یہ دانستگی میں مار گئی :
طا نا کا کہ بات جو تیری شریفہ میں ہلا اور منیت غلامی
بہا سیری نے حاضری سے کہنا : نہ مترا : اپنے

خمار تگین ان باتوں میں میری دلچسپی سے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے مجھے ایک سوال کر دیا: جناب! یہ آپ لوگ جس قسم کی باتیں کر سکتے ہیں عوام کی سمجھ میں یعنی میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہی ہے۔

مدارش نے کہا: اب تو اتنا گیارہ بھی نہیں کہ میری باتیں تیری سمجھ سے بالا تر ہیں!

قریش بن بدر بن ابی بکر مغنیکہ پیش گوئی میں الجھا ہوا تھا۔ ہر شے اپنی اصل کی طرف واپس جاتی ہے! وہ سوچ رہا تھا کہ یہ الہامی باتیں نہیں ہیں جو مغنیکہ زبان سے ادا کر دی گئیں کیا بسا سیری کا زوال قریب ہے؟

مدارش نے پوچھا: یہ آپ سوچ کیا رہے ہیں؟

قریش بن بدر بن ابی بکر جواب دیا: کچھ بھی نہیں، مگر عرف یہ کہ کیا بسا سیری کا زوال بہت قریب ہے؟

مدارش نے پوچھا: یہ کس بات سے آپ نے یہ اڑھانہ لگایا؟

قریش بن بدر بن ابی بکر وہ کینز یاد آگئی جو تگین کو بسا سیری نے بخش دی تھی، پوچھا: خمار تگین! تیری وہ کینز کہاں چلی گئی؟

مدارش ہنسنے لگا: پوچھا: مہربانی! قریش! یہ آج آپ کو ہو گیا ہے؟ کینز بھی اسی کشتی میں ہمارے ساتھ ہے!

کشتی کا طائر قریش بن بدر بن ابی بکر کو پہچان گیا تھا اس لیے وہ دم مادیفہ ہوئی اسے کشتی کو کھینچنے میں مشغول تھا۔

قریش بن بدر بن ابی بکر حیرت سے کینز کی طرف دیکھتا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے وہ صاف نظر نہیں آ رہی تھی۔

قریش نے کشتی میں زور سے پاؤں پٹخا: افسوس کہ غلہ یہاں ہی کشتی میں بھی نہیں! اب میں کد باؤں؟

مدارش نے جواب دیا: میں پریشان ہوں کہ آج یہ آپ کو ہو گیا ہے؟ آپ آخر چاہتے کیا ہیں؟

قریش نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر کپڑا میں کیا تانہ کر میں کیا چاہتا ہوں؟

مدارش نے اصرار کیا: پھر بھی آپ بتائیں تو سی کر آپ کیا چاہتے ہیں؟

قریش بن بدر بن ابی بکر کینز کے بارے میں اطمینان چاہا۔ یہ ہماری باتیں سن کر بسا سیری کو تو نہیں پہنچا دے گی؟

مدارش نے وعدہ کیا: ایسا نہیں ہوگا! آپ یقین کیوں نہیں کرتے اور اب یہ کینز بسا سیری کو کب ملے گی کس طرح؟

قریش نے کہا: تب پھر میری باتیں تم دونوں ذرا خوب سے سنو! بسا سیری درمیان میں ہم دونوں اندازہ لگا کر کے مدارش سے سر زخم عمل محسنے تھے اب میں سوچ رہا ہوں کہ اگر بسا سیری

مانگی کہ کبھی نہیں قبول سکتا وہ آج بھی کل کی طرح یاد رہے۔

میں فریاد کی طرح وہ میرے حلقے اور یادداشت کے خانوں میں جڑا ہوا کرتا ہے۔ اس لیے جب کچھ دیر پہلے اس نے گیت میں اس کا ذکر کیا تو میں تڑپ گیا!

بسا سیری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

مغنیہ نے دوبارہ معذرت کی: میں اپنی شرمندگی کا دوبارہ اظہار کرتی ہوں اور وہ بہت معذرت خواہ ہوں۔ میرا خیال تھا کہ میرا یہ کلام آپ سے گراں مایہ زاد و وصول کرے گا لیکن میرے اندازے غلط نکلے!

بسا سیری نے کہا: مجھ کو تیرے کلام اور تیری دھن سے کوئی اختلاف نہیں، میں سننے کہ تو دیا کہ دونوں ہی خوب ہیں لیکن مجھ کو اختلاف صرف اس بات سے ہے کہ تو نے اپنے کلام میں جب مجھ کو یہ یاد دلایا کہ ہر شے اپنی اصل کی طرف واپس جاتی ہے تو میں ڈر گیا۔ میں غمزدہ ہو گیا!

قریش بن بدر بن ابی بکر پوچھا: وہ کیوں میرے دوست؟

بسا سیری نے جواب دیا: میں اپنی اصل نسل سے ترک ہوں، خانہ بدوش ٹیلا ترک، حقیر اور ذلیل۔ جس کو در وقت کا کھانا بھی میسر نہ ہو میری اصل تو یہ تھی! میری اصل تو یہ ہے کہ تو نے اپنے کلام میں مجھ کو دل نہ لے کر کوشش کی ہے کہ میں دوبارہ ذلیل و خوار ہو جاؤں گا ہیں ایک بار پھر بے آسرا۔

بے سہارا ہو جاؤں گا چاہا!

مغنیہ نے جواب دیا: نہیں! میرا یہ منشا ہرگز نہ تھا۔

آپ یقین کیوں؟ میں کسی حال میں بھی آپ کا بٹا نہیں چاہتی!

بسا سیری نے محفل پر غصہ کر دی وہ بہت زیادہ دلاس ہو گیا تھا۔

بسا سیری تو قصہ غلافت میں کہیں گم ہو گیا لیکن قریش بن بدر بن ابی بکر اور مدارش اور خمار تگین دریا سے دجلہ کے کنارے ایک کشتی میں باہر بیٹھے۔

مدارش نے پوچھا: یہ آپ اس وقت کد باؤں چاہتے ہیں؟

قریش بن بدر بن ابی بکر جواب دیا: تو میرا اب تم سے میں تجھ سے نہیں چھپاؤں گا میں تجھ کو یہاں اس لیے لایا ہوں کہ۔

چند اہم معاملوں میں تجھ سے مشورہ کر دوں!

مدارش نے کہا: یہ مشورہ ہم دونوں نے بھی کر سکتے تھے!

قریش نے جواب دیا: بے شک لیکن میری یہ قیامت بھی ہے کہ وہاں آسنے جانے والوں کا جہوم رہتا ہے اور میں جو یہاں آیا ہوں کہہ سکتا ہوں کہیں اور نہیں!

مدارش نے کہا: اچھا تب پھر کریں باتیں اور میں مجھ سے مشورہ کروں!

کو زوال یعنی تدمیر کیا ہے گا؟

مدارش نے پوچھا: لیکن یہ زوال بسا سیری کو کسے لگا ہی کیوں؟

قریش نے جواب دیا: اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس کو کیوں اور کیا جیسے سوالوں سے کسی حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے بہت زیادہ نہیں۔ سلطان غزل ہی اس کے نذاں کا سبب بن سکتا ہے۔

مدارش نے پوچھا: پھر اس وقت ہم کیا کریں گے؟
قریش بن ہرہان نے جواب دیا: اس دور تقاضا نفس میں ہم دونوں مل کر قدم اٹھائیں گے۔
مدارش نے پوچھا: وہ کس طرح؟

قریش نے کہا: امیر المومنین تیسرے قبضے میں رہیں؟
مدارش نے جواب دیا: ان کا دوسرے قبضے میں رہیں؟
قریش نے پوچھا: اور وہ اس سلطان غزل کی جستجوئیوں کا کون سا ہے؟

مدارش نے جواب دیا: وہ سیری غلامین کے ساتھ رہتی ہے۔
قریش نے شورو دیا: اب اگر تو یہ چاہتا ہے کہ ہم دونوں اسی طرح خوش و خرم اور با اعتماد زندگی گزاریں تو تو ان دونوں کو لے کر کسی بیابان یا صحرائی پہاڑیالیے بیابان یا صحرائی میں کسے دوسروں کو خبر نہ ہو؟

مدارش نے پوچھا: اس سے ہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟
قریش نے جواب دیا: یہ کہ جب بسا سیری کو زوال آجائے گا تو ہم دونوں کو یہاں کی وجہ سے کئی شرائط پر عمل پیرا حاصل کریں گے جو بسا سیری اپنے بد قسمتی سے گنوا چکا ہو گا۔

مدارش نے جواب دیا: شاید ایسا نہ ہو؟
قریش کو غصہ آ رہا تھا: کیوں؟ ایسا کیوں نہیں ہو گا؟
مدارش نے جواب دیا: میں فی اللہ آپ کو یہ نہیں بتا سکوں گا کہ ایسا کیوں نہیں ہو گا؟

قریش نے پوچھا: کیا سلطان غزل کا دھربند اور کی طرف نہیں لے گا؟

مدارش نے جواب دیا: سلطان کا دھربند اسے لگائیں بسا سیری کی وجہ سے ہمارا آپ کی وجہ سے نہیں؟

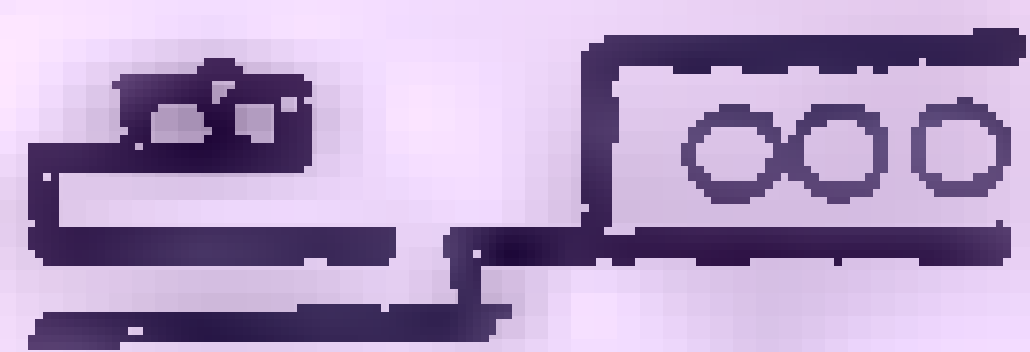
کنیز و جلد کے پانی میں ہاتھ ڈالے اس سے کھیل رہی تھی۔
خمار تنگین نے اس کو منع کیا: یہ کیا کر رہے ہو؟ اس طرح تو سیدھا پڑ جائے گی؟

مدارش نے بھی اسے منع کیا: اس خنکی میں اپنے ہاتھ

مت بھگو۔
لیکن کنیز نے نہ تو جواب دیا اور نہ ہی پانی سے ہاتھ نکالا۔

قوح نے بھی اس کو منع کیا: جب دو طریق آدمی تھو کر پانی میں نہ جا کر جھوٹے سے منع کر رہے ہیں تو باز کیوں نہیں آجاتی؟
کنیز نے قوح کو منع کر دیا: تو اپنے کام سے کام لے۔ میں جو کر رہی ہوں کر سنے دے۔ مجھے اس میں مزہ آ رہا ہے۔
قوح نے سرد آہ بھری: چہ کا ہے کسی مائل سے کہہ دو۔
مائل مائل ہوتی ہے۔

قریش کو ان باتوں سے کئی دلچسپی نہ تھی وہ مدارش سے پوچھ رہا تھا: بسا سیری کے بعد ہمارا کیا حشر ہو گا؟
مدارش نے پوچھا: آپ آخر پریشان کیوں ہیں؟
قریش نے جواب دیا: میں اس لیے پریشان ہوں کہ مجھے



عجائب گھر کا افسر (سیاح سے) آپ نے پانچ ہزار سال پُرانا گل دان توڑ دیا۔
سیاح: شک ہے میں تو ڈر رہا تھا کہ کیوں بنا نہ ہو۔



عصر حاضر کی الف لیلٰی
ایک نئی کتاب ہے جس میں ۱۰۰۰ تصاویر ہیں۔
دوسرے کے دماغ کو ٹوٹتا ہے اور لوگوں کو اپنی سوچ کے اشاروں پر چلا آتا ہے۔
شلی پٹی کے ماہر فرہاد علی قیہور کی داستان حیات
نور پھلے نور ہر سو سے پاکستانی سپینس ڈائجسٹ میں شائع ہو رہی ہے۔



جس کا لچپ چاپان سطور سطور دھڑھکیاں

• رازی: فرہاد علی قیہور • نور قلم: محی الدین نواب
دو نئے اپنی حکومت کی قیاد پر مبنی ترین کتابیں کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔
ڈائجسٹ سائز کے ہر ایک 8000 صفحات شائع ہونے کے بعد 32000 صفحات کے ہزار ہیں۔
ہر ایک کتاب دو کتاب کے بائیس جیسے شائع ہو چکی ہے۔

• قیمت: بی حد زلف ۲۰ روپے • بجلد: گلف ۲۵ روپے
اگر آپ نے اب تک دیکھا ہے تو دنیا کے بہترین ٹیبلوں سے
نور ہو گئے۔ ہزار ڈیڑھ ہے آپ صرف دیکھیں 150 صفحات بڑھ
پچھلے پچھلے دیکھیں مکمل کے بغیر فستق نہ پائیں گے۔

کتاب والا
۲۰۹۵، پہاڑی بھولہ، دہلی 11001

بہا سیری سنے یہ بتایا ہے کہ سلطان طفیل کہہ رہا ہے کہ امیر المومنین کو بغداد میں بلا لورادہ سلطان طفیل کا نام خطبوں میں شامل کر دوجہ عوان سے چلا جائے گا۔

مدارش نے پوچھا اور بہا سیری نے اس کا جواب دیا پھر قریش نے جواب دیا کہ بہا سیری کا خیال ہے کہ اسب سلطان طفیل پہلے کی بر نسبت کہہ رہا ہے اور اس کی اس کڑھری سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

مدارش نے پوچھا پھر اب آپ کے خیال میں کیا ہوگا؟

قریش نے جواب دیا اب ہوگا یہ کہ سلطان بہا سیری پر حملہ کرے گا اور اس طرح بہا سیری اپنی اصل کی طرف واپس چلا جائے گا۔

مدارش نے کہا اچھا تو یہ بات ہے ہاں اب بتائیں کہ ہمیں کسپا کرنا چاہیے؟

قریش نے جواب دیا وہی جس کام میں سے شہرہ دیتا ہے یعنی امیر المومنین اور سلطان خاتون کہنے کہ کس بیابان یا صحرا میں روپوش ہو جاوے جب سلطان ہم سے ان دونوں کا مطالبہ کرے گا تو ہم اس کے سامنے اپنی شرائط رکھ دیں گے اور جو چاہیں گے حاصل کر لیں گے۔

قریش نے قریش میں... جو کچھ کہا تھا یا کر رہ تھا مدارش کو اس سے اختلاف تھا مدارش نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

قریش نے پوچھا آخر کیوں؟ اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟ مدارش نے جواب دیا میں نے بھی امیر المومنین سے چند وعدے کر رکھے ہیں۔

قریش نے سختی سے کہا ہم تیسرے وعدوں کے پابند نہیں ہیں۔

مدارش نے عرض کیا آپ نہ پہلے پابند میں تو ہوئے ان کہاں؟ قریش نے پوچھا تیسرے وعدے دہید میرے کام کیوں کہنے لگے۔

مدارش نے قریش کو مشورہ دیا کہ بہترین وقت ہے کہ آپ بہا سیری سے پھپھیا چھڑھیں۔

قریش نے جواب دیا میں سوچوں گا لیکن میرا خیال ہے اس وقت تو غلطی پر ہے۔

خوار تخمین پھر ولس سے بہت پریشان تھا وہ بول رہا تھا کہ پریشان کر رہے تھے لیکن خوار تخمین اس کو زیادہ کی عمری کر رہا تھا مجھوں کے طفیل وہ گھڑوں کو جلائے ہوئے ہو گئے۔

قریش ہلکے حوالے میں مدارش نے بھی قیام کیا اور خوار تخمین اور

کئی سنے بھی۔ معلوم نہیں کس چیز کی دھول دی گئی تھی کہ اس کے دھویں سے پھر جاک چکے تھے۔

دوسرے دن صبح جب ہوگ سوکرائے تھے تو وہیں خوار تخمین اور کئی سنے تھے۔ وہ دیر نہ بنا کہ کا تھا۔

قریش بن ہریران سنے اس کے بارے میں پوچھا لیکن لیکن جب بہا سیری نے خوار تخمین کو طلب کی تو قریش کو کچھ قریش محسوس ہوئی۔

مدارش بھی حدیث نہ مانہ ہو گیا۔ اس کے ذرا دیر بعد بہا سیری خود آ گیا اس کے ساتھ چند سپاہی بھی تھے۔ بہا سیری نے کہنے ہی خوار تخمین کو پوچھا وہ کب آیا؟

قریش نے جواب دیا میں نہیں جانتا لیکن مدارش ابھی کچھ دیر پہلے گیا ہے۔

بہا سیری نے بدلی سے کہا قریش! میں مسابہہ بالشارکت عظم کردوں گا۔

قریش نے پوچھا اس کا کوئی خاص وجہ ہے؟ بہا سیری سخت برہم تھا ہاں اس کی ایک خاص وجہ ہے یہ خوار تخمین کو مل تھا ہے۔

قریش نے جواب دیا ابراہیم اینال کے باقیات میں سے ایک سلطان طفیل کا دشمن۔

بہا سیری شیعے کی طرح بھڑکا کہ نہیں یہ بھوٹ ہے۔ وہ ابراہیم اینال کا نہیں سلطان طفیل کا آدمی ہے ابراہیم اینال مرحوم کا دشمن۔

قریش نے کہا ایسا کیوں کہ ہو سکتا ہے میرے اہل نام مدارش نے مجھے یہ بتایا تھا اور وہ بھوٹ کیوں بولے گا؟

بہا سیری نے کہا میں نہیں جانتا کہ مدارش نے کیا کیا کیا لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ مدارش سلطان طفیل سے مل گیا ہے۔ اب وہ ہمارا آدمی نہیں رہا۔

قریش اور زیادہ فکر مند ہو گیا یہ دوسری حیران کن بات ہے یہ میں سن کیا رہا ہوں؟

بہا سیری تھلا رہا تھا افسوس کہ اس وقت میں یا میرے آدمی ان دونوں کا قاتل بھی نہیں کر سکتے۔

قریش نے نہایت راستے دی تو براہِ عزت ان دونوں کے پاس سے میں اگر یہ خبری درست میں تو ہم کو امیر المومنین اور اس کے قانون کو فوراً اپنے قبضے میں کرنا چاہیے ورنہ ہمارے منصوبے دھرسے کے دھرسے رہ جائیں گے۔

بہا سیری نے قریش کا مذاق اڑایا میں پوچھتا ہوں کیا وقت ہے تمہارے پاس ان کاموں کے لیے؟

قریش نے کہا کیوں وقت کر کیا مرا ہے۔

بہاسیری نے جواب دیا: سلطان طغرل اپنی فوجوں کے ساتھ
ایک آدھ دن میں ہمارے محل کو چوگا۔
قریش سے حیرت سے پوچھا: کیا سچ ہے؟

بہاسیری نے جواب دیا: یہ خبر میرے خبر لائے میں اور
وہی خبر خبر بھی لائے میں کہ خوارزمیوں نے ہمدان کے
سحق میں پلا لیا ہے۔

قریش کو انہوں نے ہوا۔ آہستہ سے کہا: یا اللہ! یہ میں کیا سُن
رہا ہوں؟

بہاسیری نے دل کی بات عافیت کردی تباہ
میں تم پر بھی اعتبار نہیں کر سکتا تباہ یہ بتاؤ کہ تمہارے کیا
ارائے ہیں؟

قریش نے جواب دیا: میں تیرے ساتھ ہوں میرا اعتبار
کو میں عطا کرتا ہوں۔

بہاسیری نے کہا: اگر یہ بات ہے تو تیاری کرو جنگ
کی تیاری۔ سلطان طغرل آیا ہی چاہتا ہے؟

قریش نے اسی وقت ہمدان کے نام ایک خط لکھا۔

ہمدان! میرے چچا کے بیٹے! جس وقت

تجھ کو میرا یہ خط ملے گا سلطان طغرل بغداد کے در

پر اپنی فوجوں کے ساتھ آچکا ہوگا اس لیے میں تجھ

کو حکم دیتا ہوں کہ امیر المومنین اور سلطان خاتون کو

کسی صحرا یا بیابان میں لے جا کر زندہ پوش ہو جاؤ

طرح میں سلطان سے باسانی سوئے بازی کی کر لوں

گا۔ نہا کر سنے وہ خبریں غلط ہوں جو میں تیرے

ہائے میں سُن رہا ہوں۔ خدا را بدھو کے باز کہیں

بھی قریش نہیں رہتے۔

اس کے بعد قریش اپنی فوج یکجا کر سنے لگا۔

سلطان طغرل کو جیسے ہی یہ خبر ملی کہ بہاسیری گفت و شنید
کو سلطان کی کمزوری پر محمول کر رہا ہے اس نے اپنی فوج کو کوچ
کا حکم دیا اس کی یہ رفتار ترکوں کی فطرت کے عین مطابق تھی۔
برق رفتاری سے۔

سلطان کے دف میں قریش بن بدران کی بڑی عزت تھی کیونکہ
اس کی وجہ سے امیر المومنین اور سلطان خاتون زندہ اور باعزت
زندہ گزار رہے تھے اس نے دو دفد ایک ایک روانہ کیے تھے۔
ایک تو قریش بن بدران کے پاس ماس وفد کو قریش بن بدران کے
لیے چند تحفے بھی دے گئے تھے اور دوسرا وفد ہمدان کے پاس
مہرینہ نہ بھیجا لیا تھا۔ ہمدان کو بھی چند تحفے بھیجے گئے تھے اور
ایک پڑاؤ غلط بھی۔ اس خط اور مخالفت کو خوارزمیوں نے گہرا

سلطان نے ہمدان کو کھانا تھا!

اسے اللہ کے نیک بندے! تجھ کو کسی طرح یہ

بات ذریعہ نہیں دیتی کہ تو اپنے آقا اور اپنی قوم

سے غداری کرے۔ وہ لوگ جو غداری اور غلامی

کے مرتکب ہوئے ہیں ہم سب ملک کا خیر اپنی

آنکھوں سے غور سے دیکھ لیں گے۔

ہمدان! کیا تو یہ پسند کرے گا کہ بغداد اور پورے

عالم اسلام پر ہمدان کے قاطبی حکومت کریں؟ بیرون

کیا چیز ہے جس نے تجھ جیسے شریف انسان کو

بہاسیری کا ساتھ دینے پر مجبور کر دیا ہے؟ تجھ کو

بہاسیری کی خدمت کے عوض کیا دیا گیا ہے؟ کیا

دنیا اور آخرت کی قیمت تو نے بہاسیری سے

دھول لی؟

ٹھانی ہی نہیں یقیناً نہیں۔ دونوں جانوں کی قیمت؟

ہاں کون ہے جو انا کرے گا امیر المومنین کا نام ہمدان؟

رسول اللہ کے چچا عباسؓ کی اولاد میں ہمدان کے

ساتھ جو کچھ کرے گا اس کی جڑ یا سزا دونوں جانوں

میں پائے گا۔

میں نے تیری رہنمائی کر دی ہے اب تجھ کو یہ اختیار

موصول ہے کہ میں کا ساتھ دینا چاہتا ہوں۔

ایک طرف صرف دنیا ہے، یہ دنیا جس میں ہم زندہ

میں قاتی ہمدانی دنیا اور دوسری طرف دولت دنیا

کا اجر ہے۔ اس قاتی دنیا کا بھی اور دوسری دائمی

دنیا کا بھی۔

ہم غور سے بغداد میں داخل ہو جائیں گے اور ہاں

تیرا اور امیر المومنین کا بے جتنی سے انتظام

کریں گے۔

جب خوارزمیوں اس خط کے ساتھ ہمدان سے ملا تو

ہمدان کی دنیا ہی بدل گئی اور وہ سلطان طغرل کا ساتھ دینے پر

آمادہ ہو گیا۔

ہمدان نے اس سے پوچھا: مجھ سے صرف یہ کام لینا

ہے یا کوئی اور کام بھی ہے؟

خوارزمیوں نے جواب دیا: ایک کام اور، بہاسیری کو

میں پہچانتا نہیں ہوں۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔

ہمدان نے کلمہ یہ آسان کام ہے بہت آسان۔

ہمدان اسی وقت اس کو بغداد لے گیا اور بہاسیری کی عقل

رقص و موسیقی میں جا بٹھا۔ وہاں اس نے بہاسیری کو خوب اچھی

طریقہ قریب سے دیکھا اور اس سے باتیں بھی کیں اور

جب وہ اس سے ایک کنیز لے کر چلا گیا تو بیا سیری کے خبروں نے غمزدگی اور ملالت کے بارے میں بھیجے۔۔۔ خبریں پہنچائیں۔

اب بیا سیری سلطان مغزل سے خزانہ تھلا کر لائے نہ تھے نہ اس کے جواب کے بعد اتنی عجلت میں کوئی قدم اٹھائے گا اس نے جنگ کے لیے تیاری تو کر لی لیکن دلی اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ مصر کی فاطمی خلافت بھی خاموش تھی۔ اس نے بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

ایسی تشویش اور الجھن میں اس کا مصر روانہ کیا ہوا قند بھی واپس آگیا۔ فاطمی خلیفہ مستنصر علوی نے اس کو جواب میں لکھا تھا۔

”تو فکر نہ کر ہماری تائید تیرے حق میں ہم دیر سے ساتھ ہیں۔ ہم تیرے لیے طرح بھی سنا کر دیں گے لیکن ابھی نہیں۔ اس کے لیے کچھ وقت حکام سے اور پھر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تو نے اپنے جتنے کام کام بغفلت ایتروں کی ہماری مدد کے بغیر ہی انجام دے دیے تو دل کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ بہر حال یہ حکام فرض ہے کہ ہم تیری دلی دے۔۔۔۔۔ مدد کریں اور یہ تیرا حق ہے کہ تو ہم سے مدد چاہے۔“

اس گول دلی جواب سے اس کی ہمت ٹوٹ گئی۔

بیا سیری نے یہ سمجھ لیا تھا کہ بات وہ نہیں ہے جو خط میں لکھی گئی ہے بلکہ بات کچھ اور ہے جو خط میں نہیں لکھی گئی۔ اس نے اپنے خندق کے ایک آگے سے پوچھا: ”تو سچ سچ بتا بات کیسا ہے؟“

لیکن اس نے بھدھی بتایا جو خط میں تحریر تھا۔

بیا سیری نے اسے جھڑک دیا: ”میں تجھ سے اس خط کی بابت نہیں پوچھ رہا جو فاطمی خلیفہ نے مجھے بھیجا ہے بلکہ میں یہ جانتا چاہتا ہوں کہ فاطمی خلیفہ نے جب یہ خط لکھوایا ہے تو وہ دلی کون کون تھا اور دلی کیا باتیں ہو رہی تھیں؟“

اس نے جواب دیا: ”اس وقت خلیفہ کے پاس اس کا وزیر ابن النذلی بھی موجود تھا اور وہ آپ کی سخت مخالفت کر رہا تھا۔“

بیا سیری نے اپنے حافی پر زور دیا اور کہا: ”تو یہ ابن النذلی ہے جو وہاں میری مخالفت کر رہا ہے؟“

حکومت میں ایک فقہاء منصب پر فائز تھا جس کے ہاتھ میں یہ معلوم ہوا کہ قند سے خزانہ ہرگز نہیں آگیا اور اب وہ مصر کی فاطمی خلافت کا وزیر ہے۔

اس شخص نے جواب دیا: ”اسی وہی ہے اور میں نے

اپنے کانوں سے سنا ہے کہ وہ خلیفہ کو یہ باور کرا رہا تھا کہ بیا سیری نے یہ جو کچھ کیا ہے اپنے طور پر لپٹے نڈے کے لیے کیا ہے وزیر نے بھی کہا کہ بیا سیری اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو گیا تو وہ فاطمی خلافت پر قابض ہو جائے گا۔ اس نے بھی خلیفہ کو یہ بھی باور کرا دیا کہ اگر بیا سیری کی مدد کی گئی تو عباسی خلافت اور اس کے حامی احمد مدد دینا کل مصری فاطمی خلافت کے خلاف ہی مخالف رائے شروع کر دیں گے اور اس کا یہ نتیجہ بھی نیکل مکتا ہے کہ جو ابی کارروائی سے مصر میں بھی عباسی خلافت قائم ہو جائے۔ اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ ہمیں بیا سیری کی کسی طرح بھی مدد نہیں کرنا چاہیے۔“

بیا سیری کو بہت ڈکھ ہوا اس نے ابن المغزی کو بڑی گالیاں دیں اور کہا: ”اسے ابن المغزی! تیرا مشورہ عاقلانہ ہے اور تو نہیں جانتا کہ میں نے جو کچھ کر دکھایا تھا اگر یہ قائم رہتا اور مصر کی فاطمی خلافت میرا ساتھ دے تو آئندہ چند سو سالوں میں پورے عالم اسلام میں ہماری حیثیت ہی کچھ اور ہو جاتی اور شاید ہماری تائید کثرت میں بدل جاتی۔ غرض اس میں ابن المغزی نے ہمارے اور اپنی قوم کو بہت پیچھے دھکیل دیا۔“

اب بیا سیری کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ فاطمی خلافت نے اسے بالکل مایوس اور بے کار کر دیا تھا۔

اب اس کے سامنے ایک ہی راستہ تھا۔ سلطان مغزل کا مقابلہ اور اپنی قوت بازو سے وہ کر دکھانا جو فاطمی خلافت کی مدد سے بھی نہیں ہو سکا تھا۔

قریش بن بدران اور دوسرے خلیف بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔

قریش کو مدارش نے پھر وہی جواب لکھ بھیجا تھا: ”اس میں نے بھی امیر المومنین سے کچھ وعدے کیے ہیں اور میں نہیں بنواؤں گا اس لیے امیر المومنین اور اس کے خاتون کو کس سے روایا کیا جان میں لے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

قریش بن بدران نے مایوس ہو کر بیا سیری کا دامن پکڑا۔ بیا سیری نے کہا: ”میں تو پہلے ہی مدارش کو شک کا نظر سے دیکھ رہا تھا۔“

نوفمبر ۱۰۵۱ء چھایا تو بیا سیری نے جشن سرت ماننے کا اعلان کیا۔ ٹھیک اسی تاریخ کو ایک سال قبل سلطان نے بغداد پر قبضہ کیا تھا اور اس تاریخ کو اس نے اپنی زندگی کا اہم ترین تاریخ قرار دیا تھا۔ اس کے اہل اور دوسرے بے تکلف ساتھی اس جشن میں اس کے ساتھ تھے۔ قریش بن بدران نے بیا سیری کو یاد دلایا: ”بیا سیری! تم کو یاد ہو گا کہ ایک سال پہلے تم نے اس تاریخ کو اپنا سہ ترین تاریخ قرار دیا تھا آج بھی وہ سہ ترین تاریخ

سہے تھا مارا کیا خیال سہے تم کی مستغانہ پیچھے گا یا انتھان؟
 بیاسیری نے جواب دیا وہ اس تاریخ کو میں آج بھی ستدین
 تاریخ سمجھتا ہوں اس لیے اس کا جشن منانا ہوں۔
 ابھی بہت پوری ہی ہوئی تھی کہ ایک سپاہی بدحواس
 ذریعہ دار اندر داخل ہوا: جناب والا! غضب ہو گیا۔
 بیاسیری نے پوچھا: کیا ہوا؟

اس آسنے واسے نے جواب دیا: سلطان غفل کا۔۔۔
 مقدمہ ابیش تھر شیریں تک آچکا ہے۔
 بیاسیری کے ہاتھ سے توار جھوٹ گئی، پوچھا: کیا یہ خبر بالکل
 درست ہے؟

اس نے جواب دیا: بالکل درست، پہلی فوراً مقابلے
 کے بغیر راہ فرار اختیار کر گئی۔
 بیاسیری نے آواز دی: وقت تو اس کو بڑا یا باسنے وہ
 کہاں ہے؟

وقت تو اس کو تلاش کیا گیا۔ وہ اپنے دفتر میں رہا جس
 قلمی خلافت اور سلطان غفل کی ننگا کشی کے بارے میں کچھ
 لکھ رہا تھا اسے بیاسیری کے سامنے پیش کر دیا گیا۔
 بیاسیری نے پوچھا: میری زندگی کی سب سے بڑی تاریخ کتنی
 سی ہے؟

وقت تو اس صبح میں پڑیا اور جواب دیا: یہ تاریخ کی
 تاریخ، تو ذیقعدہ۔
 بیاسیری نے کہا: اب یہ تاریخ سویر ترین قرار پائی۔
 نتائج کے دفتر میں کچھ سے بیاسیری کی تاریخ کی سویر ترین تاریخ
 تو ذیقعدہ۔

بیاسیری نے کہا: اب یہ تاریخ سویر ترین قرار پائی۔
 نتائج کے دفتر میں کچھ سے بیاسیری کی تاریخ کی سویر ترین تاریخ
 تاریخ تو ذیقعدہ۔
 نتائج تو اس نے سوالیہ نفور سے بیاسیری کو دیکھا
 اور پھر دفتر سویر میں جلی جھڑپیں لکھ دیا۔

بیاسیری کی زندگی کی سب سے بڑی تاریخ تو ذیقعدہ
 ۴۵۰ھ اور سویر ترین تاریخ تو ذیقعدہ ۴۵۱ھ۔
 بیاسیری نے اپنے ساتھ یوں سے پوچھا: تم سب کے
 کیا ارادے ہیں؟

سب نے جواب دیا: ہمارا مزاجینا آپ کے ساتھ ہے۔
 بیاسیری نے ایک سرد آہ بھری اور کہا: اب جنگ غفل
 سے میری زندگی نے جو صلیے ہر دیے اس لیے میں بھی حوصلہ ہار
 چکا ہوں۔

قریش بن بدران نے پوچھا: کیا ہم سلطان سے جنگ

نہیں لڑیں گے؟

بیاسیری نے جواب دیا: نہیں، اب ہم جنگ نہیں لڑیں
 گے کیوں کہ اب ہم سلطان کو شکست نہیں دے سکیں گے۔
 قریش بن بدران کو اس سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔
 بیاسیری نے قریش کو شورہ دیا: مجھے تمہارے کسی
 منصوبے کا علم نہیں لیکن میں شام نکل جاؤں گا اور وہاں کوشش
 کروں گا کہ اپنی طاقت بمتبع کروں اور ایک بار پھر سلطان سے
 دو دو تھ کر دوں۔

قریش کو اب احساس ہوا کہ اس کا ابنو علم سادش درست
 تھا۔ اس نے حالات کا اندازہ دوسروں سے بہتر لگایا تھا۔
 بیاسیری جانے کے لیے تیار تھا قریش ابو نیعلہ کرنا
 ہے جلدی کر۔ سلطان کا مقدمہ ابیش تھر شیریں تک آچکا
 ہے شاید چند ساعتوں بعد ہم یہاں سے نکل بھی نہ سکیں گے۔

بیاسیری کا خیال بالکل درست تھا۔ سلطان کے ٹھکانے
 ان کا راستہ روک دیا اور جنگ شروع ہو گئی۔ لیکن بیاسیری فرار
 ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ قریش بن بدران اس کے ساتھ تو نہیں
 جاسکا لیکن وہ دوسری طرف نکل بھاگا، جان اس کی بھی بچ گئی۔

سلطان غفل نے جب یہ سنا کہ بیاسیری فرار ہو چکا ہے
 تو اس نے امام ابو بکر بن فرقہ سے درخواست کی کہ مد فیہ ناہ
 تشریف لے جائیں اور امیر المؤمنین کو فتح کی خوش خبری سن کر وہ بھی
 بغداد لائیں۔ ان دنوں بغداد میں ایسے کوسوں کی کمی واقع ہو گئی تھی
 جو غلیفہ کے پاس بھیجے جاسکتے۔

یہی حکم ابو نصر کندی کو دیا گیا: تو خشم دھم اور لاؤ لشکر
 کے ساتھ کہیں راستے میں منزل کر اور غلیفہ کا استقبال کرتے ہوئے
 اپنے ساتھ بغداد لے آؤ۔

ابو نصر غلیفہ مد شیعانہ کی طرف روانہ ہو گیا۔
 سلطان غفل بذات خود بغداد اور واسطہ کے درمیان
 مروان میں غلیفہ کی تشریف آوری کا انتظار کر رہا تھا۔
 سادش کو بیاسیری کی شکست کی خبر مل چکی تھی، وہ امیر المؤمنین
 کو وہاں سے لے کر سلطان غفل کی طرف چل دیا۔

امام ابو بکر بن فرقہ ابھی راستے ہی میں تھے کہ چند سواروں
 سے ان کی ملاقات ہو گئی۔ یہ سوار مد شیعانہ سے آرہے تھے اور
 ان کے پاس سادش کا یہ پیغام تھا کہ سلطان غفل کو معلوم ہونا چاہیے
 کہ امیر المؤمنین تشریف لارہے ہیں اس لیے ان کے شاہان شان۔
 استقبال کے لیے معززین کو بغداد کے باہر موجود رہنا چاہیے۔

امام ابو بکر نے پوچھا: اس وقت امیر المؤمنین کہاں
 ہیں؟

سواروں نے اس راستے کی نشاندہی کر دی جس پر سادش

خلیفہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ امام ابو بکر نے اپنا راستہ بدل لیا اور سواروں کے بتائے ہوئے راستے کی طرف مڑ گئے۔ انہی سواروں نے ابو بکر کو بھی ہمارے اور خلیفہ کے سفر کی نشاندہی کر دی اور ابو بکر نے بھی نشانِ زور مت تیزی سے سفر کیا۔

امام ابو بکر نے عید سے ملاقات کی اور چند تحفے بطور
تقدیر پیش کیے۔

خلیفہ نے پوچھا، "مردود بسا سیر کی کہاں ہے؟"
امام ابو بکر نے جواب دیا: "وہ جان بچائے گیا۔ وہ قلمبر ہو
گیا، چٹانیں کہاں چلا گیا۔"

خلیقہ سے پوچھا: تو وہ گرفتار نہیں ہوا؟
امام ابو بکر نے جواب دیا: افسوس کہ اسے گرفتار نہیں
کیا جاسکتا!

خلیفہ بہت جذباتی ہو رہا تھا اس کو خطرہ تھا کہ کہیں کسی طرف سے اور ہنگامہ نہ ہو کر نہ خلیفہ پر حملہ آور نہ ہو جائے۔
سارخ خلیفہ کی کیفیات کو کچھ سمجھتا تھا۔ اس نے تسلی دی: ”بہا سیری سلطان مغرل سے یہ وعدہ فرما رہا ہے کہ وہ ادھر آئے گا کہ بہت تک نہیں کر سکتا۔“

خلیفہ نے آہستہ سے کہا ”اللہ تیری زبان مبارک کرے“
خلیفہ اپنے خمیے میں چلا گیا، اب اس کو کون بیتی راوی
گیا تھا۔

خلیفہ کے خیمے کے چاروں طرف ہمارش کے سپاہی
پیرائے رہتے تھے۔ خیمے کا درگھلا ہوا تھا اور اس کے باہر
دو تک خیمے کے اندر ہی سے دیکھا جاسکتا تھا۔

خلیفہ کی نظر پر اچانک اس گرو غبار پر پڑیں جو خیمے کے اندر سے صاف نظر آ رہا تھا۔ یہ کوئی لشکر تھا جو خلیفہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ وہ بے مچینی سے باہر نکل کھڑا ہوا اور اپنے محافظین سے کہہ کر ہمارے پاس فوراً خبردار کرو کہ یہاں سے جلدی کر دو۔

نکستی سے بھی خلیفہ کا حکم ملے کہ مہاراش کے پاس گئے اور اس کو مذکورہ فن کی طرفت جاسنے اور راستہ روکنے کا حکم دے دیا۔

سامی تدا میرا در سارے احکام اپنی جگہ مدد کردہ لشکر
اب بھی ان کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔
قلعہ سے نکل کر خیر حضور آیا آ رہا تھا کہ امام ابو بکر

لوہہ مارش کر لیا۔
 دروں فوراً آگے اور خفیہ سے پوچھا: کیا بات ہے۔
 آپ پریشان کیوں نظر آ رہے ہیں؟

خلیفہ نے غلامیں چھپاتے داسے مگر دو غبار کی طرف اشارہ کیا: کہیں یہاں تو نہیں کہ بسا سیری ہماری طرف بڑھ رہا ہو۔
مہاراج مسکراتے لگے: نہیں، یہاں نہیں ہو سکتا۔
خلیفہ کی پریشانی میں کوئی کمی نہ آئی، یہی قراری سے پڑ گیا۔
پھر یہ کرد و غبار؟ یہ کیا ہے؟

ہمارے دل سے جو لب دیا اس کو ہمارے پاس آجائے
دیں پھر بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ یہ کون ہے۔

خلیفہ کا دل دھک دھک کر رہا تھا، اس کو نازشہ تھا
 کہ کہیں ہمارے لیے یہاں سے معاملہ نہ کر لیا ہو۔
 پھر گرو وغلا کا پردہ حاک ہوا اور اس میں سے ایک

ایسا لشکر نمودار ہوا جو زیاں تیزی سے ان کی طرف نہیں کا رہا تھا،
اور وہ مسیحا ہی بھی نہیں معلوم ہو سکتے تھے۔
مہاراش نے درخواست کی کہ امیر المومنین! آپ اسٹے غمے

مہاراج سے ملنے کے لیے اس وقت کی رات کو وہ اپنے اپنے
 میں تشریف لے جائیں۔“

خلیفہ نے جواب دیا: ”میں خیمے میں جا کر قید کی نہیں بن
 جانا چاہتا۔ مجھ کو تم لوگ یہ قوتیاد کر کے سب کیا ہو رہا ہے؟“

مہاراج نے کہا: ”امیر المومنین! آپ ہم پر شبہ نہ کریں یہ
 میری تکلیف دہ بات ہے۔“

خلیفہ نے پھر وہی سوال کیا: آخر یہ لوگ ہیں کون؟
امام ابو بکر بن نورک نے خلیفہ کو بتایا: امیر المؤمنین!
افسوس کہ مراد گج جو کہ جانتے ہیں آج سے قریب اس کی کسم پرسی

اس کو کہ ہم لوگ بڑے چاہتے ہیں آپ سے ملنا یہاں پر
 پردہ نہیں کی اور آپ نے
 خلیفہ سے نصیحت کر رکھی ہے ہاں تو اس وقت ایسی کوئی بحث
 نہیں چھڑنا چاہیے جس سے ہماری تدریس مجروح نہ ہو جائے

اب گلہ سوار فلیٹ کے قریب پہنچ چکے تھے، خلیفہ نے محسوس کیا کہ اب خاموش رہنے میں نقصان ہے، اس نے ہمارش سے کہا: "میں خیمے میں جا رہا ہوں۔"

خلیفہ ابراہیم نے اپنے بھائی اور اس کے والدین کو یہ خبر سن کر براہِ رخصتی کے سفر پر روانہ ہو گیا۔

میں اس لیے ہم نہیں چاہتے کہ آپ کی کسی طرف سے ہرگز ہو۔
آپ ہماری ہی نہیں عالم کی بھی آبرو میں یہ

علیفستہ دوست کو چری دیا میں دیں اور اب انھیں غنیف کی خدمت میں سلطان کے گروں قہر خانات پیش کیے۔
ہو انفر کندی ستہ ہمارش کا شکریہ ادا کیا
مردش سے پریمیا یہ اشکریہ کیوں؟ یہی کسی اشکریہ؟

خلیفہ نے کہا: "بسیاسیری ہمک بات مناسب اور معقول ہے لیکن مصر سے ابھرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

دونوں میں کچھ دیر اسی قسم کی باتیں جوتی رہیں اس کے بعد سلطان نے عرض کیا: "میرا امیر المؤمنین کو علم ہو گا کہ بسیاسیری کی آمد کے بعد بغداد اس پیشہ قابل ذکر افراد سے محروم ہوگی اور وہیں کوئی بھی ایسا شخص موجود نہیں ہو امیر المؤمنین کا استقبال کر سکے اس لیے میں بغداد بار بار ہوں تاکہ شر کے دواڑے پر امیر المؤمنین کا استقبال کر سکوں۔"

خلیفہ کے پاس دعاؤں کے سوا کچھ بھی نہ تھا اور وہ اپنے معین و حامی لوگوں کو مسلسل دعاؤں سے غرض سے ہمارا ملتا تھا۔ سلطان نے خلیفہ کا بیٹے متنی سے انتظار کر رہا تھا۔

سلطان طغرل نے خلیفہ کو دور سے اپنی طرف آتے دیکھا تو گھوڑے سے اتر کر سیدلہ ہی خلیفہ کی طرف بڑھتا قریب پہنچ کر خلیفہ کی سوار کی کے نیچے سات ہار زمین بوس ہوا اس کو محبت اور احسان کی نظر سے دیکھتا رہا۔

جب وہ نزدیک خلیفہ کی رکاب کے پاس کھڑا ہو گیا تو خلیفہ نے کرناک بیچے میں کہا: "میں نے یہ ایک سال درمیں (انٹری) آزیت میں گزارا ہے۔"

سلطان نے خلیفہ کی رکاب کو بوسہ دے کر فخر پیش کیا۔ افسوس کہ بھائی ابراہیم اینال نے سرکشی اختیار کی اور میں اس سے جنگ کر سنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے بعد شاہراہ انڈاز اختیار کیا۔ امیر المؤمنین ایہ درست کہ میں ایک سال میں دن آپ کی نظروں سے اوجھل رہا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ دل سے دور کبھی بھی نہ ہوسٹے میں نے ہر وقت اور ہر لمحہ آپ کو یاد رکھا۔ خلیفہ نے جواب دیا: "مجھے یقین ہے کہ تو جھوٹ نہیں بولے گا۔" سچا ہے اور اس سچ کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ بائیر دفع ہوا اور میں دوبارہ بغداد جا رہا ہوں۔

سلطان طغرل نے عرض کیا: "اگر آپ اجازت دیں تو..." خلیفہ نے جلدی جلدی کہا: "ہاں ہاں... کہو کہو کیا..." سلطان طغرل نے کہا: "رسول اللہ کے چچا عباسؓ کی اطلاع پر جو مصائب نازل ہوئے اس کے ذمے دار ابراہیم اینال اور بسیاسیری تھے ایک کو قتل کر دیا دوسرا ابھی زندہ ہے۔"

مہاراش نے عرض کیا: "اور قاطعی خلافت، مصر کی قاطعی خلافت! یہ سب کچھ اسی کی شہ پائی کے ایک سے ہوا سلطان نے اسے کیوں نظر انداز کر دیا؟"

سلطان نے اپنے سہو کا اعتراف کیا: "بے شک بے شک! اب میں پہلے تو بسیاسیری کا کام تمام کروں گا اس کے بعد مصر کی طرف رجوع کروں گا۔"

خلیفہ نے کہا: "بسیاسیری ہمک بات مناسب اور معقول ہے لیکن مصر سے ابھرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

مہاراش نے کہا: "میں نے اس لیے کیا کہ بسیاسیری نے ہم سے وعدہ خلافت کیا اور وہ یہاں حباسی خلافت کو ختم کر دینا چاہتا تھا اور مصر کی قاطعی خلافت کو قائم کرنا چاہتا تھا۔ میں اسے کس طرح گزارا کرتا تھا؟"

خلیفہ نے مہاراش کو دوبارہ دعاؤں دیں اور کہا: "تو نے ہمارے لیے جو کچھ کیا اس کا صلہ تجھے ملے گا اگر اس کی ایک اور جزا بھی ہے اور وہ اللہ کی طرف سے ملے گی۔"

ان لوگوں نے یہاں سے کوچ کیا تو نہروان پر دم لیا۔ سلطان طغرل خلیفہ کا بیٹے متنی سے انتظار کر رہا تھا۔

سلطان طغرل نے خلیفہ کو دور سے اپنی طرف آتے دیکھا تو گھوڑے سے اتر کر سیدلہ ہی خلیفہ کی طرف بڑھتا قریب پہنچ کر خلیفہ کی سوار کی کے نیچے سات ہار زمین بوس ہوا اس کو محبت اور احسان کی نظر سے دیکھتا رہا۔

جب وہ نزدیک خلیفہ کی رکاب کے پاس کھڑا ہو گیا تو خلیفہ نے کرناک بیچے میں کہا: "میں نے یہ ایک سال درمیں (انٹری) آزیت میں گزارا ہے۔"

سلطان نے خلیفہ کی رکاب کو بوسہ دے کر فخر پیش کیا۔ افسوس کہ بھائی ابراہیم اینال نے سرکشی اختیار کی اور میں اس سے جنگ کر سنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے بعد شاہراہ انڈاز اختیار کیا۔ امیر المؤمنین ایہ درست کہ میں ایک سال میں دن آپ کی نظروں سے اوجھل رہا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ دل سے دور کبھی بھی نہ ہوسٹے میں نے ہر وقت اور ہر لمحہ آپ کو یاد رکھا۔ خلیفہ نے جواب دیا: "مجھے یقین ہے کہ تو جھوٹ نہیں بولے گا۔" سچا ہے اور اس سچ کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ بائیر دفع ہوا اور میں دوبارہ بغداد جا رہا ہوں۔

سلطان طغرل نے عرض کیا: "اگر آپ اجازت دیں تو..." خلیفہ نے جلدی جلدی کہا: "ہاں ہاں... کہو کہو کیا..." سلطان طغرل نے کہا: "رسول اللہ کے چچا عباسؓ کی اطلاع پر جو مصائب نازل ہوئے اس کے ذمے دار ابراہیم اینال اور بسیاسیری تھے ایک کو قتل کر دیا دوسرا ابھی زندہ ہے۔"

مہاراش نے عرض کیا: "اور قاطعی خلافت، مصر کی قاطعی خلافت! یہ سب کچھ اسی کی شہ پائی کے ایک سے ہوا سلطان نے اسے کیوں نظر انداز کر دیا؟"

سلطان نے اپنے سہو کا اعتراف کیا: "بے شک بے شک! اب میں پہلے تو بسیاسیری کا کام تمام کروں گا اس کے بعد مصر کی طرف رجوع کروں گا۔"

نساء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ارسلان خاتون کو سلطان طفیل سے ملنے کی اجازت دے دی گئی۔

ارسلان خاتون جب اپنے چچا کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کچھ دیر کے لیے گم سا ہو گیا۔ ایک خوب صورت و خوشبو بڑھائی لباس میں لپٹی ہوئی تھی۔ بڑھائی ایک لباس تھا جو خوش نگار سے مزین ہوتا تھا۔ اس کو فرسے تیار کیا گیا تھا۔ نہایت بیش قیمت اور پر سے کھنڈ ہوا اور کمرے نطاق کے درمیان تھا ہوا۔ نطاق کا اوپری سرا نیچے کے سرے کے پاس سے گزار کر زمین پر چھوڑ دیا گیا تھا اور وہ زمین سے گھسٹے رہا تھا۔

بڑھائی کے نیچے ٹھوڑی کے بعد اور شکم سے اوپر نطاق سے جکڑ دیا گیا تھا اس سے وہ حصہ کچھ زیادہ ہی نمایاں ہو گیا تھا۔ اس کو خواتین زیریں جام کے طور پر استعمال کرتی تھیں۔ غذا کی سندس نامی قیمتی کپڑے سے تیار کیا گیا تھا۔ بالیک اور نہایت گراں مایہ۔

گلے میں حقیقی بینی کا باز ہاتھوں میں سونے کے کنگن جن کو اس دھڑ میں رسوا کرکھا جاتا تھا۔ کانوں میں دو طرح کے زیورات تھے۔ شنفہ بالی ہرکان کے اوپر لگاتے تھے۔ بینی جاتی تھی اور ترطر (خونہ) ہرکان کے پچھلے نازک حصے میں پہنچے جاتے تھے۔ اس لیے اور شان میں سلطان طفیل نے اپنی جتنی بھی کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر سب سے اختیار کھڑا ہو گیا۔ اس کا بیان سے بے اختیار مل گیا۔ اسے ارسلان خاتون پر کرہے خوب؟

ارسلان خاتون نے اپنے چچا کو بڑی پریشانیوں کے بعد دیکھا تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ خلیفہ قائم با مراد خود اس کی بغداد واپسی اس کے چچا سلطان طفیل کی ہر جوانی منت تھی اگر سلطان طفیل نہ ہوتا تو وہ بیوہ ہرچی ہوتی اور شاید اس کو بھی قتل کر دیا جاتا یا پھر کسی کی کنیز بن چکی ہوتی۔

سلطان طفیل نے اپنے چچا کو بڑی محبت سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا، پوچھا کیا دیکھ رہی ہے ارسلان خاتون؟ تو خیریت سے تو ہے؟

ارسلان خاتون اب بھی کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ روتے لگی۔

سلطان طفیل کھڑا ہو گیا اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ کہا بات ہے ارسلان خاتون؟ تو خیریت سے تو ہے؟ ارسلان خاتون سلطان کے شانے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ سلطان طفیل نے کچھ دیر بعد اس کا اپنے سامنے بٹھالیا اور اس کو خوش کرنے لگا۔ اس کے سامنے کھانا ہلکا ہلکا اس کے پاس بلور پر رکھا دیکھا۔ دیکھا کہ کسی بھی شہزادی سے کسی طرح کم میں ہے؟

خلیفہ قائم با مراد بھی سلطان کی تجویز سے متفق تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سلطان کی طرف دیکھا اور با کاؤ بند دہلی: اللہ تیری دنیا اور آخرت کو سنوار دے؟

سلطان نے بھی اس دعا کے جواب میں خلیفہ کے واسطے ہاتھ کو بوسہ دیا اور بغداد روانہ ہو گیا۔ وہ خلیفہ سے پہلے بغداد پہنچ کر اس کا شاندار استقبال کرنا چاہتا تھا۔ خمار نگین، سر ہنگ سارنگین اور انوشیرواں تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ بیابان سیری کے تعاقب میں چلے گئے۔

ابو نصر ایک بڑے لشکر کے ساتھ اس کے عقب میں روانہ ہو گیا۔

بغداد میں قاضی ابو عبد اللہ الدافغانی کے سرا کوئی بلا آوی موجود نہیں تھا۔ سلطان طفیل نے اسے اپنے ساتھ لیا اور خلیفہ قائم با مراد کا بغداد کے دروازے پر استقبال کیا۔ وہ باب التوبی کے سامنے خلیفہ کے عاجب کی طرح کھڑا تھا۔

خلیفہ نے اس کے گلے میں ایک تھوڑا جامل کر دی اور معذرت کی: افسوس کہ اس وقت میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جو تیرے کو پیش کروں باقی جو کچھ ہے وہ تیرا ہی دیا ہوا ہے اور تیری دی ہوئی چیزوں میں سے تیرے کچھ پیش کر دینا کسی طرح مناسب نہیں؟

سلطان طفیل کی آنکھیں بھیج گئیں: امیر المومنین آپ کا ہا بھی ادا کھاری میرے دل کو چھلانگ دے رہی ہے۔ میرے پاس جو کچھ ہے آپ ہی کا ہے اور میں نے آپ کو جو کچھ نذر کے بطور پیش کیا وہ بھی آپ ہی کا تھا؟

خلیفہ نے پوچھا: آپ کون سی تاریخ ہے؟ اس بلور مارش نے جواب دیا: ۴۵۱ھ کی ۵ ذی قعدہ۔ خلیفہ بھی روتے لگا: ٹھیک ایک سال پہلے یعنی ۵ ذی قعدہ کو مجھے حدیثہ خانہ بھیج دیا گیا تھا؟

سلطان نے خلیفہ کے گھوڑے کی رگام بچھڑی اور بیابان خلیفہ کے محل کی طرف چل دیا۔ خلیفہ گھوڑے پر سوار بغداد کے محلاتوں، بازاروں اور شہروں کو عذباتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ تین لوگوں نے سلطان طفیل کو خلیفہ کا سائیس سینہ ہونے دیکھا وہ بھی سلطان کی نیک نفسی کے قائل ہو گئے۔

خلیفہ محل میں چلا گیا تو طفیل بھی انہی حالت میں سے ایک میں فروکش ہو گیا۔

ارسلان خاتون بھی خلیفہ کے بعد محل میں پہنچا دی گئی اس نے خلیفہ سے درخواست کی کہ اسے اس کے چچا طفیل سے ملوا دیا جائے۔

خلیفہ اس کا زیر بار اچھا ہو چکا تھا اس لیے تامل یا

ارسلان خاتون کے سلطان سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔ کہنے لگی: ”عمم محترم! میں یہیں خوش نہیں ہوں۔“

سلطان نے پوچھا: ”کیوں؟ اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟“

ارسلان خاتون نے جواب دیا: ”میں یہیں محفوظ نہیں ہوں۔ خلیفہ میری حفاظت نہیں کر سکتا۔“

سلطان نے اس کی ہمت بندھائی: ”تیری حفاظت میں کوئی گناہ تیری حفاظت میں کر رہا ہوں۔“

ارسلان خاتون نے کہا: ”میری حفاظت آپ کیوں کریں؟ آپ کون تک کریں گے؟“

سلطان نے کہا: ”میں اللہ کے فضل و کرم سے خلیفہ اور خلافت عباسیہ کی مدد کر رہا ہوں۔ ان کی حفاظت کر رہا ہوں۔ جب کوئی اور اس قدم تحفظ کے ماحول سے پریشان یا دل برداشتہ نہیں تو پھر تو کیوں پریشان ہو رہی ہے؟“

ارسلان خاتون نے چپاکی بات سے اتفاق نہیں کیا کہنے لگی: ”میں اپنے گھر میں زیادہ خوش تھی۔“

سلطان اس کی صحبت مسلسل دیکھے جا رہا تھا۔ ارسلان خاتون! یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ تیارے شاہد اب لباس، محمد زبور است! اس بدقت تو پر ہے عالم اسلام کی حکمہ سب سے زیادہ معزز اور معتبر خاتون۔ پھر تو خوش کیوں نہیں؟“

ارسلان خاتون نے پوچھا: ”... عم محترم! میں آپ سے ایک سوال کروں؟“

سلطان نے جواب دیا: ”تو کہ سوال میں اس کا نہایت معقول جواب دے گا۔“

ارسلان خاتون نے پوچھا: ”کیا آپ ایک ایسے محل میں رہنا پسند فرمائیں گے جہاں اپنی کوئی عورت ہی نہ ہو اور اپنے پاؤں کے نیچے زمین تیری سے کھسکی جا رہی ہو؟“

سلطان نے پریشان بیچے پوچھا: ”میری بیٹی بھی ایسے سب تو کیا کہہ رہی ہے؟ تو امیر المومنین کی شکایتیں مجھ سے نہ کر کیوں کہ میں تیری یا تمہاری اہل مال نہیں سمجھ سکوں گا۔“

ارسلان خاتون نے جواب دیا: ”اگر آپ میری باتیں شرط نہیں گئے تو میں دہلیں جلی جاؤں گی۔ میں نے کہا تو آپ سے کہ میں یہاں خوش نہیں ہوں۔“

سلطان نے کہا: ”لیکن میں یہ جانتا چاہتا ہوں کہ تو خوش کیوں نہیں ہے؟“

ارسلان خاتون نے جواب دیا: ”میں ایسے تنگ اور گھٹے ماحول میں پہلے کبھی نہیں رہی۔ قصر خلافت میرے لیے بہت ہی ناخوشگوار جگہ ہے۔“

سلطان نے کہا: ”اے تو بے رحم! میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔“

ارسلان خاتون نے جواب دیا: ”میں ایسے تنگ اور گھٹے ماحول میں پہلے کبھی نہیں رہی۔ قصر خلافت میرے لیے بہت ہی ناخوشگوار جگہ ہے۔“

سلطان نے کہا: ”اے تو بے رحم! میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔“

رہا ہوں۔“

ارسلان خاتون نے اپنے ماحول کی دوسری شکایت کی: ”محل کی زندگی ٹھیک کے آداب اور اصولوں کی پابند ہوتی ہے۔ جب کہ میں ایک آزاد ماحول کی پسندیدہ ہوں۔“

سلطان نے پوچھا: ”اے تو بے رحم! میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔“

ارسلان خاتون نے جواب دیا: ”اور یہ کہ یہاں کی خاتونیں مجھے قبول نہیں کریں گی۔ تنگ و تنگ کے آئینے ہر طرف سے محسوس ہوتے رہتے ہیں اور اس سے میرا جسم ہی نہیں میری روح بھی ایک شکن سی محسوس کرتی رہتی ہے۔“

سلطان سوچ میں پڑ گیا: ”اے ایک پریشان کن بات ہے۔ واقعی اذیت ناک اور شکایت دو صورتوں میں۔“

ارسلان خاتون اپنی شکایات بیان کرتی رہی اور سلطان انہیں پوری توجہ سے سنتا رہا۔

آخر سلطان نے پوچھا: ”تو کیا چاہتی ہے؟“

ارسلان خاتون نے بھی سوال کیا: ”اب آپ ہی بتائیں کہ میں کیا کروں؟“

سلطان نے جواب دیا: ”کڑا کرتی رہاں مال میں یہ مشورہ دلاں گا۔“

ارسلان خاتون نے مایوسی سے کہا: ”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں اس جہنم میں یونہی گزارا کرتی رہوں۔“

سلطان نے اس سے پوچھا: ”اگر تو اجازت دے تو میں امیر المومنین سے تیرے بارے میں کئی بات کروں۔“

ارسلان خاتون نے جواب دیا: ”آپ بات کریں لیکن اس سے حاصل کچھ نہ ہوگا۔ کیوں کہ خلیفہ اپنی ہدایات سے کسی طور انحراف نہیں کرتا۔“

اس بار سلطان خاموش رہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا اس کا دل کہیں اور تھا اس کا دماغ بھی کہیں اور تھا۔

ارسلان خاتون اپنے ذہن کا اظہار کرتی رہی۔ خلیفہ کی ماں بھی مجھے قبول نہیں کر رہی۔ آخر میں کب تک وہاں اجنبی اور غیر رہوں گی؟“

سلطان نے آہستہ آہستہ کنا شروع کیا: ”اب میں بڑھا ہو چکا ہوں۔ کیا تو جانتی ہے کہ میں اپنی زندگی کے کتنے سال گزار چکا ہوں؟“

ارسلان خاتون نے جواب دیا: ”شاید شریک یا اس سے دو ایک سال کم۔“

سلطان نے اس سے اتفاق کیا: ”اس وقت میں ایک کم شریک کا ہوں۔ میں نے پوری زندگی مستقل اور مسلسل جنگ و جدال میں گزار دی ہے۔“

ارسلان خاتون نے عرض کیا: میں آپ کی بات نہیں سمجھ رہی۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں اس کا آپ کی کمن سال سے کیا تعلق ہے؟

سلطان نے جواب دیا: اس کا تعلق ہے۔ میں تجھ سے یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ تو وہاں سے میرے پاس چلی آئی یہ میری کس طرح سکتا ہوں۔ میں نے امیر المومنین کو اپنے تعاون اپنی مدد کا یقین دلایا ہے اور پھر میں ہی خلیفہ کے داخل سکون کو درم برہم کر دوں گا یہ نہیں کر سکتا۔

ارسلان خاتون نے پوچھا: یہ آپ مجھ کو کیا یاد دلانا چاہتے ہیں؟

سلطان نے جواب دیا: یہ کتاب میں امیر المومنین کو کوئی لذت نہیں دینا چاہتا۔

ارسلان خاتون نے پوچھا: تو کیا میں یوں ہی آپ سب کے درم درم پر زندہ رہوں گی؟

سلطان نے جواب دیا: نہیں۔ یہ صورت ملال ہمیشہ نہیں رہے گی۔

ارسلان خاتون نے کہا: لیکن جب تک یہ صورت حال ہے گی میں ہرجاؤں گی۔

سلطان نے اسے گھور کر دیکھا: میں تجھ کو اتنا کمزور نہیں سمجھتا کہ ہم لوگ تو سحر اؤں اور ہیا بانوں کے پروردہ میں باوجود ہم کی ناز برداریاں اٹھا سنے تو اتنی کمزور نہیں ہے پھر میں کس طرح مان لوں کہ تیرا ناتوازیوں کے ہاتھوں اپنی جان گنوا بیٹھے گی۔ ایسا نہیں ہو گا ایسا کبھی نہیں ہو گا۔

ارسلان خاتون یہ سمجھ رہی تھی کہ اس کا چچا مغزل اس کے لیے کچھ نہ کچھ کرے گا ضرور لیکن سلطان نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

ارسلان خاتون اٹھ کھڑی ہوئی: اب میں جا رہی ہوں۔ سلطان نے جواب دیا: تجھ کو عمل میں جانا تو ہے ہی لیکن جاننے سے پہلے میری ایک بات سنی جا۔

ارسلان خاتون خدا در سے کہنے لگی: وہ سلطان اب کی طرح سے دیکھ رہی تھی۔

سلطان نے اسے بتایا: در سے خبر آتی ہے کہ وہاں میری بیوی کی حالت ابھی نہیں ہے!

ارسلان خاتون نے پریشان ہو کر کہا: کون؟ میری ماں؟ وہ کیا بیمار ہیں؟

سلطان نے جواب دیا: وہ ٹھیک ہے۔ میں اپنی اس بیوی کی بات کر رہا ہوں جس سے کوئی درد نہیں اور بہت سخت زیادہ ہے۔

ارسلان خاتون نے کہنے لگی: ان باتوں کا احوال ان حالات سے کیا تعلق ہے؟

سلطان کہہ رہا تھا: میں وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔ میں تیری اہانت تیری سب سے سزا کا بدلہ لوں گا لیکن ابھی نہیں۔

ارسلان خاتون کو شبہ تھا کہ سلطان اس وقت اپنے ہمشیر کا میں نہیں ہے اس لیے وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس کا مونس غفلت سے کوئی تعلق نہ تھا سب سے تعلق غیر متعلق اور سب سے ربط باتیں تھیں۔

سلطان مغزل اپنی بھتیجی کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ اب میں اس لائق نہیں ہوں کہ اسی نورجوان باجوان لڑکی سے شادی کروں لیکن میں تیری خاطر یہ بھی کر رہا ہوں کہ یہ شادی ضرور کروں گا اور اس شادی سے تیری انا کو سکون ملے گا۔

ہم دونوں کو اس سے یک گونہ خوشی ہو گئی۔

اب ارسلان خاتون کو بالکل یقین ہو چکا تھا کہ اس کا چچا سلطان مغزل کسی وجہ سے اپنا دینی توازن بڑھاتا نہیں رکھ سکا۔

سلطان مغزل معلوم نہیں کن خیالوں میں تھا کہ ارسلان خاتون دل شکستہ اور دل گرفتہ وہاں سے چلی گئی اس کے چلے جانے کا علم سلطان کو کچھ دیر بعد ہوا۔ اس سے بڑی حیرت اور حیرت اس نے نظروں سے اوجھڑا دھر ارسلان خاتون کو تلاش کیا لیکن جب وہ کہیں نظر نہ آئی تو اس نے بڑ بڑاتے ہوئے کہا: تو چلی گئی؟

مجھے بتائے بغیر ہی چلی گئی۔ ارسلان خاتون تو میری بھتیجی ہے۔ میں تیرے کہہ کر تیری اذیت سے اچھی طرح واقف ہوں لیکن تو مت پریشان ہو کیوں کہ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ مجھ کو کیا کرنا چاہیے۔ میں یہی کروں گا جو مجھے ان حالات میں کرنا چاہیے اور جب میں یہ کروں گا تو نصیر خداقت کے درود اور ان باتیں سننے اور عباسی شرافت اور نجاست لسنہ بزرگام ہو جائیں گے۔

اب سلطان مغزل کو بیاسیری کی سرکوبی کی سب سے زیادہ فکر تھی کیوں کہ جب تک بیاسیری آزاد اور آزاد نہ تھا خط سے ہی خطرے تھے۔ وہ اپنی تھوڑی سی فوج کے ساتھ اب انصر اور خوارزمی کے قریب بیاسیری کی جستجو میں نکل کھڑا ہوا۔

بیاسیری کو بالکل پتا نہ تھا کہ اس کا اتنی سرگرمی سے ہوجا کیا جاسکتا تھا۔ اس نے شام جیسے جیسے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ عراق سے چینی دولت بھی لے جائے گا لے جائے گا۔

اس نے کوفہ میں داخل ہو کر ٹوٹ مار شروع کر دی تیریش بن بدوان اور دوسرے حلیف بھی بیان پہنچ گئے اور مل جل کر شروع کر دی۔ لیکن ابھی وہ ٹوٹ مار سے خفا ہو کر کوفہ سے نکلا ہی نہ تھا کہ خوارزمی اس کے سر پہ پہنچ گیا۔

بیاسیری کو بڑا ہی دکھ ہوا اس نے بھی مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ خوارزمی کے طرف بڑھا۔

بیاسیری کو بتا دیا گیا کہ اس کے مقابلے پر آئے گئے۔

سارے تختین گھوڑے سے کود کر بیا سیری پر چھک گیا اور
اس کا سرچشم سے اٹک کر دیا پھر سر کو سر سے میں پر دے اپنے
گھوڑے پر دوبارہ سوار ہو گیا اور سرخند کرتے ہوئے اعلان کیا
"میں نے بیا سیری کو مدد دیا۔ والد میں یعنی سارے تختین نے بیا سیری
کو قتل کر دیا ہے۔ کسی اور نے نہیں کیا۔ بیا سیری کا سر میرے
نیز سے کہانی میں پرویا ہوا ہے۔"

اس اعلان نے بیا سیری کو فوج کے حوصلے پرست کر دیے اور
وہ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

خوار تختین کو اس اعلان سے رگہ پہنچا اور وہ رشک کا
شکار ہو گیا۔

منصور بن بدیان دوسرے کئی سرداروں کے ساتھ بھاگتے
ہوئے بکرا گیا۔

خوار تختین نے بیا سیری کے سر کو بچا اور سارے تختین کے
قوت سے قتل کیا ہے؟

سارے تختین نے جواب دیا: ہاں اس کو میں نے ہلاک کیا
ہے۔ والد بیا سیری کو میں نے قتل کیا ہے۔

خوار تختین نے درخواست کی: اگر تجھ کو کوئی اعتراض نہ ہو
تو اس کامیابی کو مجھ سے منسوب کر دے۔

سارے تختین نے جواب دیا: نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔

اور وہ اس وقت بیا سیری کے سر کو لے کر اپنے
پاس پہنچا اور خوار تختین کو فوج سے چند فرسخ پیچھے پیچھے
چلا ہوا تھا۔

ابو نصر بیا سیری کے سر کو اپنے سامنے دیکھ کر بے حد
خوش ہوا۔ سارے تختین! تو نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔

اس کی جتنی بھی تعریف کروں کہہ رہا ہوں۔

سارے تختین نے خوار تختین کی شکایت کی: یہ کارنامہ میں نے
انجام دیا ہے اور خوار تختین کہتا ہے کہ میں پیچھے ہٹا ہوں۔

ابو نصر نے اس کو یقین دلایا: تو میرے پاس آگیا اور مجھ
کو سب کچھ بتا دیا، اب اس کامیابی کا مہر کسی اور کے سر نہیں

بند ہو سکتا۔

اور یہ سراسر اس وقت سلطان طفیل کے پاس ملا کر گیا۔

سلطان طفیل بھی قریب ہی موجود تھا۔ ابو نصر نے سارے تختین کی بہت
تعریفیں کیں اور سلطان سے کہا: یہ کارنامہ اس نے شہا انجام
دیا ہے۔ لیکن خوار تختین بھی اس کامیابی میں خود کو شریک کرنا

چاہتا ہے۔

سلطان خوار تختین کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اس نے رگہ رگہ سارے تختین
کو اس کا نائب ہے۔ اس کی شکایت نہ کر۔ یہ بشریت ہے۔

شکر کا سدا رخ خوار تختین سب سے ہی خوار تختین جو اس کی عقل و قوت و

موسیقی میں اس کے دوست کی حیثیت سے شریک ہوا تھا۔

بیا سیری نے خوار تختین کو پیغام بھیجا: جب تو طفیل میں
آیا تھا تو میرے تیری گستاخیاں بھی برداشت کر لی تھیں اور میں
نے تجھ کو ایک کنیز بھی مرحمت کی تھی۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ تو
مجھے یہاں سے نکل جانے دے؟

خوار تختین نے جواب میں کہلا دیا: اگر تجھ کو اس وقت یہ
مسوم ہو جاتا کہ میں سلطان طفیل کا آدمی ہوں تو تو مجھے ہرگز
معاف نہ کرتا اور میرے ساتھ وہ سلوک کرتا جو بندہ اس کے...

نہیں اور وہ سے کیا تھا۔ اس وقت ہم دونوں میدان جنگ میں ہیں
اور میں سے تو مردانہ داری جاسکتا ہے۔ میں سلطان سے غلامی

نہیں کر سکتا۔

خوار تختین کے سامنے سارے تختین نے کہا: بالوں میں عزت
برادر کری جنگ کا آغاز کر دیں تاکہ بیا سیری ہمیں بالوں میں

رگہ کے خود زار نہ ہو جائے۔

لیکن جنگ پہلے ہی شروع ہو چکی تھی۔ اس وقت بیا سیری
کے ساتھ قریش بن بدیان کا حقیقی بھائی منصور بن بدیان بھی تھا۔

اس نے بڑی شدت سے خوار تختین کی سپاہ پر حملہ کر دیا۔ سارے تختین
کی نظریں بیا سیری کو تلاش کر رہی تھیں۔ وہ ایک دنی بکھر نظر

آگیا۔ وہاں سے وہ اپنے سپاہیوں کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ تختین
نے اس کو اپنے تیر کا نشانہ بنایا۔ تیر بیا سیری کے داہنی طرف

شانے سے ذرا نیچے سینے میں پیوست ہو گیا۔ بیا سیری گر گیا۔

دوسرے ہی لمحے اس نے اٹھ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہونے
کی کوشش کی مگر بہت جلد جواب دے دی تھی۔

سارے تختین چند سپاہیوں کے ساتھ وہاں پہنچنے کی کوشش
کرنے لگا۔

بیا سیری نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا: مجھے میرے گھوڑے
پر چڑھا دو۔

منصور بن بدیان اس کے پاس آگیا اور سینے میں پیوست
ہو کر طرف شدہ کیا۔ یہ کب لگا اور اس حالت میں آپ گھوڑے

پر سوار ہو کر کہاں جائیں گے؟

بیا سیری نے اس کو بڑا بھلا کہا: میں جو کہتا ہوں وہ کر۔

اس تیر کی کیا بات کرتا ہے؟

پھر بیا سیری نے اس تیر کو کھینچ کر باہر نکال دیا اور اس
نیز کے پھل کے ساتھ پھینچ دے گا کچھ حقہ بھی باہر آگیا۔ بیا سیری
نمایاب بیخ ماری اور زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

سارے تختین اپنے سپاہیوں کے ساتھ مادہ کا شادیاں پہنچ
چکا تھا۔ منصور بن بدیان وہاں سے ہٹ گیا۔

... کہ برصغیر کی سب سے اس کا وہ دل سے اعتراف کرتا ہو گا۔

ابو نصر نے پوچھا: اگر وہ ایسا نہ کرے تو؟
سلطان نے کہا: اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اپنا نقصان کرے گا۔

ابو نصر نے جواب دیا: میں جو بات آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ کچھ اور ہے۔ آپ خلیفہ سے کیا رائے لیں گے؟ وہ آپ کو کیا دے گا؟ اس کے پاس جو کچھ ہے، آپ ہی کا دیا ہوا ہے اس لیے آپ انتظار کریں کہ خلافت ماب اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟

سلطان نے خلیفہ کی طرف سے دی جانے والی دعوت میں اپنے امراء کے ساتھ شرکت کی۔ انواع و اقسام کے کپڑوں میں وہ مزہ نہیں تھا جو سلطان طغرل کی پذیرائی اور عزت افزائی میں تھا۔ وہاں سب کی نظر پر سلطان طغرل کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ ہر آنکھ کسی بھی طرح سلطان طغرل ہی کو دیکھتا چاہتی تھی۔

خلیفہ نے اس تقریب میں اپنے لیے دراز اور دوسرے مناصب کے اہل افراد کا انتخاب کیا اور اس میں بھی سلطان طغرل کی مرضی اور رائے کا خاص خیال رکھا گیا۔

حدیثہ خانہ میں تہراب اشیری نامی ایک شخص نے خلیفہ کا بڑا خیال رکھا تھا۔ خلیفہ نے اسے امیر البحر کا منصب عطا کیا اور دریائے دجلہ کا انتظام اس کے سپرد کر دیا۔ کشتیوں کے فراہی اور اس سے متعلق جملہ امور اور تہراب کے سپرد کر دیے گئے۔ حاجب الحجاب کا لقب بھی مرحمت ہوا۔

ابو الفتح احمد کو اہواز سے بولس کے وزارت اس کے جانے کی گئی ابو الفتح اس سے پہلے ابو کا ایماہ کی طرف سے تہارت کیا کرتا تھا۔ ابو الفتح نے سلوک نہیں کیا سوچا کہ خلیفہ سے درخواست کی کہ میں صرف آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ نبھانے اس خدمت کے عوض تنخواہ یا مالگیر نہیں چاہتا بلکہ میں ہر سال جانے کے طور پر اپنا مؤمنین کو معقول رقم پیش کیا کروں گا۔ سلطان کو ابو الفتح کی باتوں پر ہنسی آرہی تھی کہ وہ کیسے بے سرو پا باتیں کر رہا ہے۔

آخر میں خلیفہ نے خلیفے میں سلطان طغرل سے پوچھا۔ میں تو محمد بن، مناصب عہدوں میں بانٹتا ہی رہوں گا اب تو مجھے بتا کہ تو مجھے کیا دے گا؟

ابو نصر نے سلطان کی جگہ کے لیے موجود تھا سلطان نے جواب دیا: دیکھا۔

ابو نصر نے عرض کیا: امیر المؤمنین سے کیا تم کو دے دوں

میں تیری بھی جی عزت کرتا ہوں۔
مذہبن نے سرِ طاہت خم کر دیا: اگر سلطان کا یہ حکم ہو کہ میں اپنی اس کامیابی کو خوار تھیں سے وابستہ کر دوں تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

سلطان نے جواب دیا: نہیں یہ بات نہیں تیری کامیابی تیری ہی رہے گی۔

اور سلطان نے یہ رسالتیں ہی کے ذریعے بغداد روانہ کر دیا اور اپنے خط میں خلیفہ کو مبارک باد دی کہ بالآخر سیاسی کائنات ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

خلیفہ نے ایک پشت میں اس سر کو رکھ کر اپنے امراء اور صحابہ کو اس کا دیدار کرایا۔

خلیفہ نے اس کے منہ کو خنجر کی نوک سے چیرا اور کہا۔ تو اس منہ سے گستاخیاں کیا کرتا تھا اور میں سے بڑے بول بولا کرتا تھا۔ میں جانتا تھا ایک نہ ایک دن تیرا ہی انجام ہو گا کہسں گئیں تیری بڑ بولیاں؟

اس کے بریدہ سر کو نیزے پر بند کر کے پورے بغداد میں گشت کرایا۔ اس سر کے آگے آگے اعلان کر دیا۔ طلاق کر دیا تھا۔ سیاسی جس نے بغداد اور اس کے فواح کو بے حد بدیشان کر رکھا تھا بالآخر قتل کر دیا گیا اس کا سر نیزے پر موجود ہے۔ کھول کر عزت پکڑو۔

پھر اس سر کو باب قوی پر نصب کر دیا گیا۔
سلطان اور ابو نصر بغداد واپس آئے۔ خلیفہ نے ان کی بڑی آڑ بھگت کی۔

بسیاسی کے ساتھی امراء کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔
خلیفہ نے سلطان کی دعوت کی اور دوسرے بہت سے معززین اور علماء دین کو اس دعوت میں جوالیا گیا۔

سلطان نے ابو نصر کو دربار سے بعض اہم معاملات میں مشورہ کیا۔ سلطان نے کہا: اسے ابو نصر امین نے خلیفہ اور خلافت کو خطرات سے پاک کر دیا۔ اسے پاس جو فتنہ ستہ میں اس کا سر یا اس کے معارف کہاں سے لڑیں گے اب اس کا کوئی مستقل اور پائیدار کام ہونا چاہیے میں اسے ٹوٹے ٹکڑے ٹکڑے سے تھوڑا میں دوں گا۔

ابو نصر نے پوچھا: اس سلسلے میں آپ کیا کراہت کریں گے؟
سلطان نے جواب دیا: میں بغداد اور اس کے فواح کو اپنے ساتھ مامک لوں گا۔

ابو نصر نے سلطان کو سختی سے منع کیا: آپ ہرگز نہ کہیں گے کہ موخر رہیں اور دیکھیں کہ وقت کیا فیصلہ کرنا ہے۔ سلطان نے کہا: وقت کی کر سٹ دن میں نے خدمت کر

روسنے سے پہلے آپ یہ ضرور معلوم کریں کہ امیر المومنین جو آپ سے پہلے کیا قرار دیا ہے پس آپ اس میں ایک معقول اضافہ فرما سکے مشاہیرہ مقرر فرما دیجیے گا۔

سلطان نے جواب دیا: میں امیر المومنین کے سوا کسی اور کو بعد میں دے سکوں گا۔

اب سلطان کو معلوم ہو چکا تھا کہ ابو نصر نے خلیفہ سے بات کرنے سے کیوں روکا تھا۔

دعوت سے فارغ ہوتے کے بعد سلطان دہلی نیاں نہیں بٹھرایا۔ اس نے خلیفہ کو بتایا کہ اب آپ کو کسی طرف سے کوئی خطرہ نہیں اس لیے میں رہے واپس چلا جاؤں گا۔ ہاں میری بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں وہاں سے آؤں یا نہ آؤں اور آکر سینا چلا جاؤں گا۔

خلیفہ اس سے احسان مندی کی حد تک خوش تھا۔ جواب دیا: میری طرف سے اجازت ہے اب تو جاسکتا ہے۔ سلطان نے کہا: ہاں ایک بات اور خلافت مکی کی بیوی اور میری بھتیجی ارسلان خاتون میرے ساتھ جاسے گی۔ خلیفہ کو اس پر اعتراض ہوا: وہ ساتھ کیوں جائے گی؟ سلطان نے جواب دیا: فی المال اس کیوں کامیرے پاس کوئی جواب نہیں۔

سلطان کے لیے سے اس کی ناخوشی ظاہر ہو رہی تھی اس لیے خلیفہ نے فوراً اجازت دے دی کہ اسے تو اپنے ساتھ لے جاسکتا ہے۔

سلطان نے خلیفہ کا شکریہ ادا کیا۔ خلیفہ نے کسی تدریقاتی سے سلطان کو خبردار کیا: ارسلان خاتون کے سلسلے میں پس ایک بات کا خیال رکھنا چاہئے۔ اب وہ میری بیوی ہے اور اگر وہ کسی طور میری یا میرے خاندان کی کوئی شکایت کرے تو اس پر کوئی توجہ نہ دی جائے۔ سلطان نے بھی خشک سا جواب دے دیا: یہ تو شکایت کی نوعیت پر منحصر ہے وہ میری بھتیجی بھی ہے بھانجی کی شکایت کو غور سے سن کر کوئی فیصلہ کروں گا۔

خلیفہ نے کہا: وہ ہمارے ماحول سے مطابقت نہیں پیدا کر سکی۔

سلطان نے جواب دیا: اس میں کچھ وقت لگے گا۔ خلیفہ نے یہ رخصتی سے کہا: اب تو جاسکتا ہے۔ ارسلان خاتون تیسرے پاس پہنچ جائے گی۔

سلطان ابو نصر کے ساتھ محل سے باہر آگیا۔ ابو نصر نے سلطان کو سمجھایا: آپ کو فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سلطان نے جواب دیا: میں صورِ مہمکت کی کسی بات

سے فکر مند نہیں ہوں بلکہ فکر مند اس بات پر ہوں کہ آج خلیفہ نے مجھ سے اس طرح بات کی کہ ہم دونوں ایک وقت آقا اور رعایا نظر آرہے تھے۔

ابو نصر نے کہا: آپ لوگ آقا بھی ہیں اور رعایا بھی۔ لیکن سلطان محترم! آپ کو ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا ہوگی: سلطان نے پوچھا: کون سی بات؟

ابو نصر نے جواب دیا: خلیفہ جیسے لوگوں کے معاملے بہت کمزور ہوتے ہیں اس لیے ان سے زیادہ امیرِ دولتہ شکیجیے گا۔

سلطان نے کہا: میں اس بات کا بطور خاص خیال رکھوں گا۔

سلطان ادھر سے مطمئن ہو کر واسطہ چلا گیا کیوں کہ واسطہ اور اس کے فلاح کا علائقہ سلطان نے اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔

سلطان نے واسطہ کا انتظام کیا اور ادھر سے مطمئن ہو کر بن اوراپس آگیا۔ بعد ازاں خلیفہ اس کا انتظام کر رہا تھا۔ دشمنِ اناراج میں جو عمل کا ایک خاص حصہ تھا، دونوں کی ملکات ہولہ خلیفہ نے نہایت خوشگوار لمحے میں بتایا: میں تیرا انتظار کر رہا تھا۔ تو کہاں چلا گیا تھا؟

سلطان نے جواب دیا: میں یہاں سے نکل کر آ رہا تھا اور آسینیا کا رخ کر رہا تھا اور وہاں میں کب تک رہوں گا کچھ پتا نہیں اس لیے میں واسطہ اور اس سے ملحقہ علاقوں کا نظرداشی درست کر رہا تھا۔

خلیفہ نے اسے فدا میں دیں: اللہ تجھ کو ہمیشہ کامیاب کامران رکھے۔ اب تو ارسلان خاتون کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔

سلطان نے خلیفہ کا شکریہ ادا کیا۔

کچھ دیر بعد ارسلان خاتون بنی سنوری سلطان کے سامنے لائی گئی۔ خلیفہ نے ارسلان خاتون کو سمجھایا: ارسلان خاتون! میری ایک بات توجہ سے سنیے۔

ارسلان خاتون خلیفہ کی صورت دیکھنے لگی۔

خلیفہ نے سلطان کی طرف اشارہ کیا: یہ سلطان طفیل

تیرا بچا بھی ہے اور تیرا سرپرست بھی۔ اس طرح کہ تیری امانت

تیری پیدائش کے بعد اس سے شادی کر لی۔ یہ جو کچھ بھی ہے

اپنی صلاحیت اور قابلیت سے ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے

کہ میں تیرا شوہر اور عالم اسلام کا خلیفہ المسدین ہوں میں ایک

بڑا آدمی ہوں تیسرے چچا سلطان طفیل سے بہت بڑا میں نے

ہی تیسرے چچا سلطان طفیل کو مشرق اور مغرب کا بادشاہ بنا

دیلا اب تجھ کو میرے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تو میری بامیر سے انرا
کئی شکایت سلطان مغزل سے نہ کرے۔ کیوں کہ اس سے
تجھ کو امتحان تو پہنچ سکتا ہے۔ تاہم بالکل نہیں۔

اس سلطان ثنائی نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے چچا
سے کہنے لگا: آئیے یہ پرچیں۔

خلیفہ نے درشت لہجہ اختیار کیا: تو نے مجھے کوئی جواب
نہیں دیا۔

اس سلطان خاتون خلیفہ کو کوئی جواب دینا بھی نہیں چاہتی
تھی اس نے دوبارہ سلطان مغزل سے کہا: آئیے پھر چلیں۔
اب کس کا امتحان ہے؟

سلطان مغزل نے محسوس کر لیا تھا کہ اس بار خلیفہ سلطان
خاتون کو ڈانٹ دے گا اس لیے اس سلطان خاتون کی طرف سے
اس نے جواب دیا: یہ آپ سے شرمناک ہے اس کی طرف
سے میں جواب دے رہا ہوں آپ نے جو کچھ کہا ہے اس کا پورا
پورا جواب دیا جائے گا۔ اور اس کا بھرپور جواب میں دوں گا۔
آج شہینہ پندرہ ماہ بعد۔

خلیفہ نے پوچھا: کیا جواب؟ اور چند ماہ بعد کیوں؟

سلطان مغزل نے کہا: میں اپنا تہ بڑھاتا جا رہا ہوں۔
انتہا بڑا کہ آپ کا ہم سر جو جاؤں ور یہ بھی ہانتا ہوں کہ مجھے ایسا
کر سکتے ہیں دیا جائے گا مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میں ایک بار
جواز دہ کر لیتا ہوں اس کو پورا کر کے رہتا ہوں۔

سلطان مغزل اس سلطان کو سے ملے گی۔ وہ اس کی بیوی
کی مانت بہت خراب جو رہی تھی شاید وہ اپنے شوہر کا نظارہ
کر رہی تھی۔ اس نے سلطان کو بھی بھرے کے دیکھا اور دنیا سے
ہمیشہ کے لیے تہ موڑ لیا۔

اسے کاٹن کچھ دنوں کے لیے غم گدہ بن گیا سلطان نے
آنسو تو بہا لیے مگر بن کر کے نہیں روایا۔

اس سلطان خاتون کو اب بھی یہی شبہ تھا کہ اسس کا چچا
میں سے منافق نہیں۔

سلطان نے چند دنوں کے لیے خود کو ایک کمرے میں قید کر
لیا وہ کسی سے بھی نہیں مل رہا تھا۔ شہزادہ سلیمان کی ماں جواب
سلطان مغزل کی مدد درجہ پہنچی بیوی تھی۔ وہ دوازہ سے پر بار
دشک دیتی رہی۔ وہ وہ باہر سے ہی پوچھتی کہ یہ اند کیا کر رہے
ہو۔ ہر گھنٹہ۔

شہنشاہ کی شہزادہ صف کو ششوں کے بعد سلطان مغزل
نے کمرے کا دروازہ کھول دیا اس نے سلیمان کی ماں کو غصہ
نظروں سے دیکھا۔

سلیمان اپنی ماں کے ساتھ دروازے پر کھڑا تھا سلطان

نے پوچھا: تم دنوں کو میرے اس غم کا احساس نہیں؟

سلیمان کی ماں نے اس کو تسلی دی اور کہا: میں نے آپ
کو اتنا غمزدہ کبھی نہیں دیکھا۔ کیا یہ سوگ محرف اس موت کہ ہے
یا پھر؟

سلطان مغزل نے جواب نہیں دیا اور سلطان خاتون کو
پوچھا: وہ کہاں سب سے میرے پاس رہے۔

سلیمان کی ماں نے اپنے بیٹے سلیمان کی طرف اشارہ
کیا: یہ جو پورا دوسرا سلطان خاتون کی مجھے کوئی فکر نہیں کیوں
کہ وہ خلیفہ کی بیوی تھی۔ سلیمان کی فکر ہے جو فی الحال کچھ ہی نہیں۔
سلطان نے سلیمان کو اپنے قریب بلایا: یہ میرا بیٹا ہے
اس لیے تو اس کی فکر کیوں کر رہی ہے؟

پھر اس نے سلیمان کو پسند پاس بلایا اور اس کے سر پر
شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگا۔

شہزادہ کی ماں نے شکایت کی: میں نے سنا ہے
آپ اب اس سلطان پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ وہ اس کو اپنا بیٹا نہیں
سمجھتے ہیں؟

سلطان پریشان تھا اور اس وقت کہ موزنوع پر کوئی بات
نہیں کرنا چاہتا تھا۔

شہزادہ کی ماں نے اس خاموشی کا کچھ اور ہی مطلب
لیا: تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے کچھ کہا وہ درست تھا۔
سلطان نے جواب دیا: یہ درست نہیں ہے۔ میں
اپنا دل کو بہت پسند کرتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ
میں سے اسے اپنا بیٹا نہیں مانو کر دیا ہے۔

سلطان نے اپنی بات کی: ان دنوں سے مجھے بالکل
نظر انداز کر دیا تھا۔

سلطان نے جواب دیا: وہ تینوں بھائی اپنی فوج کے
ساتھ رہاں موجود تھے اور اب اسیم اینال کے ساتھ جنگ میں غول
نے ہجر پوجہ دیا اور اب اسیم کو شکست دی۔ کیا میں ان کی ان
خدمت کو نظر انداز کر دوں؟

شہزادہ کی ماں نے کہا: میرا بیٹا استقبال کا سلطان ہے
اس کو حکومت کر رہا ہے۔ یہ دوسرے بھائیوں کو اس کی
نابرداری کتنا چنگی تھی کہ اپنی فوج کے ساتھ اس طرح ہی
پانچ دھڑ بڑھتا ہو گا۔

اب اس سلطان خاتون بھی اب کی تھی سلطان اسس کو دیکھتے
ہی کھڑا ہو گیا۔

شہزادہ کی ماں نے سلطان کو شہزادہ دیا: میں نے
یہ بھی سنا ہے کہ سلطان کا تعلق خواجہ حسن اس کو بہت شہ
کے خلاف اور فلان رہتا ہے۔ آپ کسی بھی طرح خواجہ حسن کو

اب سلطان نے اس کی مال کے پاسے میں پوچھا۔
 "اندوٹنے اپنی مال کی باتیں بھی سن لیں؟"

اس نے جواب دیا: "ہاں، باتیں بھی سن لیں۔"
 سلطان نے پیشانی کو سہلاتے ہوئے کہا: "ان دونوں
 کی باتوں نے میرے سر میں درد پیدا کر دیا۔ میرا سر گھوم رہا ہے
 اور میرا دل ڈوب رہا ہے۔"

ارسلان خان نے کہا: "آپ دن سب کی پرمانہ کریں
 اور آپ کو جو کچھ کرنا ہے کہتے رہیں۔"

سلطان نے آہستہ سے کہا: "وہ تو میں کدوں گا ہی۔
 میں خلیفہ سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لوں گا۔ میں خلیقا، اس کی
 اولاد سے تیری سب سے خیر تہوں کا بدلہ لوں گا۔"

ارسلان خان حیران ہو رہی تھی، پوچھا: "وہ کس طرح؟"
 کیا آپ خلیفہ کو خلافت سے دستبردار کر دیں گے؟"

سلطان نے جواب دیا: "نہیں، میں یہ نہیں کروں گا۔"
 ارسلان خان کو چہرہ پر وہی شبہ ہوا کہ سلطان کو واقعی توانا
 شاید دست نہیں۔

ساتھ ساتھ پوچھا: خلیفہ کی بیٹی تیدہ کا کیا عمر ہوگی؟"
 ارسلان خان نے جواب دیا: "وہ میری ہم عمر ہے۔"
 سلطان نے دوسرا سوال کیا: اس کی صورت کھل کیسی ہے؟"
 ارسلان خان حیران تھی کہ سلطان اس سے کس قسم کی
 باتیں کر رہا ہے؟ جواب دیا: "وہ بہت حسین ہے، بہت خوبصورت۔"
 سلطان نے تیسرا سوال کیا: خلیفہ تیدہ سے کتنی محبت
 کرتا ہوگا؟"

ارسلان خان نے جواب دیا: "بہت زیادہ، شاید وہ سب
 سے زیادہ تیدہ ہی کو چاہتا ہے۔"

سلطان کچھ دیر خاموش رہے سوچا رہا۔ اس کے بعد سلطان
 خان کو حکم دیا: "اب تو مامکتی ہے۔"

ارسلان خان کو ہنسی ہلکی چلی گئی۔
 سلطان اپنے کمرے سے نکل کر دیوانہ رملت پہنچ گیا۔

کاملہ سلطان کو غیر متوقع اس پیشہ دیوان میں دیکھ کر ٹھہرا گیا۔ سب
 ادیب سے قطار میں کھڑے ہو گئے۔

سلطان کچھ دیر وہاں کھڑا کچھ سوچا رہا اس کے بعد پوچھا۔
 "ماہر بن کر کدوں سے؟"

جواب دیا گیا: "کچھ دیر پہلے یہیں تھا لیکن اب شاید
 دیوان چلا گیا ہو۔"

کسی نے پوچھا: "ماہر بن کر دیوان چلا گیا یا اسے؟"
 سلطان نے جواب دیا: "نہیں، اس سے دوسری میل
 چلی گئی۔"

اب سلطان سے جدا کرادیں۔
 سلطان نے محذرت کر لی: "افسوس کہ میں ایسا نہیں
 کر سکتا۔"

وہ ناراض ہو گئی: "آپ سلطان ہیں اور اتنا معمولی کام
 بھی نہیں کر سکتے؟"

سلطان نے جواب دیا: "ہاں میں یہ کام نہیں کر سکتا۔"
 وہ غصہ کرتی رہی۔ تب پھر آپ آج ہی یہ اعلان کر دیں
 کہ شہزادہ سلیمان آپ کا ولی عہد ہے۔"

سلطان نے اس سے بھی بھونڈی ظاہر کی: "شہزادہ
 بدست میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔"

اس نے لمبے چالوں سے آخر کیوں؟ اس کی تیریاں چڑھ
 گئیں اور پیشانی پر شکنیں چڑھ گئیں: "آپ یہ کیوں نہیں کر سکتے؟"

سلطان نے جواب دیا: "اگر میں ایسا کروں گا تو اس سے
 سلیمان کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ اس کے خلاف
 سازشیں ہونے لگیں گے۔"

اس نے پوچھا: کیوں؟ سازشیں کیوں ہونے لگیں؟"
 سلطان نے جواب دیا: "وہ سب طاقتور ہیں، اس
 حالت سے سلیمان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

اس کی سوجھ میں کچھ کھنکھاتا تھا اس نے کہا: "مگر بدست
 ہے تو میں خاموش ہو جاؤں گی مگر میں یہ ضرور چاہتی ہوں کہ سلیمان
 کو سلطان کی حیثیت سے نامزد کرنا آج ہی کر دیا جائے لیکن اس کا
 اعلان بعد میں کر دیا جائے۔"

سلطان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: "ہاں، ایسا ممکن ہے؟"
 ایسا ہو سکتا ہے۔"

اس نے کہا: "تب پھر آپ وزیر علیہ الملک ابولنقر کو بلا
 کرے کام آج ہی کرادیں۔"

سلطان اس کے لیے تیار نہیں تھا لیکن شہزادے کی
 مال کے اصرار اور دباؤ نے اس کو مجبور کر دیا۔ سلطان نے کہا:
 "میں نے میں چند باتیں مارسلان خان سے کر لیں اس کے بعد سے
 کام کر لیا گا۔"

اس نے پوچھا: "میں یہاں موجود رہوں یا چلی جاؤں؟"
 سلطان نے جواب دیا: "تم دونوں جہاز میں اس سے
 تحلیف میں بات کریں گا۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ سلطان نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھی
 کچھ دیر بعد سلطان نے اس سے پوچھا: "ارسلان خان کو نے
 خلیفہ کی باتیں سنی تھیں؟"

اس نے جواب دیا: "ہاں اس نے وہ تکلیف دہ باتیں
 خلیفہ وہ دل سے سن لی تھیں۔"

لال کا شکار ہو گیا۔

قاضی ابوسعبد نے عرض کیا: سلطان مجترم انسان کی زندگی و موت کا اختیار اللہ کر سہے اور یہ بھی ایک مسلمہ ہے کہ ہر بھی دہان سے آیا سہئے اسے واپس بھی ہونا ہے۔

سلطان نے کہا: تو بقید ارچلا ہوا امیر المومنین کے پاس اور نہایت ادب اور سلیقے سے خلافت مآب کی خدمت میں میری طرف سے اس کی بیٹی سیدہ کے لیے میرا رشتہ سے بیٹی سیدہ کو میرے لیے مانگ لے۔

قاضی ابوسعبد کو اپنے قانون پر یقین نہیں آ رہا تھا اس لئے استدعا سے پوچھا بھی!

سلطان نے کہا: ہاں میں سیدہ کو کچھ کسار و بی سہنے کو تو نے سنا ہے اس کی بیٹی سیدہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں یعنی میں غلطی نہ سلطان غلط میں خود کو خلافت مآب کی خدمت میں لے دینا چاہتا ہوں۔

قاضی ابوسعبد نے سلطان کے سر کے بالوں کی طرف دیکھا تو بالکل سفید ہو چکے تھے۔

سلطان نے پوچھا: ادھر میرے بالوں کی طرف کیا دیکھ رہا ہے جو تم نے کہا ہے کہ وہ اس اور اس پر عمل کرے۔

قاضی ابوسعبد کو اپنی جان کا خوف تھا: اور وہ جب میں امیر المومنین سے یہ بات کہہ کر گیا اس وقت امیر المومنین کے پاس کوئی سیاف و جلاں نہیں ہو گا۔

سلطان نے جواب دیا: اس سے کیا فرق پڑتا ہے جلد تو رہاں بھی موجود ہے۔

قاضی ابوسعبد کا سپہ سالار طرف ملا وہی جلاں نظر آنے لگے اس کے جسم میں منشاہٹ سی لگنے لگی۔

سلطان نے کہا: تو میں تم کو اتنا کمزور نہیں سمجھتا تھا! قاضی نے جواب دیا: اللہ میں اتنا کمزور ہوں بھی نہیں میں آپ کا یہ حکم ضرور بجالاؤں گا۔ میں امیر المومنین سے سزا بھی نواز رہا ہوں۔

لیکن وہ زبان سے جو کہہ رہا تھا اس کی زبان اور اس کا لہجہ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

سلطان یہاں سے نکل کر دیوان قضاۃ کی طرف چلے دیا سلطان کے دریاں پہنچنے سے پہلے ہی اس کی خبر واپس پہنچ چکی تھی۔ جب سلطان واپس آیا تو دیوان قضاۃ کا عند اس کے استقبال کے لیے باہر ہی کھڑا ہوا دار قاضی ابوسعبد سب سے آگے تھا اور ابونصر اس کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔ سلطان ان سب کے ساتھ دیوان قضاۃ کی عمارت میں داخل ہوا۔

وہ سب پریشان ہو رہے تھے کہ آج کوئی خاص بات ضرور ہے۔

سلطان ابونصر کو لے کر ایک گوشے میں چلا گیا اور اس کو شہزادہ سیماں کی ماں کا قصہ سنایا: وہ سبے وقوف عورت تھیں ہے کہ میں سیماں کو کبھی ہی اپنا جانشین نامزد کر دوں لیکن تو خود سوچ کہ میں یہ کام اتنی جلدی کس طرح انجام دے سکتا ہوں! ابونصر نے جواب دیا: آپ فکر نہ کریں میں ان دونوں کو سنبھال لیں گا۔

سلطان نے کہا: اندازاً اس کا خیال رہے کہ میں اس عورت کو بہت چاہتا ہوں اس کی دل شکنی نہ ہو کسی بات سے۔ اس کو تو یہ قسم دے سکتا ہے کہ یہ کام کسی اور دن ہو جائے گا۔ آج پر اصرار نہ کر سہے۔

ابونصر نے پھر وہی بات کہ: آپ فکر نہ ہوں میں ان دونوں کو راضی کر لوں گا۔

سلطان نے کہا: دیکھ بات بگڑ نہ جائے۔ ابونصر نے وعدہ کیا: میں کتا ہوں کہ بات نہیں بگڑے گی۔

سلطان نے کہا: اچھا اب تو ان دونوں کے پاس جا سکتا ہے۔

ابونصر سی وقت ان دونوں کے پاس چلا گیا۔ ابونصر کے چلے جانے کے بعد سلطان قاضی ابوسعبد سے مخاطب ہوا: قاضی ابوسعبد! آج میں تیرے سپرد اپنا ایک اہم کام کر رہا ہوں۔

قاضی ابوسعبد نے یہ نہ سر جھکا کر کھڑا ہو گیا: آپ مجھے حکم دیں میں اپنی پوری صلاحیتوں سے اسے انجام دے گا۔ سلطان نے جواب دیا: میں بندہ اسے بیان آیا تو خزانہ

ہنر ایک مہولی سپاہی تھا اور راسخو تیں ایک مہولی پادری۔ ہنر جرمنی کا بل شریک فیہ سے مل گیا اور راسخو تیں نے روس کو اپنی سسٹی میں بکڑ لیا سو جیسے کس طرح۔ یہ لوگ فطری جادو کرتے تھے۔ ہر انسان کے جسم میں پوشیدہ قوتوں کا خزانہ ہے۔ اگر انھیں جگہ دیا جائے تو انسانی زندگی خدب استکسا ہے۔ پوشیدہ طاقتوں کو جاننے کے لیے ہزاروں تجربوں کے بعد تین کتابیں: ہیناٹزم کیا ہے، ہیناٹزم کے علمی طریقے، ہیناٹزم سے علاج، عالم وجود میں تین ان کتابوں میں درج طریقوں پر عمل کر کے ہر شخص اپنے جسم میں سوئی ہوئی قوتوں کو نکال سکتا ہے۔ (ڈاکٹر شوٹیک)

قاضی ابوسعید اپنے آپ کو ایک ایسی جگہ
کھڑا ہوا جسوں کو درگاہ
میں کے آگے تو ایک خطرناک خندق تھی اور پیچھے چاہے طاقت
سلطان سے انکار نہیں کر سکتا تھا اور خلیفہ سے اس تک خروج
بات نہیں کر سکتا تھا۔ سلطان اس کے تذبذب کو سمجھ چکا تھا
اس نے قاضی ابوسعید کو حوسد دیا تو اسے کام کو سے گا اور نہایت
درستی اور داناائی سے کو سے گا۔ تیسرے اس کام کی کامیابی
پہلے مستقبل کا انحصار ہے۔

قاضی ابوسعید نے پوچھا: "میں بندہ ادکب جاؤں؟"
سلطان نے جواب دیا: "جلد از جلد، جگہ کل ہی۔ اور تو اس
مقام کو تنہا انجام نہیں دے گا میرا وزیر ابونصر کنڈی تیری مدد
رے گا جگر میرا خیال تو یہ ہے کہ جس بات کی ابتدا تو کو سے
اس کا انصرام ابونصر کنڈی کے ہاتھوں ہوگا۔"

اب قاضی ابوسعید میں اتنی ہمت آگئی تھی کہ وہ خلیفہ سے
اس کی بیٹی سیدہ کو سلطان غزل کے لیے مانگ لے۔ اپنی مدد کے
لیے قاضی نے چند بہادروں اور عاتقوں کا انتخاب کیا۔ بلوٹوں
نے ابراہیم اینال کے دو بیٹے بھی تھے کیوں کہ ابوسعید کا خیال
آقا کہ ابراہیم اینال کے دونوں بیٹے اپنے عم سلطان غزل
کے مزارع میں اثر و رسوخ پیدا کر لے کے یہ اپنی جانیں ملک
سے لے سکتے تھے۔ یہ کام اتنا بڑا اور اہم تھا کہ بصورتِ ناکامی ان
وقتوں میں کیا جاسکتا تھا اور بصورتِ کامیابی وہ دوبارہ اپنے باپ
بیمہ مقام حاصل کر سکتے تھے۔

سلطان کا خیال تھا کہ قاضی ابوسعید اپنے ساتھ خوارزمین
دسے جلسے کیوں کہ خوارزمین بہادر بھی تھا اور عقل مند بھی لیکن
جب اسے یہ بتایا گیا کہ ابراہیم اینال کے دونوں بیٹے قاضی ابوسعید
سے ملے ساتھ جانا چاہتے ہیں تو اس نے اسے اجازت دے دی۔ قاضی
خس اپنے ساتھ لے کر ہندوستان گیا۔

اس کے بعد سلطان نے ابونصر کو بلوایا اور اس کو بتایا کہ
قاضی ابوسعید ہندو کیوں بھیجا گیا ہے۔
ابونصر کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ اچانک سلطان کو شاہی کا
ایال کیوں آگیا؟ اور شاہی بھی کس سے؟ خلیفہ کی بیٹی سیدہ سے!
اس نے لکھ کر کیا آپ نے یہ نازک کام میرے ذمے
کیا ہوتا؟

سلطان نے جواب دیا: "یہ کام بالآخر تو ہی انجام دے
گا۔ ابوسعید تو میرا ہر اول دست ہے اس قسم کی تسخیر بالآخر سمجھ سے
ہوگی۔"

ابونصر نے پوچھا: "جناب دلالا! کیا میں یہ معلوم کر سکتا ہوں

کہ ابوسعید کے ساتھ کون کون گیا ہے؟"

سلطان نے جواب دیا: "بھائی ابراہیم اینال کے دونوں
بیٹے، اسماعیل اور اسمجدان، ابونصر میرا بھائی تھا، دونوں میرے
بھتیجے ہیں اور ان کا بھید پر حق تو ہے حالانکہ قاضی اگر مجھ سے
مشورہ میں تو میں خوارزمین کا مشورہ دیتا۔"

ابونصر کی بھی ابراہیم اینال کے بیٹوں سے ہمدردی تھی۔
اس نے بھی انہی دونوں کی تائید کی کہ وہ دونوں اب آپ کی آخری
توجہ کے مستحق ہیں۔ وہ آپ کے لیے اپنی جانیں قربان کر سکتے ہیں۔
سلطان نے کہا: "حالانکہ میں ان دونوں کی جگہ خوارزمین
کو ساتھ بھیجا جاسکتا تھا، لیکن قاضی ابوسعید نے میری رائے کو
مناسب نہ سمجھا۔"

ابونصر نے بھی خوارزمین کی مخالفت کی۔ امیر المومنین کے
پاس خوارزمین کا نہ بھیجنا مناسب سہرا کیوں کہ خوارزمین نہیں جانتا
کہ امیر المومنین سے بات کس طرح کی جانی چاہیے۔

سلطان نے کہا: "میں دو چار دن میں آذر بائیجان چلا
جاؤں گا پھر وہاں سے آرمینیا جاسے گا ارادہ ہے، اس
دوران میری مدد ہوگی؟ میں تمہارے اختیار حاصل ہوگا کہ جس
طرح چاہے میرے رب سے خلیفہ سے بات طے کر لے۔"
سلطان نے ہدایت دے کر محل میں چلا گیا، وہاں سلیمان کی
مال کو یہ بتا دیا کہ اب میں خلیفہ کی بیٹی سیدہ سے شادی کرنا
چاہتا ہوں۔

شہزادہ سلیمان کی داس نے سیرت سے سیدہ کی عمر پوچھی۔
"اس کی عمر کیا ہوگی؟"

سلطان نے جواب دیا: "تیری بیٹی ارسلان خاتون جتنی"
شہزادے کی مال کو قاضی آگئی: "کیا آپ مجھ سے مذاق کر
رہے ہیں؟"

سلطان نے اپنی بیوی کی برقرار رکھی۔ عورت ہیں سلطان
ہوں کوئی مسخرہ نہیں۔ اس عمر میں قاضی مذاق کر دے گا؟
شہزادے کی مال بھی سیدہ ہو گئی۔ اس کی اسکالپٹ کا نور
ہو گئی۔ طنز یہ کہ جس میں کہا: "ہاں یہ تو میں بھول ہی گئی تھی کہ آپ
مشرق اور مغرب کے بادشاہ ہیں، میرے شوہر اور مشرق اور مغرب
کے بادشاہ اور بادشاہ مسخرے نہیں ہوتے۔"

سلطان کے دل و دماغ اس طنز کی چوٹ سے زخمی ہو
گئے۔ اس نے حکم دیا: "اپنی بیٹی ارسلان خاتون کو بلا، وہ اس خبر
سے بہت خوش ہوگی۔"

دو دن قاضی ابوسعید خوارزمین اور سلطان خاتون کی تلاش
میں مچ گئی اور ہندوستان اس کے ساتھ ہی واپس آگئی۔

سلطان نے اسے خوش خبری سنائی کہ ارسلان خاتون! انبخلیقہ کی تیری ہم عمر بیٹی سستیدہ عنقریب میری دہلیز بن جائے گی۔ قاضی ابوسعید بغدادی سہنے وہ بات پکی کر کے بیتا بندھا پس آہلستے گا اور تو اپنی آنکھوں سے اسے منتظر دیکھ سنے گی کہ تیری اہانت کو سننے والا خود کتنا سبک سارہ ہوا ہے۔

ارسلان خاتون قوری طور پر کسی خوشی یا غم کا اظہار نہ کر سکی کیوں کہ اس نے جو کچھ سنا تھا اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ سلطان اسے یقین دلانا چاہتا تھا قاضی ابوسعید اپس آجائے پھر ابونصر کے ساتھ بغداد جائے گی یہ کام تیرے ہاتھوں انجام پائے گا کیوں کہ اس کی اصل نیت اور حقیقی خوشی کا احساس تجھ سے زیادہ کوئی بھی نہ کر سکے گا۔

سلطان بات تشنہ چھوڑ کر دال سے چلا گیا۔ ارسلان خاتون اب اس کی ماں ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

ارسلان خاتون سننا اپنی ماں سے پوچھا: ماں! یہ کیا ہو رہا ہے؟ سلطان کو کچھ ہوا نہیں گیا؟

ماں نے یہی سوال بیٹی سے کر دیا۔ میں سلطان کو تجھ سے زیادہ تو نہیں مانتی۔ جب تو بغداد میں تھی تو وہاں بھی سلطان نے اس قسم کی باتیں کہیں کبھی؟

ارسلان خاتون نے ذہن پر زور دیتے ہوئے جواب دیا: ہاں وہاں بھی کئی بار ایسی باتیں ہو چکی ہیں۔

ماں کو سلطان پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ جو کام کو سننے کا ہے وہ تو کرتا نہیں۔ تو جو ہن لڑکی سے شادی کرے گا وہ سیدھا ہی دنیا دہی کا اعلان نہیں کرتا۔

ارسلان خاتون نے ماں کو منع کیا: ماں! اس قسم کی باتیں نہ کریں کیوں کہ سلطان کے دماغی توازن کا کوئی اعتبار نہیں سلطان کو آپ اپنا شوہر نہ سمجھیں کیوں کہ میں انھیں اپنے ہم سے زیادہ سلطان سمجھتی ہوں۔ آپ بھی انھیں سلطان ہی سمجھیں۔ مشرق اور مغرب کا سلطان۔

سلطان نے بھی وقتی طور پر حلاوت سے سمجھوتا کر لیا مٹھیک ہونے میں خاموش ہو جاؤں گی لیکن میرا بیٹا سیدھا سلطان کے بعد بادشاہ ہو گا۔ یہ کام اور یہ اعلان میں کر کے ہی دم لوں گی۔ بالی تو کچھ ہنسی خوشی جمیل ہوں گی۔

محل کے ہر فرد کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ سلطان خلیفہ کے بیٹی سستیدہ سے شادی کر رہا ہے لیکن سبھی دم بخود اور غم زدہ تھیں کیوں کہ یہ نکتہ مزاحیہ لی سمجھ میں آ چکا تھا کہ سلطان کا محل کے باہر کسی سے کوئی رشتہ نہیں تھا۔ صرف سلطان ہے

اس لیے جو چاہے کہے اور کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچا کہ ارسلان کے کسی ذاتی یا غیر ذاتی معاملے میں دخل نہ دے۔ سلطان کا ہر قدم درست اور اس کا ہر فیصلہ حق بجانب ہے۔

شہزادہ سلیمان اپنی ماں اور بہن ارسلان خاتون کے ساتھ بیٹھے لگاتار یہ میں کیا کرتا ہوں؟

ماں نے اس کے کند پر ہاتھ رکھ دیا۔ خبردار جو سکریا یا طفل تیرا ہم لا میرا شوہر نہیں۔ وہ بادشاہ سبب ہو چکا ہے کہ سبب۔ ارسلان خاتون نے بھی بھائی کو نصیحت کی: اگر تو بادشاہ بننا چاہتا ہے تو اپنے غم کی آگ میں اگلا تارہ، قسمت اور اقبال تیرے غم پر حد درجہ مہربان ہیں۔

سلطان آندہ بائیاں چلا گیا تو شہزادہ سلیمان کی ماں نے محل میں ابونصر کنڈری کو طلب کیا اس کو محل کے اندر بڑی تیزی سے لایا گیا۔

محل کے اہل کمرے میں پرندوں والے کپڑے دیواروں کو ڈھانپے ہوئے تھے اور شیریں والے قالین فرش پر بچے ہوئے تحفے تک خواتین جو صحرائے اٹھ کر محلوں میں آگئی تھیں ان کو مناظر فطرت اور پرندوں، چمنوں اور درختوں سے بڑی دلچسپی تھی۔ ابونصر بیاں چلا تو آیا تھا لیکن اس بار وہ کچھ پیشہ بھی تھا۔ وہ سلطان کی عدم موجودگی میں شہزادہ سلیمان کی ماں سے کسی قسم کی باتیں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کو محل میں کیوں طلب کیا گیا تھا اور بیاں اس سے کسی قسم کی باتیں کی جائیں والی تھیں۔

بیاں شہزادہ سلیمان بھی موجود تھا۔ اس سے محل میں اپنے سامنے ابونصر کو جو دیکھا تو بیٹھے ہوئے کہا: سلطان کی بڑی عزت کرنا ہے کیا آپ ان کو منع نہیں کر سکتے کہ وہ یہ غیر انسانی کام نہ کریں؟

ابونصر نے شہزادے کو منع کر دیا۔ میں بیاں آپ کا نہیں تیلہ ہوں گا۔ ہوں برونڈ کو بیاں بلائیں تاکہ وہ مجھے بتائیں کہ میں بیاں کیوں جوایا گیا ہوں؟

شہزادے نے جواب دیا: آپ صحت کر لیں۔ میں سمجھاؤں گا ایسا نہ کریں۔

لیکن اس وقت شہزادے کی ماں بھی وہاں پہنچ گئیں اور سلیمان کو سمجھانے لگیں۔ تو بے سبب خاموش رہا کچھ لوگ غصہ مند تھے۔ ان کو قہر سے منسوب کر کے کچھ جس اذیت میں مبتلا کر چلائے ہیں تو اس کے تصور بھی نہیں کر سکتا۔

پھر وہیں سے شہزادہ سلیمان کو ہٹا دیا گیا۔ اس کے جاتے ہی شہزادے کی ماں نے پوچھا: تجھ کو اس شادی کے بارے

میں کیا کچھ معلوم ہے؟

ابو نصر نے جواب دیا: مجھ کو سب کچھ معلوم ہے اور میرے کام شاید میرے ہی ہاتھوں انجام پائے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اندر جا کر دوبارہ آگئی۔ وہ اپنے اندر فی کس سے ایک تھیلی لائی تھی، اس نے تھیلی بولنصر کی طرف بڑھا دی۔ اس نے اسے دیکھ لیا، اس میں سیر سے جواہرات میں سے کئی لٹین کا سودہ حال میں آئے۔

ابو نصر نے ترسناک سے بولب دیا: آپ کن لٹینوں کی بات کر رہی ہیں۔ اب میری ساری لٹینیں تیر پر ہی ختم ہو جائیں گی، میں یہ یہ تھیلی کسی اور کو دے دیتا۔
میں نے یہ تھیلی زبردستی ابو نصر کی گود میں ڈال دی۔
انکار نہ کر میں خوشی سے ہنس رہا ہوں۔
ابو نصر سے جواب دیا: مکن میرا۔ میں بخوشی قبول کر سکتا۔

اس نے پوچھا: دیر بہ سبب؟

ابو نصر نے جواب دیا: میرے پاس آپ کا دیہات کچھ بہت ہے۔

ماں نے ہاتھ لگا کر حیرت سے کہا: کیا تو میری بیٹی کے متعلق ہر کچھ کا ہے؟

ابو نصر نے جواب دیا: شاید نہیں۔

اس نے اسے دیکھ کر چہرے پر تھیں کو دیکھا۔ وہ یہ سب سچہ کو یوں ہی نہیں دیکھ رہی تھی، اس کے جھبہ میں تو سب کچھ لپکتا تھا۔

ابو نصر نے اسے دیکھ کر کہا: آپ کو سب کچھ معلوم ہو گا۔
میں اسے دیکھ کر اس کے ہاتھوں پر اس کے ہاتھوں پر

اس نے پوچھا: کیا یہ درست ہے؟ کہ میں دیکھ رہی ہوں؟
اور سلطان کی شادی کی جوت تیر سے نہ دیکھ رہی ہو؟
ابو نصر نے جواب دیا: ابھی میں خود کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن سلطان کا یہ خیال ہے۔

اس نے تند و تیز نظروں سے ابو نصر کو گھورا۔ وہ اگر تو جیسا ہے تو یہ رشتہ سننے پائے کیا ایسا بھی ممکن ہے؟
ابو نصر نے بے عروقی سے جواب دیا: تم میں پہاڑوں کا ہی کیوں؟ میں تو چاہتا ہوں کہ یہ شادی ہو جائے۔

وہ اپنے سے باہر جھک کر اسے دیکھ کر کہیں چاہتا ہے؟
آخر کیوں؟

ابو نصر نے سیدھا سا جواب دیا: میں اس لیے یہ چاہتا ہوں کہ سلطان کی بھی یہ مرضی ہے۔

وہ آہستہ آہستہ اپنے سنجیدہ خوں سے باہر نکل رہی تھی۔ لیکن میں یہ نہیں جانتی اور مجھ میں نہیں جانتی وہ نہیں ہونا چاہیے۔
ابو نصر خاموش ہو گیا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔
وہ گرجنے لگی: تو خاموش کیوں ہو گیا؟ میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتا؟

ابو نصر نے جواب دیا: انہوں نے میں سلطان کی خوشی کے لیے اپنی جان تک ضائع کر سکتا ہوں۔

وہ اپنا کمر نرم پڑ گئی۔ وہ تو ڈھیک سے توجہ دے سکتا ہے سلطان کی خوشی کے لیے لیکن میں جانتی ہوں کہ لڑنے کا

ابو نصر نے سوالیہ نظروں سے سلیمان کی ماں کو دیکھا۔
وہ ابو نصر کو ان تھیلیوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا: سب کی طرح تو بھی یہ نہیں جانتا کہ تو اس دنیا میں کتنی کمزور کر آیا ہے لیکن میں جانتی ہوں کہ تو وہ کچھ کہتے کہتے دیکھ گئی پھر پوچھا: میں نے یہ جانتا تھا کہ تو میرا کام کسے کا یا نہیں؟

ابو نصر نے تباہی بھرا عرصے سے کام لیا: کون سا کام؟
آپ کا کون سا کام؟

اس نے جواب دیا: یہ شادی نہیں ہونا چاہیے۔
میں اس طرح بات کر رہا ہوں کہ اسے دیکھ رہی ہوں۔

ابو نصر نے پوچھا: محترم خاتون! یہاں کوئی جلد ہو گا؟
اس نے حیرت سے پوچھا: جلد اسے تیرا کیا کام

آج پڑا ہے؟

ابو نصر فریض پر سجدے میں گر گیا: آپ جلد کو مکمل دیں کہ وہ مجھے اسی وقت پہنچ سکے کہ وہ یہاں تک پہنچے

اس نے پوچھا: کیا یہ درست ہے؟ کہ میں دیکھ رہی ہوں؟
اس نے پوچھا: کیا یہ درست ہے؟ کہ میں دیکھ رہی ہوں؟

اس نے پوچھا: کیا یہ درست ہے؟ کہ میں دیکھ رہی ہوں؟
اس نے پوچھا: کیا یہ درست ہے؟ کہ میں دیکھ رہی ہوں؟

اس نے پوچھا: کیا یہ درست ہے؟ کہ میں دیکھ رہی ہوں؟
اس نے پوچھا: کیا یہ درست ہے؟ کہ میں دیکھ رہی ہوں؟

اس نے پوچھا: کیا یہ درست ہے؟ کہ میں دیکھ رہی ہوں؟
اس نے پوچھا: کیا یہ درست ہے؟ کہ میں دیکھ رہی ہوں؟

اس نے پوچھا: کیا یہ درست ہے؟ کہ میں دیکھ رہی ہوں؟
اس نے پوچھا: کیا یہ درست ہے؟ کہ میں دیکھ رہی ہوں؟

اس نے پوچھا: کیا یہ درست ہے؟ کہ میں دیکھ رہی ہوں؟
اس نے پوچھا: کیا یہ درست ہے؟ کہ میں دیکھ رہی ہوں؟

اس نے پوچھا: کیا یہ درست ہے؟ کہ میں دیکھ رہی ہوں؟
اس نے پوچھا: کیا یہ درست ہے؟ کہ میں دیکھ رہی ہوں؟

اور بھی نہیں کر سکے گا۔ جاگ رام کہ میں یہ کام کسی اور سے ہی
اس طرح کرالوں گی۔

ابو نصر نے سمجھنے سے مر اٹھایا اور اس کو سمجھانے
کی کوشش کی کہ آپ جو کچھ کرنا چاہتی ہیں، وہ نہ کریں کیوں کہ
یہ آگ اندپانی کا کھیل ہے۔ سلطان کو سمجھنے کی کوشش کریں۔
سلطان کی یہ فطرت ہے کہ وہ جس کام کا ارادہ کر لیتے ہیں
اسے تکمیل تک پہنچانے بغیر دم نہیں لیتے۔
شہزادے کی ماں نے جواب دیا کہ میں سلطان کو خود سے
ہی نہیں سب سے زیادہ باتیں ہوں اب تو جاسکتا ہے اسے
بد قسمت انسان!

ابو نصر دہاں سے چلا تو آیا لیکن وہ اس عورت سے
ڈرنا تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ وہ سازشیں جو محلات کے
اندروں سے شروع ہوتی ہیں ان پر قابو پانا تقریباً ناممکن ہوتا
ہے۔ وہ اپنے محل میں گیا تو اس کی وہ کنیز جو کبھی اس کی تباہی
کا باعث بن چکی تھی اور جس کی وجہ سے ابو نصر اپنی نسل کا سلسلہ
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر چکا تھا، خلاف معمول تاراج
ناراض سی ٹی ابو نصر کے کتدر میں اندر اضافہ ہو گیا۔ ابو نصر اس کو
نظر انداز کر کے اپنی ماں کے پاس جاسنے لگا۔ کنیز نے اس
کا راستہ روک لیا: آپ رکیں مجھے آپ سے چند باتیں کرانی۔
ابو نصر نے اس کو اپنے اقص سے ایک طرف ہٹا دیا۔
اس وقت میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے پھر کسی وقت بات کر
لوں گا۔

کنیز زبردستی سامنے کھڑی ہو گئی۔ جب سے آپ نے
وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالا ہے آپ محل میں کم رہتے ہیں۔
کبھی رسے میں، کبھی بلند میں اور کبھی جنگ کے میدان میں اس
لیے میں اس وقت بات کر کے رہوں گی۔

ابو نصر بھی اپنی منہ پر قائم رہا اور غصے میں کنیز کو ایک طرف
دھکیل کر ماں کے پاس چلا گیا۔

ماں نے مدتوں بعد بیٹے کو اپنے سامنے دیکھا تو
خوش ہوئی تھیں۔ سوائے وہ کھڑی ہو گئی اور محبت آمیز لہجے میں
کہا: تم سے وزیر بن جاسنے سے میں بے حد خوش ہوں اور دربار
سے تیار کر کے لے کر آؤں گی کہ سبب اللہ نے تجھ کو اتنا بڑا
منصب دیا تو تو میرے لیے کیا ہو گیا!

ابو نصر نے اپنی بڑھئی ماں کی پیشانی کو چوم لیا۔ یہ سب کچھ
آپ کے دعاؤں کا ثمر ہے اب آپ سے نہ مل سکے گا مجھے بھی
سبب اللہ سے یہ ہے لیکن آپ ہی بتائیں کہ میں کیا کر دوں؟
ماں نے فراموشی سے جواب دیا: میں تو تیری خوشی

ایک جتنا فروش نے نئی نئی دکان کھولی تو اکبر
آبادی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ابو نصر
میں نے جوتوں کی دکان کھولی ہے، کوئی مشورہ
عطا فرمائیے۔

اکبر آبادی نے فوراً یہ شعر نکل کر دے دیا۔
شتر میکری کی کھول ہے ہم نے جو یہ دکان
روٹی کو ہم کھائیں گے جوتوں کے نہ رہے۔

میں خوش رہتی ہوں۔ اللہ تجھ کو یوں ہی ہمیشہ خوش و خرم رکھے
ماں نے ابو نصر کو اپنے تخت پر اپنے پاس ہی بٹھالیا
اور پوچھا: تو یہاں میرے پاس کتنی دیر کے لیے آیا ہے؟
ابو نصر نے جواب دیا: میں خود نہیں جانتا کہ میں یہاں کتنے
دن رہا ہوں گا لیکن شاید دو تین دن رہنے کا ارادہ تو ہے دوسری موت
میں کس قدر جاسکتا ہوں؟

ماں نے اپنی کنیز کو حکم دیا کہ وہ ان کے بیٹے ابو نصر
کے لیے فواکھات ملائیں اور جب خشک ہو اس کے سامنے
لگا دیا گیا تو وہ مزے لے لے کر کھانے لگا اور ماں اس کے
پاس بیٹھ کر اپنے آئینے سے نگھیاں مٹا رہی تھی۔

ابو نصر کی نظر اپنی کنیز پر پڑی جو اس سے پندہ میں
قدم دوڑ رہی تھی۔ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ماں نے اپنے بیٹے کو براہ رسے کی طرف نظریں جمائے
دیکھا تو خود بھی اس طرف دیکھنے لگی۔ اس نے بھی کنیز کو دیکھ لیا
اور کچھ دیر بعد ابو نصر سے پوچھا: بیٹے ابو نصر میں تجھ سے
ایک بات پوچھوں؟

ابو نصر نے جواب دیا: پوچھیں، میں آپ کے ہر سوال کا
جواب دوں گا۔

ماں نے پوچھا: ابھی جب تو آیا تھا تو تیری کنیز نے
تجھ سے کوئی بات کی تھی؟

ابو نصر نے جواب دیا: اس نے بات کرنا چاہی تھی
لیکن میں یہاں آپ کے پاس چلا آیا ہوں۔

ماں نے نظریں ملائے بغیر مشورہ دیا: اس سے بات
کر لے اور جو باتیں اسے ماں لے کیوں کہ اس کی ماں نہیں
رہا کہ تو ہمیشہ اسے اپنے پاس رکھے۔

ابو نصر کے دل میں ایک چٹا سا ہوا جیسے جتنے توت پر
پانی کی لہر چڑھ گئی ہو۔

میں یہ بات کہہ کے سامنے سے ہٹ گئی ابونصر کے کندھی پر
ابن خضامہ ہو گیا۔

ابونصر اٹھا اور کنیز کے پاس سے گزرتے ہوئے کہا: کج
میں جس آگ میں جل رہا ہوں وہ تیری ہی لگائی ہوئی ہے۔
اب میں تجھ کو بھی اپنی ہی طرح محروم اور مایوس رکھوں گا کل میں
بندہ درجہ جاؤں گا۔

کنیز نے جواب دیا: آپ غلام ہیں۔ میں نے کچھ نہیں کیا
جو کچھ کیا آپ نے کیا تھا اور آپ نے اپنے اسی کیسے مڑوائے؟
لیکن ابونصر نے اس کا جواب سنا ہی نہیں، وہ اپنے
غریبے میں چلا گیا۔ اس نے اپنے کمرے کو اندر سے بند کر لیا۔
اب اس کو سلطان مغلزل پر غصہ آ رہا تھا۔

نصف شب کے بعد وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ وہ
جلسے کے لیے بھی باہر نہیں نکلا تھا اندکی سیٹے کہانے کے
لیے اسے پوچھا بھی نہیں اسے ایسا محسوس ہوا تھا گویا محل کا
ہر شخص اسے نظر انداز کر چکا تھا کسی کو بھی اس کی پیدائش نہ تھی۔
سب وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا تو بادشاہ کی حلق
میں ایک بچہ شاخہ شمع روشن دیکھی اس کی روشنی پوری بادشاہی کے
پے ناکافی تھی۔ اب اس کا فتنہ سرد پڑ چکا تھا اور اس نے فیصلہ
رہا تھا کہ اب کنیز سے بات کر لی جائے اس نے شمع کی جھلکی
روشنی میں ایک ٹھٹھری سی سامنے کی دیوار سے ملتی پڑی دیکھی اس
نے اس ٹھٹھری کو ہاتھ سے ٹول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی ہانڈا
ہے جو چادر میں لپٹا گئے چھپائے بیٹھا ہے اس نے اسے چھوڑ
یا درگزر کے پوچھا: تو کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے؟

ہانڈا کے چہرے پر سے چادر ہٹ گئی اور ابونصر نے
اسے پہچان لیا۔ یہ وہی کنیز تھی جس کے پاس وہ جا رہا تھا۔
ابونصر کی زبان سے بے اختیار نکلا: اسے یہ کون ہے!
رہیں بیٹھی کیا کر رہی ہے۔ میں تو تیسرے ہی پاس جا رہا تھا
ن وقت۔

کنیز اب سے کھڑی ہو گئی۔ جواب دیا: میں شام سے
میں بیٹھی ہوں اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اس وقت
سے یہیں بیٹھ رہوں گی جب تک کہ میں وہ بات نہ کروں جو میں
ناچاہتی ہوں۔

ابونصر نے پھر وہی بات کی: اس وقت میں تیسرے ہی پاس
جا رہا تھا۔

کنیز نے سرد آہ بھری اور بے یقینی سے کہا: اللہ جانے،
میں کس طرح یقین کر رہی ہوں۔

ابونصر نے اس کو شانوں سے پکڑ کر اٹھایا اور کہا: آئیے

ساتھ میرے کمرے میں۔ وہیں بات ہو جائے گی۔
کنیز اس کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی گئی۔ یہاں
بھی وہ مختلف طاقتوں میں کئی کئی شمعیں روشن تھیں اور ان
کی ٹھنڈی روشنی میں کمرہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔
کمرے میں تخت، اس میں ایک چیر بھی نہ تھی۔ ہاں،
سفید فرش پر گائیکے رکھے ہوئے تھے۔ ابونصر خود بھی ایک گائیکے
تکے سے ٹھیک لگا کر بیٹھ گیا اور اپنے سامنے کنیز کو بجالایا
اور کہا: ہاں اب بتاؤ کیا بات کرنا چاہتی ہے؟

کنیز نے کچھ دیر ابونصر کے چہرے کا جائزہ لیا اور روتے
رہتے کہا: میں آپ سے جو بات کرنا چاہتی ہوں آپ اس سے
خوش نہیں ہوں گے ناراض ہو جائیں گے یہی سوچ کر میں خاموش ہوں۔
ابونصر نے کرسخت لمبے میں کہا: یہ نصیبِ محرت! میرا
ابن خضامہ وقت خلائق نہ کر۔ جو بات کرنا ہے فی الفور کر لے۔

کنیز نے پوچھا: میری وجہ سے آپ کو جو سزا ملتی اس میں
میں خود کو بھی مجرم محسوس کرتی رہی اور آپ کے ساتھ اتنے دن
رہ کر میں نے اپنے تھے کی سزا جگت لے اب آپ مجھے رہا کر لیں
میں زندگی بھر آپ کی احسان مند رہوں گی۔

ابونصر کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ کنیز کو شبہ گزرا
کہ شاید وہ اس کی درخواست مسترد کر دے گا اس لیے وہ
خوشامد کرنے لگی: میں پوری زندگی آپ کے ساتھ گزار سکتی
تھی لیکن اب میں تنہا گئی ہوں اور مزید ساتھ نہیں دے سکتی
سکوں گی۔

ابونصر نے پوچھا: کیا کوئی شخص تجھ کو مل گیا؟
کنیز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابونصر نے پھر اپنا سوال
دہرا دیا: تو نے کس کو پسند کر لیا جو تجھ میں مجھ سے بات
کرنے کی اتنی ہمت آگئی؟

کنیز نے آہستہ سے جواب دیا: ہے ایک شخص بہت
اچھا ہے وہ۔

ابونصر نے بے نادری سے پوچھا: کیا میں اس سے
واقف ہوں؟

اس نے جواب دیا: ہاں آپ اس سے اچھی طرح
واقف ہیں۔

ابونصر نے پوچھا: کون ہے وہ؟ مجھ کو بھی تو کچھ بتاؤ
کنیز بتانا نہیں چاہتی تھی۔ آخر ابونصر نے اس کو دھمکی دے
دی: دیکھ میں جو کچھ پوچھا ہوں اس کا ٹھیک ٹھیک جواب
دے دے ورنہ۔۔۔

کنیز نے جواب دیا: تمہارے من آج کل وہ سلطان کا

خامس مصاحب ہے اور اس کی جو عزت و توقیر ہے ان کے پیش نظر میرا انتخاب غلط نہیں ہے۔

ابو نصر کو خوارزمین اسی دن سے بڑا لگنے لگا تھا جس دن خوارزمین نے لباسیری کو شکست دے کر اس کا گناہا سر اس کے توسط سے سلطان اور خلیفہ کو روانہ کر دیا تھا اس کا نام بادشاہ نے خوارزمین کو قابل ذکر اور اہم شخصیت قرار دیا تھا اور سلطان نے اسے اپنا مصاحب خاص بنایا تھا۔

کنیز نے پوچھا: آپ کیا سوچتے تھے؟ آپ نے میری درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا۔

ابو نصر نے اس کا مذاق اڑایا: عورت! یہ تو نے کس کو پسند کر لیا؟

کنیز نے جواب دیا: آپ نے مجھ سے جو کچھ پوچھا میں نے سنا۔ کامیاب جواب دے دیا۔ اب آپ اس پر برکت و تعین فرمائیں۔

ابو نصر نے ڈرتے ڈرتے پوچھا: کیا خوارزمین بھی تجھ کو پسند کرتا ہے؟

کنیز نے جواب دیا: ہاں، زیادہ۔ وہ مجھ کو بہت زیادہ چاہتا ہے۔

ابو نصر نے کہا: اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم دونوں آفریقے کہاں، جو ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے، تو تو کبھی اس محل سے باہر نہیں گئی؟

کنیز نے جواب دیا: آپ کس فکر میں پڑ گئے۔ آپ مجھ کو آزاد کر دیں، میں زندگی بھر آپ کی احسان مند رہوں گی۔

ابو نصر نے اپنا فیصلہ متاثر کیا: افسوس کہ میں خوارزمین کے حق میں تجھ سے دستبردار نہیں ہوں گا۔

کنیز نے مٹی: تب پھر میں مہربانوں کی تیرا دم گھٹا جا رہی ہے۔

ابو نصر نے نہایت نرمی سے کہا: تو فضول باتیں مجھ سے مت کر خوارزمین کا مدد ہے۔ وہ میرا دشمن میرا مخالف ہے۔

کنیز نے کسمپاش ہوئے کہا: خوارزمین اچھا آدمی ہے۔ آسودگی کو بڑا نہ کریں۔

ابو نصر نے جواب دیا: وہ اچھا ہوا بڑا، لیکن وہ مجھ کو اچھا نہیں لگتا۔

کنیز نے نہایت تحمل اور بردباری سے جواب دیا: مجھ کو وہ اچھا لگتا اور اگر آپ مجھ کو آنا کر دیں گے تو میں اس کے پاس چلی جاؤں گی۔

ابو نصر نے غصہ طے کیے میں کہا: لیکن میں خوارزمین کے

یہ تجھ کو آزاد نہیں کروں گا۔ میں اس سے لڑتے رہوں گا۔ کنیز نے اس کو اس کے مرتبے کا احساس دلایا: آپ مہاراجہ و منصب میں خوارزمین سے بہت بڑے ہیں۔ اس لیے آپ ہم دونوں پر رحم کریں۔

ابو نصر نے کنیز کو گھر سے نکل جانے کا حکم دیا: اب تو جا سکتی ہے۔ میں خوارزمین سے نفرت کرتا ہوں۔

کنیز سے چلا نہیں گیا۔ وہ بار بار دہرایا: میں قیوں سے باہر جا رہی ہوں۔

جب وہ گھر سے باہر نکل گئی تو ابو نصر نے دروازے کو اتنی زور سے بند کر دیا کہ اس کے ٹوٹنے کا کچھ دوسرے لوگ بیدار ہو گئے۔

شہزادہ سلیمان کی ماں نے ابو نصر سے مایوس ہونے کے بعد خوارزمین کو محل میں طلب کر لیا اور اس کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی۔ خوارزمین اب خود کو ایک ایسے موثر پکٹرا دیکھ رہا تھا جہاں وزارت عظمیٰ بہت قریب نظر آرہی تھی۔ سلطان غزل کا اعتماد وہ پہلے ہی حاصل کر چکا تھا۔ اب شہزادہ سلیمان کی ماں کا اعتماد بھی حاصل ہو رہا تھا۔ اس نے شہزادہ سلیمان کو بھی اپنی طرف ملاحظہ اور متوجہ دیکھا۔

شہزادے کی ماں نے اس سے پوچھا: سلطان غزل خلیفہ کی جوان بیٹی سیدہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں تیرا کیا خیال ہے؟

خوارزمین نے باتوں سے سمجھ لیا تھا کہ یہ خاتون اس شادی کے خلاف ہے۔ اس لیے اس نے بھی مخالفت کر دی۔ سلطان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اب اُن کو ان خرافات میں نہیں پڑنا چاہیے اور میں اس کی مخالفت کروں گا۔

شہزادے کی ماں خوش ہو گئی۔ تب شک لیکن سلطان کو اس سے کس طرح باز رکھا جائے؟

خوارزمین نے مشورہ دیا: اس سلسلے میں دو مختلف عملوں پر ہیں کام کرنا پڑے گا۔

شہزادے کی ماں سوالیہ نشان بن گئی: یعنی؟

خوارزمین نے جواب دیا: آپ سلطان پر دباؤ ڈالیں، میں درپردہ خلیفہ پر دباؤ ڈالوں گا کہ وہ رشتہ نہ دے۔ اچھا کرے۔

شہزادے کی ماں کو یہ مشورہ پسند آیا۔ ابھی تجویز ہے لیکن سلطان خدا کا ہے نہیں مانے گا۔

خوارزمین نے کہا: لیکن خلیفہ میری بات مان لے گا اور

ہاں نے کہا: ہاں یہ دیکھ بھی لیا اور خوب اچھی طرح سمجھ

بھی لیا۔
خوارزمین نے کہا: پھر حبيب اللہ کی مہربانی اور میسنی
کو ششوں سے شہزادہ برسر اقتدار آجائے تو اس کی وزارت
عظمیٰ مجھے ملے گی۔

ہاں کو ہنسی آئی۔ یہ بھی کوئی کشتی کی بات ہے۔ کام
ہو جائے پرتیری وزارت عظمیٰ کی۔ پھر ابو نصر کا کام؟
خوارزمین کو اپنی زندگی میں اتنی بڑی خوشی کبھی بھی نہیں

ہی تھی اسے وزارت عظمیٰ اپنی نظروں کے سامنے باطل قریب
نظر آ رہی تھی۔ مل سے بچنے سے پہلے اس نے اس بات کی
تصدیق کر لی کہ باہر کوئی ایسا شخص تو موجود نہیں جو اسے محل سے
بچھے دیکھ کر اس کی خبر ابو نصر کو پہچا دے۔ باہر کوئی نہ تھا۔
خوارزمین محل سے نکل کر سیدھا اپنے گھر گیا۔ اس کا گھر ابو نصر
کے محل کے سامنے تھا۔ بندروالانہ دروازہ دروازہ بانٹنے
کھول دیا اور خوارزمین گھر سے سمیت اس میں داخل ہو گیا۔
کافی اندر جانے کے بعد اس نے گھوڑا سائیں کے سامنے
کر دیا اور خود بالکل اندر وئی جتنے میں چلا گیا۔ یہاں اس کی
سترات دستی تھیں اور اس زمانے کے پختہ چہار دیواری
نے بالکل اگک کر رکھا تھا۔ یہاں اس کی بیوی بیٹے رہتے تھے
اور وہ کمزور بھی ہو رہے تھے۔ اس نے محل کے سامنے

گھر سے اس کو دو پیغام بھیجے۔ ایک پیغام سلطان طفل
کا تھا اور اس میں سلطان نے اس کو ہدایت کی تھی کہ اگر نامی
ابو سعد کو کسی وقت اس کی مدد درکار ہو تو وہ سب سے پہلے چون دھیرا
فرما ہم کرے اور تاخیر کی شکایت نہ کرے۔

دوسرا پیغام ابو نصر کا تھا۔ اس نے اپنے پیغام میں
کہا تھا: اگر سے مت کھیل، مل جائے گا۔ ہمیشہ اپنے آقا
کی مرضی اور خواہش میں نظر رکھ۔ باقی دوسرے غلطی میں سمجھو کہ
کچھ کرنا چاہیے اگر تو یہ بھی نہ جان سکا تو تیری اہل بیت اور تیری
معاویت افضل اور سب معنی ہے۔

یہ دونوں پیغام اس کے لیے بڑے اہم تھے۔ وہ درج
منگے مسائل پر غور کرتا رہا۔ وہ دونوں پیغاموں سے قطع نظر کسی
ایک کام کو کرنا چاہتا تھا۔ شادی کو کس طرح دیکھا جائے؟ وہ اپنے
اس حوالے کا جواب تلاش کر رہا تھا اس کو اپنی لائسنس بلوکی
پر یقین تھا۔ وہ اپنے خود اعتمادی پر بھروسہ کرتا تھا۔

شام کو گھر سے باہر نکلا اور ابو نصر سے ملاقات کرنے
اس کے محل چلا گیا۔ وہ محل سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ابو نصر
نے اس کو بڑا کام بھیجا تھا اس کا مطلب کیا ہے؟

مجھے امید ہے کہ شادی سے ابکار کر دے گا۔

شہزادہ سلیمان نے سلطان کا مذاق اڑایا: آخر حج خنز
تو یہ سوچ بھی کیا ہے، وہ شادی کیوں کر ناپاہتے ہیں؟
ہاں نے جواب دیا: ان کی بڑی ہی انتقال جو کر گئیں شاید
میں لیے۔

شہزادے نے کہا: تو میری کسی بڑی بی سے شادی نہ گئی
خلیفہ کی بیٹی سیدہ تودہ ہر طرح میرے لیے مناسب ہے۔
ہاں نے بیٹے کو ڈانٹ دیا: فی الحال یہ وقت اس قسم کی
باتوں کا نہیں ہے۔

شہزادے نے پوچھا: وہ کیوں؟
ہاں نے جواب دیا: یہ بات سلطان کے کان میں پڑے
گی تو وہ ناراض ہو جائے گا۔
خوارزمین نے کہا: لیکن یہ بات سلطان کے کان میں پڑے
گی کس طرح؟

ہاں نے جواب دیا: پتا نہیں لیکن ایسی باتیں کسی نہ
کسی طرح وہاں تک پہنچ ضرور جاتی ہیں۔
نامائیت اندیش شہزادے کو اپنی بات کی نزاکت کا
احساس تک نہ تھا اس نے پوچھا: دیکھ آپ دونوں یہ بتائیے
کہ میری بات کیسے ہے؟

ہاں نے پھر شیرلی: میں کہتی ہوں تو اپنی زبان بند رکھ۔
اور اس وقت تک بند رکھ جب تک تیری دلی عہدی کا اعلان
نہ کر دیا جائے۔

خوارزمین نے شہزادے کی حمایت کی: "ولیس شہزادے
کی بات درست ہے۔ میں خلیفہ بغداد سے شہزادے کے
سے بات کروں گا اور اگر بات بن گئی تو شہزادے کی دلی
عہدی اور ادشاہی یقینی ہو جائے گی۔"

خوارزمین کی ان باتوں سے ہاں نے بھی اتفاق کیا۔ ہاں
لیکن یہ بات اس طرح کی جائے کہ جب تک بات پایہ تکمیل
کو نہ پہنچے سلطان کو اس کی کالوں کا خبر نہ ہو۔
خوارزمین نے وعدہ کیا کہ آپ اس کی نو فکر ہی نہ کریں۔

وہ جب میں اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاؤں تو ایک
ہم میری خاطر آپ کو بھی کرنا ہوگا۔

ہاں نے پوچھا: وہ کیا؟ میں عرض کروں گی میں تیرے لیے
کام کروں گی۔

خوارزمین نے جواب دیا: یہ تو آپ دونوں نے دیکھ ہی
ایک ابو نصر کو آپ دونوں سے کوئی دلچسپی نہیں، وہ صرف
اس سلطان کا نانا رہے۔

اس وقت ابو نصر اپنے محل میں نہیں تھا وہ دیران النشا سے محل واپس آ رہا تھا۔ دونوں کا آشنا سنا اپنے گھر اور محل کے درمیان ہو گیا۔

خمار تخمین نے سلام میں پہل کی اور غیر رستہ دیانت کی۔ ابو نصر اس سے ناراض تھا، سلام کا جواب خوش دلی سے نہیں دیا اور کہا: اگر تیرے پاس کچھ وقت ہو تو میرے ساتھ میرے محل میں چل تھوڑی دیر کے لیے۔

خمار تخمین تو خود بخوبی جاہتا تھا۔ وہ کسی طرح ابو نصر کے احساسات اپنے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ اس نے جواب دیا: میرے پاس وقت ہے آپ جہاں چاہیں مجھے لے جاسکتے ہیں میں چلوں گا۔

ابو نصر نے جواب دیا: اگر یہ بات ہے تو میرے ساتھ چل۔ میں اپنے محل میں تجھ سے ... تیرے مطلب اور حکمتنا خواہشات سے متعلق بتائیں گے کہ وہ کیا ہے۔

خمار تخمین نے کہا: آپ جو باتیں کرنا چاہیں کر لیجئے گا دلیے ان باتوں پر عمل کرنا ضروری نہ ہو گا۔

محل میں داخل ہوتے کے بعد دونوں کے گھوڑے سانس لے گئے اور ابو نصر خمار تخمین کو سب سے پر ہٹا کر خود بھی بیٹھ گیا۔

دونوں کچھ دیر غاموش رہے۔ خمار تخمین منتظر تھا کہ ابو نصر بات شروع کرے اور ابو نصر چاہتا تھا کہ خمار تخمین کوئی سوال کرے تو بات شروع کی ہوتی۔

ابو نصر کو یہ بات کا آغاز کرنا پڑا: محل میں کیوں گئے تھے؟ خمار تخمین جھپٹ نہ بول سکا۔ مجھ کو محل میں طلب کیا گیا تھا۔

ابو نصر نے یہ نہیں پوچھا کہ وہاں کس سے کیا بات ہوئی بلکہ متنبہ کیا کہ مجھ کو وہاں نہیں جانا چاہیے تھا۔ خمار تخمین نے پوچھا: کیوں؟ مجھ کو جلیا یا کیا تھا میں کیوں نہ جاتا؟

ابو نصر نے کہا: اب تو کیا کرے گا؟ وہاں تیرے پیرو جو کام کیا گیا ہے کیا تو اسے انجام دے سکے گا؟

خمار تخمین نے بات مانا چاہی۔ تیرے پیرو کوئی کام نہیں کیا گیا وہاں محض صرف یہ پوچھا گیا کہ ان دونوں ملحق کہاں ہے؟

ابو نصر نے کہا: تو آگ سے کیل رہا ہے یہ کام تو ہے کہ وہاں سے کچھ تو اچھا بڑا نہیں ہے۔

خمار تخمین نے ہنسنے سے کام لیا۔ اس خلاسی ہمت کے

ایک ہزار سے زائد ایجادات کے خالق،
نامس الیواڈیس نے ایک مرتبہ کہا تھا:
"میری اپنی اچھوتی ایک ہے اور وہ ہے
نو نو گراف۔ قیصر تمام چیزیں میں نے ایسے
لوگوں کے خیالات اور نظریات کو ترقی دے کر
ایجاد کی ہیں جو اپنے خیالات اور نظریات کو کل
دوب دیکھ کر قادر نہیں تھے۔"

یہ مجھ کو یہاں تک لے آیا کہ میں نے قیصر کی بات سنی۔
ابو نصر نے سخت لہجہ اختیار کیا: میں تیرے چہرے
محنت کی پرچھائیں دیکھ رہا ہوں۔

خمار تخمین کو فوراً خیال آیا کہ شاید اس کو ابو نصر کے محل پر
قتل کر دیا جائے گا، پریشانی ہو کر کہنے لگا: "انسوس کر میں آپ
کھرا اندوایت دار سمجھتا تھا کیا آپ اپنے محل میں مجھ کو ہمدانی
طرح عوام کے قتل کر دیں گے؟"

ابو نصر نے جواب دیا: میں ایسا نہیں کر سکتا۔ تریبل سے
جیب بھی ہانا چاہیے جاسکتا ہے۔

خمار تخمین نے پوچھا: پھر آپ نے مجھے یہاں تک لے
ابو نصر نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ سوشل
خلیفہ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے اس کو شادی کر سکتے
دے شہزادہ سلیمان کی ماں اس شادی کے خلاف ہے۔
خمار تخمین نے کہا: ہاں محل میں اس شادی کی مخالفت کی
جاری ہے۔

ابو نصر نے اس پر مبالغہ کیا: میں خوب جانتا ہوں کہ شادی
یہ شادی کیوں کر ناچاہتا ہے لیکن تو نہیں جانتا کہ صرف یہ جانتا
ہے کہ مرتبے اور وقت سے نامہ کس طرح اٹھایا جائے۔

خمار تخمین نے اس قسم کی باتیں کرنے سے منع کر دیا: آپ
مجھ سے اس قسم کی باتیں نہ کریں میں یہاں اس لیے نہیں آیا۔

ابو نصر حیرت سے لگا: دیکھ خمار تخمین! زندگی بھی ہستی
سچا اور ہر شخص کا مطالبہ ہوتی ہے کہ وہ بھی کوئی بد مقام
ماصل کہے لیکن اسے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ زندگی پر برقرار

رہنا بہت دشوار ہوتا ہے۔ یہ شادی باری گری کا کیلی ہے۔
تماشائی اس سے محفوظ رہ سکتے ہیں لطف اندوز ہو سکتے ہیں

لیکن باری گری کی وجہ سے چوک جاتا ہے تو زندگی سب سے زیادہ
ہے اور جسم پھانچ رہا جاتا ہے۔ شادی بھی باری گری کا

کیوں بہت دور سے اس کا تماشہ کرتے بہت اچھی جگہ ہے کسی سہانے حسین خواب کی طرح۔ لیکن بادشاہی کی طرح وزارت عظمیٰ بھی کانٹوں کا جاج ہوتی ہے اس میں بڑی مصیبتیں ہیں غلبہ ہے اور اس میں ذرا سی بھول چوک انسان کو عمر مذلت میں گرا دیتی ہے۔

خوارنگین کو یہ باتیں گراں گزر رہی تھیں جواب دینا اللہ نے مجھے ہی عقل دی ہے آپ کو سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب انصر نے اس کی بات جیسے سنی ہی نہیں۔ اسے ایک ایسے درخت کے پاس لے گیا جو پچاس پچیس سال سے سر اٹھائے کھڑا تھا لیکن اس کی بنی تیس تیس ہاتھ سے زیادہ نہیں تھی اور اس درخت کے پاس ہی جو دیار تھی اس پر ایک بیل پڑھی ہوئی تھی اور یہ بیل تقریباً پچاس ساٹھ ہاتھ لہی تھی اب انصر نے اس درخت کی طرف اشارہ کیا۔ اس درخت کو کچھ رہے ہو، تیس تیس ہاتھ بلند درخت پچاس پچیس سال میں یہاں تک پہنچا ہے۔ خوارنگین نے اس درخت کو دیکھ کر یہ واقعی تناؤ مضبوط اور باد کا تھلا۔

اب انصر نے کہا: یہ درخت کتنے ہی طوفانوں کا مقابلہ کرچکا ہے کتنی ہی آندھریوں کے تھپڑنے سے جھکا ہے اور اسی طرح زمین میں پاؤں بھانے کھڑا ہے اس کے برعکس دیوار کی یہ بیل ہے اس درخت سے کسی اور صوف بیٹے بھر میں یہاں تک پہنچ گئی جہاں یہ درخت پچاس پچیس سال میں نہیں پہنچ سکا لیکن یہ بیل اپنے پاؤں پر نہیں کھڑی رہ سکتی۔ اس کی کھڑنے رہنے کے لیے نہیں پڑے رہنے کے لیے دیوار جیسا ہے دیوار نہیں تو کوئی اور سہارا ہوا سہارے کے بغیر اس کو ہوا کا ذرا سا جھونکا زمین پر گر دینے کے لیے کافی ہے اور یہ یوں بھی دونوں کی همان ہے اس کی ہر شے غلامی اور وقتی ہے۔ خوارنگین پریشان ہوتا تھا کہ جہاں کی آدمی آخر کتنا میا چاہتا ہے؟

اب انصر نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے میری ادھیری ترقی میں یہی فرق واضح ہے میں نے جو ترقی سالوں میں کی ہے وہ اس درخت کی طرح یا شاید اسے میں نے یہ مقام سالوں میں حاصل کیا ہے اس لیے اس کو حوادث اور مصائب کے تعبیر کے برعکس بڑی بڑی بڑی نہیں کر سکتے اور تو... تو اس بیل کی طرح ہے تو سازشوں اور غلامی سہاروں کی مدد سے مجھ سے زیادہ تندرست ہو سکتا ہے لیکن کسی مصیبت کا ایک ہی جھونکا تجھ کو زمین پر لے کسے کے لیے کافی ہوگا۔

خوارنگین خستہ کی آگ میں جلا رہا تھا۔ پوچھا: آپ کو جو

کچھ کتنا تھا کہ بچے یا ابھی کچھ باقی ہے؟
اب انصر نے جواب دیا: مجھ کو کتنا تو بہت کچھ ہے لیکن فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔
خوارنگین نے کہا: میں نے آپ کی بے سرو پا باتیں سن لیں۔ اب آپ مجھے اجازت دیں۔

اب انصر نے کہا: تو چاہے تو میری اجازت کے بغیر بھی یہاں سے جا سکتا ہے۔

خوارنگین نے جواب دیا: بہر حال میں آپ سے اجازت لے کر نہیں جاؤں گا یوں ہی چلا جاؤں گا؟

اور واقعی اجازت کے بغیر وہ وہاں سے چلا گیا اب انصر اس کو دیکھتا ہی رہ گیا۔

آخر اب انصر تیز تیز قدموں سے چلا ہوا خوارنگین کے پاس پہنچا اور کہا: اب ہم دونوں آپس میں جو شک و جہل کا راز فاش کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔

خوارنگین نے جواب دیا: اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے لیکن پہل میری طرف سے نہیں ہوگی۔

اب انصر حکم ہو گیا: پہل تو تیری طرف سے ہو چکا اب تو کسی پہل کی بات کر رہا ہے؟

خوارنگین کل سے نکل گیا وہ بھی سخت خستہ میں تھا۔ اب انصر بھی کل سے نکل کر دروازے پر کھڑا ہو گیا۔

میں خوارنگین کا گھوڑا آہستہ آہستہ چلا کے باہر لے گیا خوارنگین نے جھکے سے گھوڑے کا کام لی اور گھوڑے پر سوار ہو کر یہ جا رہا وہاں سے ہوا ہو گیا۔

اب انصر اس کو جاستے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اب انصر نے جیسے خود سے کہا: ابھی تو اتنا بڑا نہیں ہے جتنا خوش فہمی میں سمجھ بیٹھا ہے۔

اب انصر ذہنی طور پر بہت پریشان تھا اس کو سب سے زیادہ ڈر اس بات کا تھا کہ شہزادہ سلیمان کی ماں اور خوارنگین

کیوں اب اس سلطان کے خواجہ حسن سے رابطہ قائم نہ کر لیں اس کی نظر میں گیس خواجہ حسن ہی وہ شخص تھا جو اس کا مدد مقابل ہو سکتا تھا۔ اس نے عمل سکے دبانوں کو اس بات کا پابند کر دیا

کہ خوارنگین جب بھی محل میں جائے اب انصر کو اس سے مطلع کر دیا جائے۔

اس کے بعد اس نے چند کنیزوں کو اس کام پر مامور کر دیا کہ خوارنگین اور شہزادہ سلیمان کی ماں میں جو گفتگو ہو اب انصر کو اس سے آگاہ کیا جائے۔

ادھر سے نارغ ہونے بعد اب انصر نے ایک دفعہ الپ

ادھر سے نارغ ہونے بعد اب انصر نے ایک دفعہ الپ

کی۔۔۔ خدمت میں روانہ کر دیا اس وفد سے خلیفہ سلطان کو ابو نصر کی طرف سے مطلع کیا کہ سلطان غفر شہزادہ سلیمان کی مال کے رباؤں میں اگر نا اعلیٰ شہزادے سلیمان کو اپنا ولی عہد مقرر کر دینا چاہتا ہے جیسے کہ آپ اس کے ہر طرح اہل اور مستحق ہیں۔

اس وفد سے خواجہ حسن سے بھی ملاقات کی اور اسے ابو نصر کی طرف سے بتایا کہ وہ اپنے بعض اہم معاملات میں خواجہ حسن سے مشورہ کرنا چاہتا ہے۔

خواجہ حسن اس تبدیلی سے انجمن میں بے گید ایسا کیوں ہوا؟ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ ایک جیسے کئی سوالات اس کو پریشان کر رہے تھے۔

اس وفد کے بعد ہی شہزادہ سلیمان کی مال سے خلیفہ سلطان کو یہ پیغام جیسا کہ تو میرا بیٹا ہے ابو نصر ہمدانی پریشانہی کا سبب بن گیا ہے اس لیے اس سے بچات دلا۔

اب اس وفد نے یہ کام خواجہ حسن کے سپرد کر دیا کہ اسے جیلا مانا اور وہاں ان دونوں سے علیحدہ علیحدہ ملاقات کر کے معلوم کر کے آکر کون حق بجانب ہے اور کون سے ناحق بجانب۔

خواجہ حسن اسے چنپا اور سیدھا شہزادہ سلیمان کی مال کے پاس گیا اور کہا: "اور محترم! اب آپ بتائیں کہ ہم آپ کے لیے کیا کریں؟"

مال خواجہ حسن کا قصیدہ پڑھ رہی تھیں۔ خواجہ حسن نے بتایا: "میں یہاں دو چار دن سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔"

مال نے سب کچھ سنا کر اس سے پوچھا: "تو میرا مدد کرے گا؟" خواجہ حسن نے جواب دیا: "دل و جان سے۔ بس روچشم۔"

مال نے پوچھا: "چیرکب؟" خواجہ حسن نے بتایا: "محترم خانوں! آپ نے جو لوگ کہا میں شہزادہ اب اس سلطان کے دربار میں کہوں گا چیر جو حکم شہزادہ اس پر عمل کیا جائے گا۔"

مال نے افسوس کا اظہار کیا: "چیر تو دیر ہو جائے گا۔" خواجہ حسن نے جواب دیا: "میرے لیے شہزادہ ہی تھا۔" رہا ہے۔ چچم ملا کہ خمار خین اذن باریابی چاہتا ہے۔

خواجہ حسن کو ذرا تعجب ہوا، پوچھا: "یہ تمہارا تخمینہ کیسے ہے؟"

مال نے جواب دیا: "یہ جادو شخص میرا پشت پناہ ہے۔" میں اس سے بہت خوش ہوں۔

خواجہ حسن نے خمار خین کا نصف ذکر کر دیا تھا جب وہ کیا تو

ایک

شخص حضرت ابراہیمؑ

کے دربار میں چرایا وہ خود ہی آپ

باہر نکلے وہ پوچھا: "کس کو لگاتے ہو؟"

نے کہا: "بازیر پد کو۔" آپ نے فرمایا: "میں آپ

بازیر کو تو میں خود دیکھنے میں برس سے تیار ہوں کہ

رہا ہوں اور ابھی تک نام ہوں۔ یہ بات نہ

حضرت ذوالنون مصریؒ تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا

کہ بازیر پد حق تعالیٰ میں ایسے موبہ سے تھے کہ پتہ

انہوں نے اسی میں گم کر دیا تھا۔

شہزادے کی مال سے دونوں کا تعارف کرایا۔

خمار تخمینہ نے کہا: "میں خواجہ حسن سے خوب واقف

ہوں۔ ان سے تو ابو نصر تک گھبراتا ہے۔"

شہزادے کی اس سنہ کہا: "اور میں سنہ اس لیے خواجہ حسن

کا طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے۔"

خواجہ حسن نے خمار تخمینہ کی نقل میں موجودگی پر اعتراض

کیا: "خمار تخمینہ! کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ تو یہاں کیوں کیا ہے؟"

خمار تخمینہ نے گھبرا کر جواب دیا: "میں یہاں خود سے

نہیں آتا۔ جب عوام آیا جاتا ہے تو جاتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے پوچھا: "تجہ کو محل میں کون بلاتا ہے؟"

خمار تخمینہ نے شہزادے کی مال کی طرف دیکھا: "اس کو

میں جوتی ہوں۔" مال بولیں۔

خواجہ حسن نے پوچھا: "وہ کیوں؟ آپ کس کو کیوں

جوتی ہیں؟"

خمار تخمینہ نے کہا: "اس قسم کے سوال آپ کیوں کر سب میں

کس رشتے سے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "میرے تیری حیثیت میں نہیں

آہل کافر ہے۔"

خمار تخمینہ نے کہا: "چیر بھی۔"

خواجہ حسن مشتعل ہو گیا: "خمار تخمینہ! تو اپنی حد میں رہنا چیر

شہزادے کی مال سے کہ آپ اس محل کی آبرو میں آپ اس کو

محل میں یوں جوتی ہیں؟"

شہزادے کی مال گھبرا گئی، جواب دیا: "میں نے اس کو ہٹل

حاصل کروں گا۔“

خواجہ حسن نے کہا: ”آپ مردائیں یاد آئیں اس سے
کوئی تمام فرق نہیں پڑے گا۔“

ابو نصر نے پوچھا: ”وہ کیا؟“

خواجہ حسن نے جواب دیا: ”انہیں اندیشہ ہے کہ کہیں
کسی وقت شہزادہ سلیمان کو ولی عہد مقرر کر دیا جائے اگر ایسا
ہو تو یہ اس حکومت کی بڑی بد قسمتی ہوگی، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔
اگر ایسا کچھ ہوا تو آپ اس کی مزاحمت کریں گے اور ہمیں اس کی
ملاح دیں گے۔“

ابو نصر نے کہا: ”میں ایسا کروں گا لیکن آپ بھی یہ دھڑ
کریں کہ اگر یہاں میرے خلاف سازشیں کی جائیں تو آپ دل
نہ رست دشمنوں کا ساتھ نہیں دیں گے۔“

خواجہ حسن نے جواب دیا: ”میں وعدے کے بغیر آپ
کا ساتھ نہیں دیا تو آئندہ کیا ساتھ دوں گا؟“

دونوں مختلف موضوعات پر دیر تک باتیں کرتے
رہے، آخر میں سلطان طغرل کی شادی کا موضوع بھی تھا لیکن
دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ یہ مسئلہ سلطان کی ذاتی زندگی سے
تعلق رکھتا ہے اس لیے اس پر اظہار خیال مسترر کر دیا جائے۔
خواجہ حسن مرد واپس چلا گیا اور ابو نصر بغداد روانہ
ہو گیا۔

ہو گیا۔

قاضی ابوسعید بغداد میں داخل ہوا تو ہر طرف یہ خبر گشت
کر گئی کہ وہ سلطان طغرل کا کوئی اہم پیغام لے کر آیا ہے۔

خلیفہ نے قاضی ابوسعید کو اپنے قصر میں حلیہ کر لیا۔
خلیفہ اس سے خود بات نہیں کرنا چاہتا تھا، اور قاضی ابوسعید
یہ بات خلیفہ سے براہ راست کرنا چاہتا تھا۔

خلیفہ نے پوچھا: ”کیا تم سلطان کا پیغام مکتوب کی صورت
میں لایا ہے؟“

قاضی ابوسعید کے دل کی دھڑکن بہت تیز ہو گئی تھی اس
سے بولا: ”نہیں جابرا تھا، جواب دیا: ”میں سلطان کا پیغام زبانی
لایا ہوں۔“

خلیفہ نے کہا: ”تم ساری باتیں جہاز سے صاحب کے
گوش گزار کر دے۔ وہی جہد کو اس کا جواب دے دے گا۔“

قاضی ابوسعید نے اس سے انکار کر دیا، میں وہ بات
آپ سے براہ راست کہوں گا، آپ اپنے صاحب کو درمیان

دیار دیا ہو گا اور اب یہاں ہی رہنے سے آجاتا ہے۔“
خواجہ حسن نے اسے یہ خبر سنا کر اسے کمزور و غارت دیکھ کر
کہہ رہی ہے۔“

خواجہ حسن نے غارت گین کو سمجھایا: ”میری طبیعت ٹھیک
نہیں ہے اس لیے قریبوں سے چلا جاؤ۔“

غارت گین نے بڑی بے بسی سے غارت گے کی دل کی طرف
دیکھا اور محل سے نکل گیا۔

خواجہ حسن نے غارت گے کی دل کو سمجھایا: ”آپ بدنام و بے
گیا آپ یہ سب نہ کریں۔ سلطان بھی ان غارت گوں سے پریشان ہو
جائے گا۔“

غارت گے کی دل سے کہہ دیا: ”چلو میں اس کو نہیں چاہوں۔
مگر یہ ترجیح کہ بتاؤ کہ میں ابو نصر کے کس طرح قابو پاؤں گا؟“

خواجہ حسن نے پوچھا: ”ابو نصر تو اچھا آدمی ہے پھر آپ کی
اس سے ان بن کیوں ہو گئی؟“

غارت گے نے جواب دیا: ”ابو نصر کو میں تو ہی اچھا کہتا ہوں۔“
خواجہ حسن نے کہا: ”میں آپ کی ہر طرح مدد کروں

گا مگر اس صورت میں کہ آپ کو میری مدد کی واقعی ضرورت ہو
اور بات ابو نصر کے خلاف نہ ہو۔“

غارت گے کی دل نے پوچھا: ”یہ تجھ کو کیا ایک بے لیاہک
ابو نصر سے عقیدت کیوں ہو گئی؟“

خواجہ حسن نے جواب دیا: ”ابو نصر نہایت دیانت دار اور
وفا دار انسان ہے وہ سلطان کا وفادار ہے اور اس کی یہ خوبی ایسی

نہایت جو اس کے دوسرے عیوب پر پردہ ڈال سکتی ہے۔“
غارت گے کی دل نے خواجہ حسن کو محل سے پہلے کہہ دیا کہ

اس کو جس خواجہ حسن کی ضرورت تھی یہ اس سے مختلف بلکہ متضاد
تھا۔ اس نے خواجہ حسن کو رخصت کر دیا کہ وہ چلا جائے۔

جاسکتا ہے کیوں کہ میں نے جس خواجہ حسن کو بلا یا ہے وہ کوئی
درمختار۔

خواجہ حسن محل سے نکل کر ابو نصر کے پاس چلا گیا، ابو نصر نے
خواجہ حسن کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بڑی بڑی راہی کی۔

ابو نصر اس سے پہلے کہ یہ ہو گیا، محمد کو یہ یقین نہیں تھا کہ آپ
خود جہازیں گے۔

خواجہ حسن اس راجہ متحارہ اور محمد کو یہ یقین نہیں تھا
کہ آپ میری طرف خیر گالی کا ہاتھ بڑھائیں گے، یہ آقا الپ

ارسلان، آپ کے بے حد خوش ہیں۔“
ابو نصر نے شکر بیاد کیا کہ آپ شہزادے کو قتل

کا کہ بہت جلد میں خود ماحتری دونوں گھارہ شرف قدم ہو سکی

میں نہیں، میں:

خلیفہ کو اس کے اصرار پر غصہ آکر ہاتھ تھوڑے تھوڑے
میں کہا: کیا تو اب سب خدمت سے بالکل واقف نہیں؟ ہم
کسی سے یہ راستہ کتو بیا یا یہ فیم دوسروں میں کرتے تھے
قاضی ابوسعہ بھی اپنی بات براڑا رہا: "امیر المومنین یہ
نمایات نار مٹا رہا ہے اسے ایک کسی اور کے سلسلے میں
بیان کرنا:"

خلیفہ کو کچھ تشریح ہوئی، پوچھا: آخر وہ کون سی بات
سب سے جو وہاں سے حاجب سے نہیں کی جاسکتی؟
حاجب ابوشعی نے اسے طور پر اصرار کیا: تو بات مجد
سے کر میں اس کا جواب دے گا:

قاضی ابوسعہ ناراض ہو گیا: "تو یہ بچوں جیسی باتیں کر رہا
ہے، ان کے میں جانتا ہوں کہ تو میری بات کا خاطر خواہ جواب
نہیں دے سکتا:"

خلیفہ مجبور ہو گیا کہ کہنے لگا: کیا میں ابوشعی کو یہاں سے
ہٹا دوں؟

قاضی ابوسعہ نے جواب دیا: بہتر تو یہی ہوتا ہے
خلیفہ نے اشارہ کیا کہ ابوشعی کچھ دیر کے لیے وہاں
سے ہٹ جائے۔

ابوشعی سامنے سے ہٹ گیا۔
خلیفہ کے عقب میں بائیں جانب جھٹی سیرنگ
ابن ہادی تلوار پر ہنہ لیے کھڑا تھا۔

قاضی ابوسعہ کو بار بار جھجھکی آرہی تھی اس نے
سیاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: براؤ کہ اس کو
مجھے یہاں سے ہٹا دیا جائے؟

خلیفہ کو اس پر شبہ ہونے لگا اور چھا: "تجھ کو یہاں
نہیں دے سکتے، پہلے کسی سے تیری تلاشی لی تھی؟"

قاضی ابوسعہ نے جواب دیا: "جی ہندہ پر درائن شمل
لگتی تھی، مگر اب اس سے کچھ بھی نہ نکلا۔"

خلیفہ کو یقین نہیں آیا، اس نے جلاؤ کو حکم دیا: اس
کی آپھی طرف تلاشی لی جائے۔

جلاؤ قاضی ابوسعہ کی تلاشی لینے لگا اور قاضی ابوسعہ
ترن یاں کی تڑپت کرتے لگا۔

مجد در بعد جلاؤ سے خلیفہ کو مطلع کیا کہ اس شخص کے
پاس کچھ بھی نہیں۔

خلیفہ نے سوال کیا: پھر یہ شخص کچھ کو کچھ ہٹا
پہتا ہے؟

خلیفہ پر وار کے دوران ایک جلا باز نے

جلاؤ کے شہر کے مرکز سے رابطہ قائم کر رکھا۔

جلاؤ کی پرہیزگاریاں آج بھی صروت

شہر سے اور اپنے نظریات سے

قاضی ابوسعہ نے کہا: "امیر المومنین سب سے سب
کا جواب میرے سامنے ہے۔ یہ جلاؤ کیا جواب دے گا؟"
قاضی ابوسعہ کو سلسلے میں نہیں جانتا تھا پوچھا:
"اس کو مجھوں نے یہ خبر کیا اور پڑے گا؟"

قاضی ابوسعہ نے جواب دیا: "میں فرق پڑے گا اور
جلاؤ کو پڑے گا؟" اور اس نے جواب دیا:
کہہ دیا: "میں نے یہ خبر سن لی، مگر اب اس کی بات
نہیں کرنا۔"

خلیفہ نے جلاؤ سے کہا: "کچھ دیر کے لیے تیری باہر
جلاؤ جا، میں سپنے حاجب ابوشعی کے ساتھ تجھ کو بھی
لے گا۔"

جلاؤ بھی خلیفہ کے بلکے سے اشارہ کر رہا ہے
ہٹ گیا۔

خلیفہ نے پوری دھچپ سے کہا: "ہاں تو اب تیری بات
اور خلیفہ سے کس قسم کی بات کرنا چاہتا ہے؟"

قاضی ابوسعہ اب بھی خاموش تھا، اس نے
ہمت سے کام لے کر ایک ہی مرتبہ میں سب کچھ کہہ دیا۔

میر موشیج، ہمارے سلطان حضرت خلیفہ ماب
بیشیہ کا رشتہ اپنے لیے مانگا ہے؟

خلیفہ کو غصہ آیا: "یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ کیا تجھ کو وہاں
ہے کہ تو مجھ سے کیا کہہ رہا ہے؟"

قاضی ابوسعہ نے عرض کیا: "امیر المومنین امی خوب
جانتا ہوں کہ میں اسے کیا کہہ رہا ہوں، آپ سے کیا مانگا

رہا ہے؟"

خلیفہ نے درشت لہجہ میں پوچھا: "کیا یہ میرا سپنے
کا مراد ہے؟ سلطان کے امانی توازن کو براؤ کہہ رہا ہے؟"

قاضی ابوسعہ نے عرض کیا: "جناب والا! ایسی کوئی
بات نہیں، سلطان شہزادہ سے شادی اس لیے کرنا چاہتا ہے
اسی سے وہ دوسری شہزادہ کے خاندان کی قربت رکھ رہا ہے

میر موشیج کا سپنے؟"

خلیفہ نے جواب دیا: "لیکن میں تیری بات کس طرح

ان لوں؟

جیسی کے بعد جلاؤ کو ہرگز نہ بلوائیں۔

کچھ دیر بعد حبيب صاحب ابو قحیسہ کے پاس آ کر ابو خلیفہ سے یہ مسئلہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

حبيب ابو قحیسہ کے دو ہم وطنوں میں بھی یہ بات نہ تھی اس نے دونوں سے ایک ہی سوال کیا: سلطان ظفر کے ذہنی توازن کا کیا حال ہے؟

قاضی ابو سعد نے جواب دیا: بھلا خدا بالکل درست ہے۔ حبيب ابو قحیسہ نے کہا: میں تیری بات پر کس طرح یقین کر لوں؟ کونسا ایک صبح دعا غنائس میں اسم کہ بائیں نہیں کر سکتا۔

قاضی ابو سعد نے اس وجہ سے کہ سیدنا مادر موریہ میں کسی جواب کے بغیر وہیں جا رہے ہوں اور سلطان کو میں یہ بت دوں گا کہ حبيب ابو قحیسہ آپ کو صبح دعا غنائس نہیں سمجھتا۔ حبيب ابو قحیسہ نے کہا: نہیں، وہیں ایسی بات نہ کہ قاضی نے کہا: تب پھر تم لوگ میرے ساتھ ذوالی جواب کیوں نہیں دیتے؟

حبيب ابو قحیسہ نے غلیظہ کی طرف دیکھ کر پوچھا: کیا جواب دیا جاسے گا؟ قاضی کے ذہن میں ہڑتادیں میں اس کو سمجھنے سے پہلے، اور جواب اس کے حوالے کر دیا۔ غلیظہ ابو قحیسہ کو مسئلہ لانا جاری رکھیں، ان لوں میں وہ ایک باتیں جوتی رہیہ آخر غلیظہ نے ابو قحیسہ سے دیکھ کر ابو قحیسہ نے کس طرح ممکن ہے کہ میں اپنی بیٹی سیدہ کی شادی اس ستر سالہ بوڑھے سے کر دوں؟ لوگ کیا کہیں گے؟

ابو قحیسہ نے مشورہ دیا: امیر المومنین اس وقت اس کو کوئی جواب نہ دیں اور آپ یہ معاملہ میرے سپرد فرمادیں، میں فوراً اسے چلا جاؤں گا اور وہیں ان کو دسیوں سے قائل کر دوں گا کہ وہ آپ سے یہ رشتہ نہ مانگیں۔

غلیظہ کو اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ ابو قحیسہ نے غلیظہ کا بوجھ خود اٹھالیا تھا۔

کچھ دیر بعد غلیظہ اور ابو قحیسہ ایک ساتھ ذوالی ابو سعد کے سامنے پہنچ گئے وہ سوالیہ نشان بن کر دو فورس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

حبيب ابو قحیسہ نے کہا: قاضی ابو سعد، میں آپ سے اس موضوع پر کیا بات کر دوں؟ میں جانتا ہوں سلطان اپنی اس خواہش سے باز آجائے آپ سے یہ بات کر دوں؟ تو شاید پکو سعدی نے یہ اختیار نہیں دیا ہوگا کہ آپ ہماری بات مان لیں۔ درحقیقت کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ ہماری بات مان لے۔

قاضی ابو سعد نے جواب دیا: آپ میری بات نہ مانیں اس کا مجھے پر کیا اثر پڑے گا؟ کچھ بھی نہیں، میں جانتا ہوں کہ پھر جی نہیں۔

غلیظہ نے پوچھا: پھر اس پاگل کو جرأت کس طرح ہوئی؟ میں یہ رشتہ کس طرح منظور کر سکتا ہوں؟ قاضی ابو سعد نے پوچھا: پھر میں سلطان کے پاس پہنچ کر انھیں کیا بتاؤں؟

غلیظہ نے جواب دیا: اس کا جواب تو ہے یہ ہے پاس لیکن تو میرے ہاتھ سے ناحق مارا جاسے گا۔ قاضی نے کہا: جلاؤ کو میں نے اسی نیل سے ہٹا دیا۔ تھکے لوں کہ میں جانتا تھا کہ میرا المومنین حالت غلیظہ و غضب میں پہنچ بھی کر سکتے ہیں۔

غلیظہ نے کہا: اب تمہاریاں سے جا سکتا ہے۔ قاضی نے اپنے سوال کا واضح اور حتمی جواب دینا چاہا اس لیے سوال کے بغیر کس طرح جا سکتا ہوں؟

غلیظہ نے کہا: میں کہتا ہوں تمہاریاں سے چلا جاؤ۔ یہی وقت چلا جاؤ اور سلطان سے کہہ دینا کہ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

قاضی ابو سعد اپنی جگہ سے اٹھ بھی نہیں اور جواب کے لیے اصرار کرتا رہا، اس نے غلیظہ سے واضح کیا: امیر المومنین! اگر میں کسی جواب کے بغیر پاؤں کا تو سلطان مجھ کو قتل کر دے گا۔ غلیظہ نے جواب دیا: تو اس کی فکر ہی نہ کر، اگر سلطان مجھ کو قتل کر دے گا تو میرے دربار سلطان پر مقدمہ کر دیں گے اور اسے سزا بالآخر میری عدالت میں آئے گا اور میں تیرے دشمن اور خون بہاؤں گا۔

قاضی ابو سعد نے عرض کیا: اس خون بہاؤں سے مجھ کو کیا فائدہ پہنچے گا امیر المومنین؟

غلیظہ نے تالی بجائی تو کوئی خدمت حاضر ہو گئے۔ غلیظہ نے حکم دیا: حبيب ابو قحیسہ باہر کہیں نہ بچھپائے کھڑا ہوگا اس کو میرے پاس لاؤ۔

قاضی ابو سعد پھر پریشان ہو گیا اور درخواست کی: امیر المومنین! حبيب ابو قحیسہ کو اس مسئلے سے دور رہی رکھیں تو اچھا ہے۔

غلیظہ نے جواب دیا: میں اس سے مشورہ کر کے کوئی جواب دوں گا۔

قاضی ابو سعد نے عرض کیا: لیکن حضور والا، قاضی ابو

تاقی ابو سعد نے کہا: لیکن میں اپنی بات کا جواب ہوں
یا نہ میں لے کر بیان سے جاؤں گا؟
حاجب ابوتیسی نے جواب دیا: اور یہ جواب آپ کو کوئی
بھی نہیں دے گا؟

تاقی ابو سعد نے پوچھا: پھر بات کس طرح بنے گی؟
ابوتیسی نے جواب دیا: میں آپ کے ساتھ ٹکے چلوں گا
اور وہاں میں سلطان کو قائل کروں گا کہ وہ یہ خواہش اپنے دل و
دماغ سے نکل رہی ہے۔

تاقی ابو سعد مسکراتے لگا: لیکن سلطان مجھے میں نہیں ہے
جب میں وہاں سے لوں گا، اس کے لیے چلا تھا، سلطان آذربائیجان،
جیل ارمینیا پاسنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔
ابوتیسی نے اپنے ذہن پر زور دیا: اور سلطان کا وزیر
بغض کندی مال مستعد ہے۔

تاقی ابو سعد نے جواب دیا: ہاں اس کو میں مجھڑ آیا
ہوں، میں یہ بات سوں، اس سلسلے میں وہ بھی بہت کچھ
ارد مجبور ہے۔

خلیفہ نے درشت لہجہ میں کہا: "میں یہ رشتہ قبول نہیں
رہتا، حاجب ابوتیسی سلطان یا ابوالنصر کندی کو اس سلسلے میں
دلیلوں سے قائل بھی کرے گا؟"

تاقی ابو سعد نے کہا: "لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں
سلطان، شہر تو میں ہی ہیں مگر اس نے جو بات سوچتی ہے وہ پوری
کرتے رہتے گا؟"

خلیفہ نے قاضی کو منہ کیا کہ وہ اصرار نہ کرے کیوں کہ اس
سے خلیفہ کو ذلت ہی محسوس ہوتی ہے۔

ابوتیسی نے کہا: "میں تیرے ساتھ، سے چلوں گا اور
ہیں جو جواب دینا ہے وہاں سے دیا جائے گا؟"

تاقی ابو سعد نے عرض کیا: یوں تو خلافت ماب کو
انتہا بہت کم ہوتا ہے کہ یہ یقین آپ کے منہ کو، طریقہ کار سے
میں تو رعایت ہو گا؟

حاجب ابوتیسی نے جواب دیا: "لیکن یہ اوقار امیر ابوشامہ
سے تو بہت کم تو نہیں ہو سکتا؟"

خلیفہ ایک مشتعل ہو گیا پھر ہر طرف ہر طرف
سے چلا دیا، یہاں تک کہ ابوتیسی کے ساتھ ان کے قتل کی قیادت نہ
ہوئی تو یہاں اس کو خواہش نہ رہی، قیادہ دنیا بھرتی
میں اس کے ساتھ اس کی حالت پر پانی پھر دیا؟

تاقی ابو سعد نے اپنے قاتل و قاتل کی تائید و التماس
سے ان کی قیادت پر پانی نہ چھوڑا، یہ سلطان نے ان کی قیادت سے

رشتہ مانگا ہے، ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ آپ خلیفہ خانہ سے نہ لائے
ہلے تھا کہ یہ رشتہ طاقت سے کر دیا جاتا؟

خلیفہ ناراض ہو کر اٹھ چلا گیا اور ابوتیسی کو ننگ دیا، اس کو
دفع کر اور کل ہی اسے چلا جا، وہاں سلطان موجود ہو تو اس کو
صاف صاف بتائے کہ یہ رشتہ نہیں ہو سکتا، کسی طرح نہیں
ہو سکتا اور اگر سلطان موجود نہ ہو تو ابوالنصر کندی سے مل کر اس
کو اس کا فائدہ میں بتائے کہ میں یہ رشتہ نہیں کر سکتا۔

ابوتیسی نے دسبے لفظوں میں گزارش کی کہ اگر بات نہ
ہوئی اور سلطان اپنی ضد پر قائم رہا تو؟

خلیفہ نے سوچتے ہوئے جواب دیا: تب پھر سلطان یا
وزیر ابوالنصر کندی سے کہتا کہ اگر سلطان یہ رشتہ چاہتا ہے تو اس
واسطے سے عزم ہونا پڑے گا اور اس سے اس کو دینے نہیں را
کرنا ہوں گے؟

ابوتیسی نے قاضی ابو سعد کا ہاتھ پکڑا، اور محل سے باہر
آیا، اس نے قاضی کو سوجھایا: آپ نے یہ رشتہ جس طرح خلیفہ
سے مانگا تھا وہ ذرا ہلکا، نیز تھا، خلافت ماب کی جگہ جوگی
موجود ہوتا وہ اسی طرح اٹکار کر دیتا؟

تاقی ابو سعد نے جواب دیا: میں ایک میدان سارو
آدمی ہوں، میں گھبرا پھر کر باقی نہیں کرتا؟

ابوتیسی نے کہا: تو جس کام سے یہاں آیا تھا وہ نہیں
ہو ماب میں تیرے ساتھ ٹکے چلوں گا اور اس سے یہاں تو میں
سلطان یا ابوالنصر کندی کو اس بات پر آمادہ کروں گا کہ وہ اس
رشتے سے دستبردار ہو جائے؟

تاقی ابو سعد نے محسوس کیا کہ ابوتیسی کی باتوں میں
اس کے لیے ادب و احترام نہیں پایا جاتا تھا، اس نے قاضی
ابو سعد سے پوچھا: جب میں جیل یا خلیفہ کی خدمت میں پیش
کیا گیا تو یہی میرا احترام کر رہے تھے لیکن اب ایسا نہیں ہے؟
ابوتیسی نے جواب دیا: سلطان نے مجھ سے جو کہا دیا
ہے، اس سے میری ہمت میں ہوتا تو اٹکار کر دیتا؟

تاقی ابو سعد نے کہا: "میں نے کوئی غلط بات نہیں کی۔
میں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں؟"

تاقی ابو سعد نے بنیاد میں مزید بحث مانگا، سب سے پہلے
ابوتیسی کے ساتھ ہی رہے، روانہ ہوا، تاقی ابو سعد کو
بیک بنی و کھڑا دیکھ کر وہ دیکھ کر قائل نہ کر سکا۔

ابوتیسی کے ساتھ پہنچ کر وہی اور تھے اور یہ سب زمین
پر تھے، قاضی ابو سعد کے ساتھ جو لوگ تھے، میں بھی اپنی نااہلی
کسی نہ انہوں نے تھا۔

جب ایک بات سلطان نے اپنے طور پر کر لی ہے تو اس میں نہیں یا التوا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ابو قیس نے حیرت سے ابو نصر کو دیکھا کہ یہ معاملہ سلطان ایک طرف تو طے نہیں کر سکتا کیا خلیفہ کو اپنی بیٹی پر کوئی اختیار ہی نہیں؟

ابو نصر نے بڑے غصے سے جواب دیا: امیر المومنین کو اپنی بیٹی سیدہ پر اتنا ہی اختیار ہے جتنا انھیں اپنی خلافت اور حکومت پر۔

ابو قیس کے ہوش ٹٹ گئے۔ وہ ابو نصر کے لیے میں زبردستی اور جبر محسوس کر رہا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس دشوار شان سے کس طرح بات کر رہے اس کی زبان سے بے اختیار نکلتا یہ شادی ہو تو جیسے ہی امیر المومنین کا خیال ہے کہ اس میں سلطان کو نقصان ہی نقصان ہوگا۔

ابو نصر نے کمال سے اعتنائی سے جواب دیا: سلطان صرف سلطان ہے ایک بے مثال فاتح، وہ تاجر نہیں ہے جو نفع نقصان کے چکر میں پڑ جائے ویسے وہ نقصان کیا ہے اس سے ضرر نہ پہنچ کر دیتا۔

ابو قیس نے جواب دیا: امیر المومنین نے فرمایا تھا کہ اگر باتوں میں لچک پیدا نہ ہو تو سلطان پر یہ واضح کر دیا جائے کہ اسے اس معاملے میں واسطہ سے بات نہ چھوڑا پڑے سگے لوگوں کو دس لاکھ دینار بھی ادا کرنا ہوں گے۔

ابو نصر جیسے لگا: دیکھو وہی عدا جو میں نے سوچ رکھا تھا یہ کوئی بڑا معاملہ نہیں ہے، تم دس لاکھ دینار کی بات کرتے ہو جبکہ سلطان نے اس سے کہیں زیادہ کا سوچ رکھا تھا۔

ابو قیس نے کہا: لیکن اس کے باوجود بات کہے نہیں پڑھتی، امیر المومنین نے مجھ کو یہاں اس لیے بھیجا ہے کہ میں سلطان کو یا آپ کو یہ صاف صاف بتا دوں کہ انھیں یہ رشتہ بالکل منظور نہیں، سلطان امیر المومنین سے قرابت داری کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔

ابو نصر کی غصی آگئی: سبحان اللہ کی سر کے کی بات ارشاد فرمائی ہے آپ نے قرابت داری کا خیال ہیہ کیا چیز ہے؟ سلطان اور امیر المومنین تو کب کے ایک دوسرے کے قرابت دار ہو چکے، جس دن سلطان نے اپنی بیٹی امیر المومنین کو امیر المومنین کی ندرت میں دیا تھا قرابت داری تو اسی دن شروع ہو گئی تھی۔

ابو قیس بار بار جواب دیتا جا رہا تھا اس نے صبر ہو کر جواب دیا: دیکھو بھائی ابو نصر میں جانتا ہوں کہ امیر المومنین

میں سے ایک منزل پہلے انھیں ایک قائد اپنے سامنے سے آنا دکھائی دیا۔ قاضی ابو سعد نے اس قافلے میں چند شناسا صورتیں دیکھیں مثلاً ابو نصر کندی اور اس کے چند ساتھی۔ دونوں قافلے آتے آتے خیمے نصب کر کے ٹھہر گئے۔

قافلے پہنچنے سے فاش ہوتے کے بعد قاضی ابو سعد دوسرے قافلے میں چلا گیا اور تلاش کر کے ابو نصر کے پاس پہنچ گیا۔

ابو نصر بھی اس کو دیکھ کر خوش ہوا اور پوچھا: کیا ہوا کیا خلیفہ نے تیری بات مان لی؟

قاضی ابو سعد نے جواب دیا: ابھی نہیں، وہ توڑا کاٹیاں نکلا، خلیفہ تو اپنے پتے پر ہاتھ ہی نہیں رکھنے دیتا۔ ابو نصر نے پوری تفصیل بتانے کے بعد کہنے بنایا لیکن میں امیر المومنین کے پتے پر ہاتھ رکھ دوں گا۔

قاضی نے اسے بتایا کہ اب آپ سے واپس چلیں، کیوں کہ امیر المومنین نے اپنے صاحب ابو قیس کو میرے ساتھ کر دیا ہے اور اسے اختیار دیا ہے کہ وہ سلطان یا آپ سے مل کر جو فیصلہ کرے گا خلیفہ کو قبول ہوگا اب آپ کو بندہ نہیں جانا پڑے گا۔

ابو نصر اور اس کے آدمیوں نے اپنا سامان بیٹھا اس قافلے میں شامل ہو گئے جو دسے جا رہا تھا، وہ صاحب ابو قیس سے ملا اور کچھ دیر بات کرنے کے بعد اس نے ابو قیس کی زیارت کا اندازہ لگایا وہ خلیفہ پر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کہ اس نے اپنا دلیل بھی کہے بتایا جس کی ذہنی سطح خلیفہ سے زیادہ نہیں ہے۔

ابو قیس کو ابو نصر نے شاہی مہمان کی طرح قیام و طعام کی سہولتیں ہم پہنچائیں لیکن وہ جس مقصد سے اسے آیا تھا اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔

ابو قیس نے جب بھی اس سلسلے میں ہمت کرنا چاہی، ابو نصر نے ہی کہا: جناب اس میں جلدی کی کیا بات ہے، سحر کی تکان تو دور کر لیں وہ بات بھی ہو جائے گی۔

ابو قیس نے دو دن قیصر سے کام لیا لیکن تیسرے دن مصر چلا گیا، جناب ابو نصر کندی! میں آپ کے جو بات کرنے آیا ہوں اسے آپ مزید التوا میں نہ ڈالیں۔

ابو نصر کندی مسکراتے لگا: جناب والا! جو کام ہوتا ہے وہ تو ہو گا ہی، اس میں التوا کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟

ابو قیس نے حیرت سے پوچھا: آپ نے کسی طرح سمجھ لیا کہ یہ کام ہونا ہی ہے؟

ابو نصر نے ابو قیس کی آنکھوں میں ہانکھیں ڈال کر بتا دی۔

اسی رشتے کی بات کو بالکل پسند نہیں، فرماتے اور میں یہی بتانے سے آیا ہوں؟

ابو نصر نے کہا: آپ نے ناتق زحمت کی۔ جیسا کہ آپ نے خود دیکھ لیا کہ میں بندہ دارم تھا اور میں بغداد میں امیر المومنین سے صرف ایک بات کرتا۔ مجھ کو شادی کے دن اور تاریخ سے مطلع کر دیا جائے پس اس کے علاوہ میں کوئی بات نہ کرتا؟

ابو تمیمی نے بہت جلد اندازہ لگایا کہ یہ آدمی جس کو ابو نصر کہتے ہیں کم از کم اس کے پس کا نہیں ہے۔ وہ لا جواب ہو چکا تھا۔ اس نے پوچھا: پھر کیا طے پایا؟ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟

ابو نصر نے جواب دیا: میں آپ کے ساتھ بغداد چلوں گا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اب میں امیر المومنین سے شادی کے طے انداز تاریخ کی بات کر رہا ہوں؟

ابو تمیمی نے خدشہ ظاہر کیا: یہ بات جو آپ کر رہے ہیں اس میں بڑے خطرات ہیں کیوں کہ امیر المومنین یہ بات سننا ہی نہیں چاہتے۔ وہاں آپ کو ہاں خطرے میں ہوگی؟

ابو نصر ہنسنے لگے: میں موت سے نہیں ڈرتا کیوں کہ جو شے رازی ہو اس سے کیا ڈرنا؟ پھر آپ کو یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ جو کاروبار خلافت اور سلطنت دنیا کو نظر آ رہا ہے وہ میرے ساقا میرے سلطان طفل ہی کے دم قدم سے ہے۔ امیر المومنین میرے بدخواہ نہیں ہو سکتے۔

ابو تمیمی نے عاجز اس کے جواب دیا: جب آپ یہ سب باتیں عرض کریں یہ معاملہ آپ ہی پر چھوڑتا ہوں آپ جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہوگا؟

ابو نصر نے ابو تمیمی کے اعزاز میں شاندار ضیافت کی۔ یہ خبر بادشاہ کے میں مشہور ہو گئی کہ خلیفہ کا صاحب ابو تمیمی سلطان طفل کی شادی کے دن تاریخ طے کرنے آیا ہوا ہے۔ یہ خبری عمل میں پہنچ چکی۔ انھیں شہزادہ سلیمان کی ماں اس خبر سے بہت عین ہو رہی تھی۔ وہ ابو تمیمی کو کہیں میں جانا چاہتی تھی لیکن اسے ذرا یہ نہیں مل رہا تھا جس سے وہ ابو تمیمی کو اپنے محل میں جواہریتی۔

آخر اس نے خمار تین کو حلیب کر لیا۔ عجب وہ محل میں شہزادے کی ماں سے ملا تو وہ نرم ہو گئی۔ یہ تو کس شہزادے دہرے بنے گا؟ کس شہزادے سے وزارت طفل کا منصب سنبھالے گا تیری کارروائی تو اس لائق نہیں کہ تجھ پر کسی بڑے کام کو ترجیح دے۔

خمار تین مسکراتا رہا: آپ مجھ پر خوب گرم ہو رہیں خوب بڑا جہاد کہ میں یہاں پوچھ چکا ہوں کہ مجھ پر یہ بڑی کیوں ہے؟

شہزادے کی اس سلسلے پوچھا: یہ خلیفہ کا صاحب ابو تمیمی سے یہ کیا لینے آیا ہے؟

خمار تین نے جواب دیا: یہ تو عام سی خبر ہے۔ وہ سلطان اور شہزادہ کی شادی کے سلسلے میں بات کرنے آیا ہے۔ وہ بہت برکت برکت تھی۔ جب تو یہ جانتا ہے تو مجھ کو یہ بہتہ کر تو اس سلسلے میں کیا کر رہا ہے؟

خمار تین نے جواب دیا: میں وہ سب کر رہا ہوں جو مجھ کو ناپا ہے اور جو آپ کی پسند اور مرضی کے مطابق ہے؟

اس نے پوچھا: وہ کیا؟ مجھے بتاؤ۔

خمار تین نے جواب دیا: آپ کو چھ کی باتوں کام بن جائے تو کچھ بتاؤں بھی۔

وہ بہت پریشان اور سنبھل رہی تھی کہ کچھ قریب میں بھی تو کچھ سنوں کہ اس سلسلے میں تو کسے کیا کیا؟

خمار تین نے جواب دیا: ابو تمیمی جب سے اسے میں آیا ہے ابو نصر نے اس پر جبارانہ قبضہ کر رکھا ہے اس کو کسی سے نہیں ہی نہیں دیتا؟

اس نے بے صبر سے پن سے پوچھا: پھر؟ پھر؟ اس نے کیا کیا؟ تو بتائیے کیا کیا؟

خمار تین نے جواب دیا: پھر میں ابو نصر کے پاس خود ہی پہنچ گیا اس واقعہ جب ابو تمیمی کی پر مختلف دعوت کی گئی تھی۔ میں نے اس دن ابو نصر سے نظریں پکڑا کر پوچھی کہ ہاں صاف بتا دیا کہ یہ جو مجھ وہ لوگ باہر ہی بالہ کر رہے ہیں اس طرح مناسب نہیں ہے کیوں کہ یہ بات آپ کو بالکل پسند نہیں ہے؟

شہزادے کی ماں خوشی سے کھل گئی پوچھا: پھر اس نے کیا کیا؟

خمار تین نے جواب دیا: ابو تمیمی کہہ رہا تھا کہ یہ کام تیرا اختیار کا نہیں ہے۔ امیر المومنین کی طرف سے انکار ہے۔ اب آپ لوگ سلطنت کو متنبہ کریں کہ وہ اس سے باز رہے۔

شہزادے کی ماں نے کہا: کیا اتنا کافی نہیں ہے کہ یہ رشتہ یہ امویوں نے مسترد کر دیا ہے؟

خمار تین نے جواب دیا: میں اتنا کافی نہیں ہوں۔

ابو نصر مسلسل دباؤ ڈال رہا ہے کہ یہ رشتہ مسترد کر دیا ہے۔

ماں نے دونوں سٹھیاں بھینچ کر کہیں: یہ ابو نصر کا ہے۔

سچ ہے؟ اس کا کوئی علاج ہونا چاہیے؟ اس کا خمار تین نے پوچھا: کیا ایسا ممکن ہے کہ ابو تمیمی محل میں بھرے ہوئے حالات کو سہا کرے؟

خمار تین نے جواب دیا: بالکل ممکن ہے۔ آپ سلطان کی طرف سے خلیفہ کے صاحب کی دعوت کر سکتی ہیں؟

کے حکم عند موتی کروں :-
وہ بیوپار کہ کھری ہو گئی : میں یہ پرداشت نہیں کر سکتی کہ

1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 2679, 2680, 26

ذم سے ہے۔ شاید مسلمانانِ آسمان ہدایت نہ ہو لیکن اپنی نفسِ مستحق کو مجبور کر رکھتا ہے کہ یہ شادی ضرور ہونا چاہیے۔

ابو یحییٰ نے خوش ہو کر تائید کی کہ بالکل بالکل یہ شخص
خود کو عقل کل سمجھتا ہے۔ اس کو امیر المؤمنین کی عزت کا خیال
نہیں تھا جیسا ہے لیکن اب انصراہی اٹا اور اپنے بیٹے پن کے جھوٹے
مذہب کی خاطر کچھ بھی کر سکتا ہے۔

ابو ہشام بن عروہ کی نقل ہے کہ میں نے یہ خبر اس نے کہ
 میں نے ابو ہشام سے کہا تھا کہ وہ کسی بھی طرح سلطان کو اس خطاب
 سے باز رکھیں لیکن اس نے میرا شور نہ مٹایا۔

شہزادے کی ماں نے کہا: یہ کام ہم کریں گے سلطان کو
اس شادی سے ہم روک دیں گے۔

ابو جہمی نے وہ ساری باتیں ان دونوں کو بتا دیں جو پھر
 سے ہوئی تھیں۔ اس نے کہا: لیکن میں سننے پر معاملہ ابزنس پر چھوڑ
 دیا ہے کہ وہ جو بھی فیصلہ کرے گا میں منظور ہو گا۔

خوارکین نے مشورہ دیا کہ آپ اس سے متعرف

ابو یحییٰ نے پرمیاد مگر کیوں؟ کیا آپ سلطان کو شاہی سے باز رکھ سکیں گے؟

شہزادے کی ماں نے جواب دیا: میں پوری کوشش کروں
گی اور مجھے یقین ہے کہ کامیاب ہو جاؤں گی۔

یہودیوں کے لیے یہودیوں کے لیے یہودیوں کے لیے

میں نے ایک عورت کے گھر میں دیو۔ یہی نہ کہ بھانجھ کے لوگوں
کی آجھ کھل گئی۔ انھوں نے تو اُسے پھر در اسی وقت کو توں کے

پاس سے تھے۔ کونوں خواب کے چہرے کو غم کی کیفیت سے دیکھ کر
شش بیچ میں جھک ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں میں آ رہا تھا کہ
تاکید ملے کہ اسے آخر وہ خواب صبر و شکیں کے چہرے کو
میں سے ہا کر دے اور بتایا خواب کو غصہ تھا، اس سے ہوس سے

کو توں معلوم ہوتا ہے میرے اپنے ہفتے داویں ہوس میں نہیں ہے وہ
تو آدھی رات کو بچے نہ آتا۔ تجھے خود معلوم ہے نا چاہیے کہ جیسا کہ یہ
سہولت کے ساتھ آتا ہے تو

تو تو اس وقت پہنچا جس نے اسے لٹا کر ایک مارتی
 لٹا کر اس کے قید میں ڈال دیا۔

مقامی سطح پر ایسے ایسے کام کی ضرورت ہے جو ان کے لیے
مقامی سطح پر ہی کیے جاسکیں۔

خمارتگین نے بھی سواصلہ انزال کی۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔
ابوہشی ایک جہانگیرہ اور تجربہ کار انسان تھا، پوچھا اس
کا لکھن اس کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ وہ بھی تو معلوم ہو۔

خمارتگین نے جواب دیا۔ وہ میں بتاتا ہوں، آپ بغداد
جائیں اور امیر المومنین کو مشورہ دیں کہ وہ مجھے یعنی خمارتگین کو
درمیان میں لے آئیں۔ امیر المومنین مجھ کو حکم دیں کہ میں اس
معدلے میں ان کی مدد کروں اس کے علاوہ وہ اپنے خط میں
ابو نصر کو برا بھلا بھی کہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں
کہ ابو نصر سازشوں کے ذریعے امیر المومنین اور سلطان میں کشیدگی
پیدا کر سکتے ہیں۔ شمش کو دہاڑتے اور نہ سب کچھ نہ ہوتا۔ مجھے
یقین ہے کہ اس شادی کی خواہش کے پیچھے ابو نصر ہی کا فرما
ہوگا یا۔

شہزادے کی ماں خمارتگین کی تجویز اور مشورے سے
بے حد خوش تھیں اس نے ابوہشی کو یہ مشورہ دیا۔ امیر المومنین
سلطان کو حکم دیں کہ وزیر ابو نصر کو برطرف کر کے خمارتگین کو وزیر
بنادیا جائے۔

ابوہشی دونوں کی باتیں بڑی توجہ سے سنتا رہا۔ اس کے بعد
جواب دیا۔ آپ دونوں کی تجویز اور مشورے سے مجھے اتفاق
ہے لیکن میرا خیال ہے کہ ابو نصر اتنا کمزور نہیں ہے کہ آپ دونوں
اس کو اتنی آسانی سے بچھاڑ دیں۔ ابو نصر بے حد ذہین اور عقلمند
انسان ہے۔

خمارتگین نے نامانسی کا اظہار کیا۔ اگر آپ ابو نصر سے
مؤثر ہو رہے ہیں تو میرا مشورہ اور میری تجویز فضول ہے۔ اور آپ کو
یہاں یہ ذکر ہی نہیں چھڑنا چاہیے تھا۔

لیکن شہزادے کی ماں ابوہشی سے متفق تھی نہیں خمارتگین
یہ شخص ابو نصر کے بارے میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہے حرف بہ حرف
درست ہے۔

خمارتگین زیادہ ناراض ہو گیا۔ وہ کتنا ہی عقلمند کیوں نہ
ہو، کیا ہم ہمت ہار جائیں؟ ہمیں اس کا مقابلہ تو کرنا ہی
پڑے گا۔

ابوہشی نے جواب دیا۔ میں بغداد پہنچنے کے امیر المومنین
کو سب کچھ بتا دوں گا پھر وہ جو مناسب سمجھیں گے کریں گے۔
شہزادہ سلیمان نے سچا کتاہ بات کی۔ اور پھر جب میں
حکمران ہو جاؤں گا تو سیدہ کے رشتے کی بات میں کر دوں گا۔
میں تو اس کا ہم عمر ہوں شاید۔

ماں نے اس کو کانکھ دکھائی۔ ابھی تو تو خاموش رہ۔
ابوہشی نے کہا۔ اس نازک مسئلے پر کسی کو بھی اپنی زبان

نہیں کھولنی چاہیے۔

ان دنوں الطیف اور بریظ باقوں میں کئی ساعتیں گزر
گئیں۔ وقت کا کچھ بچا ہی نہ چلا۔ ابوہشی نے رات بھی محل ہی میں
گواہی خمارتگین کا مشورہ تھا کہ ابوہشی کو یہیں سے ہی بغداد
روانہ کر دیا جائے اس کو اب ابو نصر سے نہ ملنے دیا جائے۔
شہزادے کی ماں بھی اس تجویز سے متفق تھی۔ ابوہشی
بھی ان ساری باتوں کے بعد ابو نصر سے نہیں ملنا چاہتا تھا۔

ابو نصر اس کا انتظار کرتا رہا، اور جب وہ نہیں آیا تو اس
نے اپنے طور پر بغداد جانے کی تیاری کر لی۔ اس نے محل کے
دربانوں سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ ابوہشی ابھی محل ہی میں ہے۔
پھر جیسے ہی اس کو یہ خبر دی گئی کہ ابوہشی محل سے نکل چکا ہے
ابو نصر نے اس کا قصور ڈیر انتظار کیا اور پھر خود ہی بغداد
روانہ ہو گیا اس سفر میں قاضی ابو سعد کی عرص بطور خاص ابراہیم
ایٹال کے دونوں بیٹوں کو اپنے ساتھ کھانا دے کے علاوہ...
اور مالیں سپاہی بھی ساتھ تھے۔

مختلف سمتوں سے آنے والے کئی قافلے بغداد جا رہے
تھے اور ایک انداز سے کے مطابق ابوہشی کو انھی میں سے کسی
ایک قافلے میں ہونا چاہیے تھا۔

سب یہ لوگ سے سے نکل کر دس فرسخ کی مسافت...
ملے کر کے ایک جگہ خیمہ زن ہوئے تو اس سفر براہیم کے دونوں
بیٹوں کو حکم دیا کہ ان خیموں میں ابوہشی کو تلاش کیا جائے۔

کچھ دیر بعد ہی ابوہشی کا پتا چلا دیا گیا وہ تبریز سے آنے
والے ایک قافلے میں شریک سفر کر رہا تھا۔

ابو نصر نے دونوں بیٹوں سے پوچھا۔ تو تم دونوں کو یہ یقین
ہے کہ ابوہشی اس قافلے میں موجود ہے؟

بڑے لڑکے نے جواب دیا۔ میں اس کو اس کے کاہلی
گھوڑے سے پہچانتا ہوں۔ سب میں سے اس قافلے میں وہ ابھی
گھوڑا دیکھا تو مجھ کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ ابوہشی ہی کا گھوڑا ہے۔
پھر میں اسی کی مدد سے اس کے خیمے تک پہنچ گیا۔

ابو نصر نے پوچھا۔ تم دونوں اس سے ملے تو نہیں؟
بڑے لڑکے نے جواب دیا۔ ہم دونوں اس سے نہیں
ملے کیوں کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ملاقات تو آپ کریں گے اس
سازشی اور منافق انسان سے۔

ابو نصر نے پوچھا۔ تو تم دونوں مجھ کو اس خیمے تک پہنچا
سکتے ہو؟

دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔ بالکل... آپ
ابھی چلیں ابھی اس وقت۔

اس کے مسافر کو کیوں چکی کوئی خاص بات ہوئی؟
پستہ قنات تاجر نے جواب دیا: وہ بھی کچھ دیکھ رہی ہے
یہاں سے چلا گیا ہے۔

ابو نصر نے ڈانٹ کر پوچھا: وہ کہاں اور کیوں
چلا گیا ہے؟

پستہ قنات: جیسے ہمیں کہہ رہا ہے وہاں وہ گیا ہے
اور فضول سوال ہے۔ وہ کیوں اور کہاں گیا ہے؟

ابو نصر نے اس کو دھکی دیا: تو مجھے نہیں جانتا
اگرچہ ہوں تو تم سب کو قید کیسے نہیں دے دوں؟

پستہ قنات تاجر ڈر گیا: وہ دھرا اس طرف پسپے رہتی
گھوڑے پر سوار ہو کر گیا ہے؟

ابو نصر نے پوچھا: وہ اکیلا گیا ہے یا اس کے ساتھ
کچھ آدمی بھی ہیں؟

تاجر نے جواب دیا: میں نے اس سے پوچھا تو نہیں
سمجھ کر جواب دے دوں؟

ابو نصر نے ایک لمحہ خائفی کے بغیر تاجر کی بتائی ہوئی
سمت میں اپنے گھوڑے سے جھکا ناخبر رخ کر دیا اور ایک
فرسخ کے فاصلے پر ابوتیسی کو کھڑا کیا، ابوتیسی کے ساتھ چار سوار
بھی تھے۔



۱۱۱



ابو نصر نے ان دونوں کو ساتھ لیا اور مذکورہ خیمے تک
پہنچا۔ یہ جھوٹے خیمے تھے یہ جہاں کہہ رہے ابو نصر کو ابوتیسی کا اپنی
گھوڑا کی دیا جائے۔ اس نے ابو نصر سے پوچھا: آپ ابوتیسی کا
ظہر تو پہچان ہی لیں گے؟

ابو نصر نے جواب دیا: کیسے نہیں کیوں نہیں میں نے
نہیں دیکھا ہے کوئی بڑی توختہ اور شاگ سے دیکھا ہے اس
میں جھوک سی نہیں سکتا؟

یہ دونوں پر غصہ کر کے بندھے گئے جہاں تھیں دونوں
کے گھوڑے بندھے رہے تھے۔ ان میں ایک بھی جتنی گھوڑا نہ
تھا۔ ابو نصر نے پوچھا: کہاں ہے وہ، ابوتیسی گھوڑا جس کو تم دونوں
نے ذکر کیا تھا؟

دونوں بھائی پوچھ رہے تھے۔ دونوں نے ایک
سر سے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

پھر ایک نے کہا: ہم نے اس کو یہیں انھی گھوڑوں میں
دیکھا تھا۔ آپ یقین کریں؟

ابو نصر نے جواب دیا: مجھے تو تھوڑی بات کا یقین ہے
مگر اب یہ بتاؤ کہ کہاں ہے وہ گھوڑا؟

بڑے بھائی نے غصہ سے کہا: ہم اب یہ کہیں ہیں
سوچتا ہوں کہ آخر یہ ہوا کیا؟

ابو نصر نے کہا: اب اس خیمے تک اور پہنچا دیجئے
شاید وہیں ابوتیسی سے ملاقات ہو جائے اور میں اس سے
اس کے اہلی گھوڑے کا پتا پوچھوں۔

دونوں کو بے مدافعتی تھا کہ ابو نصر دونوں پر یقین
نہیں کر رہا، دونوں بے یقینی کا شکار ہو چکے تھے لیکن اس
کے باوجود ابو نصر کو ابوتیسی کے خیمے کے در پر پہنچا دیا گیا۔

دونوں نے ابو نصر کو مذکورہ خیمے کے سامنے پہنچا دیا
اور کہا: یہ راوی خیمہ یقین نہیں کہ انہ کوئی موجود ہے
ہوگا؟

ابو نصر نے دونوں کو تسلی دی: تم دونوں مت ڈرو،
ان علامات میں ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے؟

اس تسلی سے دونوں بھائیوں کی جان میں جرات آئی
ابو نصر نے خیمے میں جھانک کر دیکھا وہاں کوئی بھی نہ

تھا وہ خالی پڑا ہوا تھا
ایک پستہ قنات سوار گھڑیوں کی بے مینی اور

سینہ زاری دیکھ رہا تھا اس نے پوچھا: آپ لوگ کس کو تلاش
کر رہے ہیں؟

ابو نصر نے خیمے کی طرف اشارہ کر کے زمین کو۔

پایا، سلطان یا وزیر ابوالنصر کندی سے کیا ملے پایا، انھوں نے میری بات مانی یا نہیں؟

ابوہشام نے انشردگی سے جواب دیا: سلطان کا وزیر ابوالنصر کندی بڑا کانٹا نہیں نکلا، اس کے پاس ہمارے ہر سوال کا جواب موجود تھا۔

خلیفہ کو غصہ آ رہا تھا: پھر کیا ملے پایا؟

ابوہشام نے جواب دیا: "امیر المومنین کی دعا سے میں نے اس مسئلے کو ابوالنصر کندی کے سپرد کر دیا ہے۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ تو جو فیصلہ کرے گا ہمیں منظور ہوگا۔"

خلیفہ کو اس کی حماقت پر افسوس بھی ہوا اور غصہ بھی آیا: یہ تو نے کیا کیا؟ سارے اختیارات ابوالنصر کندی کو سونپ دیے اور اب وہ وہی کرے گا جو اس کا ارادہ اس کا مقصد سے وہ شادی کرنے پر ہمیں مجبور کرے گا۔

ابوہشام نے خلیفہ کو خوش فہمی سنائی: "میں کل میں ولی عہد شہزادہ سلیمان کے پاس بھی گیا۔ میں نے اس کی ماں سے بھی ملاقات کی جو پہلے پختی داؤد یعنی سلطان طغرل کے بیٹائی کی بیوی تھی۔ سلطان اس کو بہت چاہتا ہے وہی خمار تخمین بھی موجود تھا، یہ مشہور سپہ سالار اور سلطان کا مصائب خاص ہے۔ یہ سب سلطان کی اس خواہش کے خلاف ہیں اور ان سب کا ایک ہی خیال ہے کہ اس شادی کے پیچھے ابوالنصر کا ہاتھ کار فرما ہے نہ ہی سلطان کو اس شادی پر مجبور کر رہا ہے۔"

خلیفہ نے پُر امید لہجے میں کہا: اگر یہ بات سب سے تو اس شادی کو ٹال دینا زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔

ابوہشام نے عرض کیا: بالکل اسی طرح میں بھی سوچ رہا ہوں۔ اب ہمارا کام بس اتنا ہے کہ ہم خمار تخمین کے وسیلے سے شہزادہ سلیمان کی دل سے باتیں کریں اور اس کو لالچ دیا جائے کہ دولت کہ دینار پیشی میں جو حد سے اور معاہدے کے ساتھ ہی مل جائیں گے اور میں لاکھ اس وقت ملیں گے جب ابوالنصر کو وزارت عظمیٰ سے ہٹک دیا جائے گا۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

خلیفہ نے اس سے اتفاق کیا اور یہ تجویز کیا کہ خمار تخمین و شہزادہ کی دل سے بات چیت خط کے ذریعے مکمل کی جائے۔

پہنچا خیر ابوہشام نے شہزادہ سے اور خلیفہ کے ایکا، پختی امین کو ایک خط لکھا کہ اس خط میں ابوالنصر کی شہادت کی کئی قسمی خمار تخمین کو معدوم ہو کر نہایت تکب اور سلطان طغرل

میں بے گانیاں اور غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہیں۔ ایک ایسا مسئلہ جو خلافت مآب اور سلطان کے مابین کسانیت سے ملے سکتا ہے ابوالنصر اس کو غیر ضروری طور پر طول سے رہا ہے اور اس کو اپنی عزت نفس کا مسئلہ بنالیا ہے۔ ہمیں سلطان طغرل کے تخلصین میں تو سب سے زیادہ ذہین اور تخلص نظر آیا اس لیے ہم تجھ سے رجوع بہرست میں رہتا ہوں یہ خط سلطان کو دیکھا مکت سب سے اور سلطان مرید باور کا دستہ کہ ہم سلطان طغرل کے ہی خواہ ہیں۔ سلطان اگر چاہے تو بھی خلافت مآب یہ خوشگوار تعلقات نہیں ہونے دیں گے۔ اس لیے خلافت مآب کا سلطان کو یہ مشورہ ہے کہ وہ ابوالنصر کو وزارت اعلیٰ کے منصب سے جلد از جلد ہٹک دوش کرے۔

یہ خط چپ چاپ خمار تخمین کو روانہ کر دیا گیا اور جواب کا انتظار کیا جانے لگا۔

ابوالنصر نے شروان میں قیام کیا اور یہاں سے خلیفہ سے باتیں ہونے لگیں۔ خلیفہ بات کو قبول دینا چاہتا تھا لیکن ابوالنصر کو جلدی تھی کہ شادی کا معاہدہ جلد از جلد ملے ہو جائے۔ ابوالنصر نے خلیفہ کو مطلع کیا کہ چوں کہ امیر المومنین نے سلطان کا رشتہ قبول کر لیا ہے اس لیے میں سلطان کی عزت و تارخ اور دن ملے کرنے آیا ہوں۔

خلیفہ کو یہ بات بالکل پسند نہ آئی اور اس نے ابوالنصر کو ڈانٹے اور ذلیل کرنے کے لیے اپنے قصر میں طلب کر لیا۔

ابوالنصر نے خلیفہ کے پاس جانے سے پہلے سلطان کو یہ لکھ کر روانہ کر دیا۔

"اللہ کے فضل و کرم اور سلطان کے بخت و اقبال سے میں نے ساری معاملات ملے کر لیے ہیں۔ خلافت مآب سیدہ کانکاز آپ سے کریشہ پر رخصت ہو گئے ہیں میں دل اتنا رنج ملے کہ میں قصر خلافت جا رہا ہوں۔"

یہ مختصر خط سلطان طغرل کو آذر بائیجان روانہ کر کے وہ خود قصر خلافت چلا گیا۔

حاجب ابوہشام نے اس کا پرتیاک استقبال کیا لیکن ابوالنصر اس تپاک میں شہزادہ فتنہ کی جو محسوس کر رہا تھا۔ حاجب ابوہشام نے پوچھا: آپ یہاں کیا بات کریں گے؟

ابوالنصر نے جواب دیا: ابوہشام تم خوب جانتے ہو کہ

امجد نے کہا: اور میں خمار تگین کو اس لیے نہیں بچوں گا کہ اس شخص نے میرے باپ کے خلاف جنگ میں پرجوش حصہ لیا تھا۔

ابونصر نے دونوں کو بتایا: اور تم دونوں ہمیشہ یہ بات بھی یاد رکھنا کہ خمار تگین ہی وہ شخص ہے جس نے سلطان طفیل اور تھار سے باپ ابراہیم انیل کے تعاقبات میں کشمیری پیداکو اور پھر ان کو اتنی ہمدردی کہ بات جنگ و جدل تک پہنچ گئی، اور پھر جو کچھ ہوا، تم دونوں کی تہی دنیا پر عیاں کر رہا ہے۔

اسامیل کو انا غصہ پڑھا کہ وہ کھڑا ہو گیا میں اس کا ابھی کام تمام کر دوں گا۔

امجد نے کہا: میں بھی ساتھ چلوں گا اور اس کا خیر میں آپ کا ساتھ دے گا۔

لیکن ابونصر نے ان کو ٹھنڈا کیا: نہیں، ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے، اس کام کا بھی ایک وقت ہے جب وہ وقت آئے گا تو میں تم دونوں کو اس سے مطلع کر دوں گا۔
دونوں خاموش رہے مگر میں اب وہ خمار تگین کو ٹھکانے

لگانے کے لیے یہ چین ہو رہے تھے۔
صبح کے وقت ابونصر دیوان رسالت میں گیا تو اسے معلوم ہوا کہ سلطان آند بانیات سے ہمدان چلا گیا اور وہیں مقیم ہے۔

خبروں کہ سلطان کے خطوط اور رسالت ہیں آتی تھیں اس لیے خمار تگین بھی یہاں موجود تھا اس کو بھی سلطان کی طرف سے اس کے سابقہ خط کا جواب موصول ہو چکا تھا۔

سلطان نے خمار تگین کو خط لکھا تھا: اگر ابونصر کسی قسم کی زیادتی کر رہا ہے تو کچھ دن مہر سے کام لو، میں اگر سب ٹھیک کر لوں گا اور ابونصر کو اس کے کیے کی مراد ہی جلائے گی۔
لیا لائی تم لوگ خاموش رہو۔

خمار تگین نے یہ خط پڑھا تو اسے بڑی خوشی ہوئی اب وہ اس بات پر چکا تھا کہ کسی بھی وقت ابونصر پر پھر پورا وار کر کے اس کا قصہ ہی ختم کر دے۔

دیوان رسالت میں دونوں کا آنا سامنا ہو گیا خمار تگین نے ابونصر کو سلام تک نہ کیا۔

ابونصر نے اشارہ کیا: دیکھ خمار تگین! تو مجھ کو نہیں جانتا۔ میں تیرے جلسے سے نہیں ہلوں گا، میں اپنی جگہ مضبوط اور مستحکم ہوں اس لیے میرے خلاف سازشیں نہ کر۔

میں یہاں کیوں آیا ہوں، پھر مجھ سے یہ سوال کیوں کر ہے ہو؟ ابونصر نے کہا: اس سے پہلے جو بھی بات ہوئی خلافت ماب کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔

ابونصر نے جواب دیا: لیکن تم نے مجھ سے جو باتیں کہیں وہ میں نے سنان کو لکھ کر بھیج دیں، اور میں جیسا کہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ یہاں دن تاریخ طے کر سنا یا ہوں۔

ابونصر نے کہا: اگر تم نے سلطان کو کچھ لکھ دیا ہے تو ہم اس کے پابند نہیں ہیں اور اب شاید خلافت ماب تم سے ملنا بھی گوارا نہ کریں۔

ابونصر برہم ہو گیا: ابونصری! تم میری سب سے بڑی بات ہو اور میں اپنی ہشک برداشت نہیں کر سکتا۔

ابونصر نے جواب دیا: ابونصر! تم سلطان کے وزیر ہو اور میں امیر المومنین کا صاحب، ہم دونوں اپنے اپنے ولی نعمت کی مرضی اور خواہش پر کام کر رہے ہیں، خلافت ماب کی اعمال تم سے نہیں ملنا چاہتے اس لیے میں مجبور ہوں۔

ابونصر نے پوچھا: تب پھر مجھ کو کتنے دن انتظار کرنا ہوگا؟

ابونصر نے جواب دیا: میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن میرا یہ مشورہ ہے کہ فی الحال تم سے واپس جاؤ پھر جب یہ امرین کو تم سے بات کرنا ہوگی فوراً ہوا لیا جائے گا۔

ابونصر خوب سمجھ رہا تھا کہ معاملے کو کیوں طول دیا جا رہا ہے اسے اندازہ تھا کہ اس کا کسی نہ کسی طرح ختم ہونے کی مال اور خمار تگین سے تعلق ضرور ہوگا۔

اس نے ابونصری کو تنبیہ کیا: ابونصری! میری بات یاد رکھنا کہ تم لوگ وقت کو جس مقصد سے طول دے رہے ہو وہ نہیں حاصل نہیں ہوگا، تھار سے ہمارے عارضی اور مہربان کامیں تم فریب اور خوش فہمی میں زندگی گزار رہے ہو، میں اس وقت تو چلا جاؤں گا لیکن بہت جلد واپس آؤں گا اور پھر بات کا وہ دن تاریخ طے کر لوں گا۔

ابونصر خستہ میں اسے واپس چلا گیا، ابراہیم انیل کے دونوں بیٹے ابونصر کی برہمی سے واقف ہونا چاہتے تھے لیکن ابونصری، لعل ان دونوں سے کوئی کام نہیں لینا چاہتا تھا لیکن ان دونوں کو ہر وقت اپنے ساتھ بھی رکھنا چاہتا تھا۔

ابن سیم انیل کے دونوں بیٹے اسامیل اور امجد ابونصر کی سب سے مہربان سبب جانتا چاہتے تھے، ان دونوں کے لیے ہمدان پر ابونصر نے کہا: تم دونوں خمار تگین سے تو اچھی طرح واقف ہو؟

اسامیل نے جواب دیا: خوب اچھی طرح۔

خمار تخمین نے جواب دیا: میں آپ کے خلاف کوئی سازش نہیں کر رہا آپ مجھ پر الزام نہ لگائیں۔
 ابو نصر نے ابو نعیم کا دواغداد دیا یا تو سننے میں جو کچھ
 کا وہ اچھا نہیں تھا۔

خمار تخمین نے بے پروائی سے جواب دیا: آپ بھی جو کچھ کر رہے ہیں بہت بُرا کر رہے ہیں۔

ابو نصر نے کہا: یہ تو خیر وقت بتائے گا کہ آگ سے کون کھیل رہا ہے۔ میں نے دوشکاری کے پالے میں، میں سب پاجوں گان کو تیری طرف دوڑاؤں گا پھر وہ جو کچھ کریں گے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

خمار تخمین نے ابو نصر کو دھکی دیا: میں بن کنول کا حال سلطان کو لکھ بھیجوں گا تاکہ سب کچھ ان کنول سے مجھے نقصان پہنچے تو آپ کو بھی کنول کے ساتھ سزاوار ٹھہرایا جائے۔

ابو نصر نے اسے اجازت دے دی: میری طرف سے اجازت ہے تو سلطان کو جو چاہے لکھ دے۔
 خمار تخمین نے کہا: تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہم دونوں میں جنگ کی ابتدا ہو چکی ہے۔

ابو نصر نے جواب دیا: نہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوا کیوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات کہ ہم دونوں میں جنگ کی ابتدا ہو چکی ہے ابتدا آج نہیں دنوں پہلے ہو چکی ہے اسی دن جب تم لوگوں نے ابو نعیم کو دعوت کے بہانے ایک رات میں ہی روک لیا تھا اور پھر دوسرے دن بالائی بلا اسے بے دروازہ کر دیا تھا۔

خمار تخمین نے صفائی پیش کی: یہ ابو نعیم کا مسئلہ تھا اور پھر محل میں دعوت میں نہ نہیں کی تھی شہزادہ سلیمان کی ماں نے کی تھی اس دعوت کا میری ذات سے کیا تعلق ہے؟
 ابو نصر نے جواب دیا: یہ تعلق تو میں ثابت کر دیں گا تو فکر نہ کر۔

خمار تخمین نے کہا: میں کسی بات سے بھی نہیں ڈرتا میرے ساتھ شہزادہ سلیمان پہنچے اس کی ماں اور پورا محل ہے۔ میں جی دیکھوں گا کہ محل کا کون فلاں آپ کا ساتھ دے گا؟

ابو نصر نے جواب دیا: مجھ کو کسی کی ضرورت ہی نہیں۔ میں سننے جو کہ دیا تو میرے پاس دوست تھے اور وہ تیرے لیے کالی ہیں۔

خمار تخمین ابو نصر کا مذاق اڑانے لگا: آپ کتنے لائبریریئر لائبریں جیسے نہیں میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے بعد خمار تخمین سیدھا محل گیا اور وہاں شہزادے کی ماں سے ملاقات کی اور اپنی تشویش سے آگاہ کیا۔ ابو نصر کہتا ہے کہ اس نے دوستوں کے پل رکھنے میں جو مجھے چشمہ لک میں پھیر بیٹھا کر رکھ دیں گے۔ آپ آپ ہی بتائیں کہ میں ان سے کس طرح محفوظ رہوں؟

شہزادے کی ماں نے جواب دیا: ابو نصر دھکیاں دے رہا ہے اور تو ان دھکیوں سے ڈرنا بہا ہے۔

خمار تخمین نے جواب دیا: میں دھکیوں سے اس کی ضرورت نہیں، مجھ میں صرف یہ سوچا رہا ہوں کہ اگر اس کے پاس دوشکاری شکاری کتے ہوئے اور اس نے رات کی تاریکی میں وہ دونوں مجھ پر پھینک دیئے تو میں کیا کروں گا؟

شہزادے کی ماں نے کہا: میں اتنی ہی سٹاک کی ابو نصر کے ہاتھ میں رکھتی ہوں اور اس کے خلاف کوئی حکم حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔

خمار تخمین نے اطمینان کی سانس لی: ٹھیک ہے یہ کام بدم از بلد ہونا چاہیے۔

اس دوران سلطان نے ہوان سے خط لکھ کر ابو نصر کو بلایا کیا شادی کا مسئلہ اتنا میں کیوں پڑ گیا؟ اگر فیضت پر رشتہ قبول کر لیا ہے تو تم اس مسئلہ خاتون کے ساتھ بقدر چلے جاؤ اور بات چلی کر لو میں سننے اس وقت خاتون کو بھی ملکہ دیست تم لوگ اپنے ساتھ ایک لاکھ دینار نقد اور ایک لاکھ دینار کے جوہر بھی لیتے جاؤ۔۔۔ اور انھیں فیضت کی خدمت میں پیش کر دو۔ ابو نصر مل گیا اور اس مسئلہ خاتون کو مطلع کیا کہ سلطان کے حکم کے بموجب آپ میرے ساتھ جہادو جائیں گی۔

اس مسئلہ خاتون کو بھی سلطان کا خط مل چکا تھا اور وہ بہر ہو گئی لیکن دل سننے: اسے چند دنوں کے لیے انوار میں ڈال دیا کیوں کہ اس نے سلطان کو ابو نصر کے خلاف جو کچھ کہہ بھیجا تھا ان جواب سننے سے پہلے ابو نصر کو اسے سے باہر نہیں جانے دینا چاہتی تھی۔

ابو نصر نے اصرار کیا: میں اس مسئلہ کو مزید انتظار میں ڈال سکتا، اس لیے آپ مدخلت نہ فرمائیں۔

شہزادے کی ماں نے جواب دیا: دخل میں نے ہی ہوں اس لیے میں اس وقت سے دوشکاری باؤں کی درمجمہ سے ہی اس کا جواب طلب کیا جائے گا۔

ابو نصر نے کہا: ہمیں آپ کی مرضی دلیجے میں آپ کو اس خط سے سننے کا کہہ دوں جو خمار تخمین کے پاس منسلک ہے۔

شہزادے کی ہر سنے جواب دیا ہو سکتا ہے یہی خطہ
 بتاتا ہے کہ اس نے کیا انتخاب کیا ہے اس کی پاس بھی مندرجہ بالا ہو اور
 ان سے اس سے دونوں شکاری کتے کہاں ہیں یہاں پہنچا نہیں تم
 نے خمار تین کے لیے پل رکھا ہے ذرا میں بھی تو دیکھوں ان
 کو کو یہ

ابو نصر نے جواب دیا: "مترجم خاتون! میں آپ کی بے حد
 عزت کرتا ہوں اور میں آپ کے خلاف تو کبھی کچھ سوج بھی
 میں سمجھتا ہوں یہ خمار تین جو بلا وجہ آپ کو میرے خلاف غلا
 باٹے میں اس کو نہیں معاف کروں گا۔ دونوں کتے جن کا آپ
 نے ذکر کیا ہے وہ جس کے لیے پائے گئے ہیں اس پر چھوڑے
 جائیں گے۔ یہی انہیں دیکھیں گے۔"

ابو نصر نے اس سے واپس آتا ہے ہی سلطان کو ایک
 خط لکھا۔

سنہ ۶۱۰ اور مغرب کے سلطان غزل بن بلوق

سے اس کو ادنیٰ خادم ابو نصر مخاطب ہے وہ
 ابو نصر جو سب سے مہتمم تھا اور سلطان کی غلیات سے
 کندن بن گیا، جو فرش نشین تھا اور سلطان کی
 قوازشوں سے فرش نشین کر دیا یہ شادی جس پر
 میں دن رات کام کرتا ہوں اور عنقریب دن
 تاریک بھی ملے پائے لیکن افسوس کہ علوم نہیں
 کیوں سلطان کا نصاب حسب قاضی خمار تین اس
 رشتے کے خلاف ہے اور برابر مزاحم ہو رہا ہے۔
 چنانچہ ابھی جب میں بغداد جلتے والا تھا
 مجھے روک دیا گیا اب میں سیدقت بغداد
 جاسکوں گا جب محل سے مجھے جاسنے کی اجازت
 مل جائے گی اور محل سے بغداد جاسنے کا اجازت
 اس وقت ملے گی جب خمار تین اجازت سے
 کا۔ اب جیسا آپ حکم دیں گے میں اس کے
 مطابق اس پر عمل کروں گا۔

دریغ خط ابو نصر نے ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے
 سلطان روانہ کر دیا۔ اس کو یہ ہدایت بھی کر دی گئی کہ وہ راستے میں
 میں بھی قیام نہ کرے اور جیسے ہی سلطان اس کا جواب دے
 ہی تیز رفتار کے سے واپس آجائے۔

سلطان کو یہ خط جیسے ہی ملا غصے سے اس کا برا حال ہو
 گیا اور جواب میں اس نے ابو نصر کو حکم دیا کہ خمار تین کو قید کر دیا
 جائے اس کو میں مزدوروں کا درازہ مزاحمت کرے تو اسے قتل
 کر دیا جائے۔

ابو نصر کو جیسے ہی سلاطین کا جواب موصول ہوا ابو نصر
 ایٹل کے دونوں بیٹوں کے ساتھ خمار تین کے گھر پہنچ گیا وہاں
 معلوم ہوا کہ وہ قتل کیا ہوا ہے اب ابو نصر کو یقین ہو چکا تھا کہ
 خمار تین سخت مزاحمت کرے گا اور اس مزاحمت میں شہزادے
 کی ماں کا تعاون بھی شامل ہو سکتا ہے۔ اس نے دونوں بیٹوں
 کو پانچ سو سیپاہی بھیجے دیے اور کہا کہ تم دونوں مل کر ہر
 موہر درہم وہ سیر سے داخل ہوتے ہی شاید یہاں سے نکل جائے
 تم دونوں اس کا پیچھا کر دو گے اور پھر اسے زندہ یا مرد میرے
 پاس لاؤ گے اور اس دوران تم دونوں یہ یاد رکھو گے کہ یہی وہ
 انسان ہے جس نے سلطان کو تمہارے باپ کے خلاف کر دیا تھا۔
 دونوں بیٹائی محل کے چاروں طرف نگاہیں نہ لگے۔
 شہزادے کی ماں کو مطلع کیا گیا کہ وہ خمار تین کے گھر
 میں آیا ہوا ہے اور اسے یہ بات بھی معلوم ہو چکی تھی کہ ابو نصر کے
 پاس سلاطین کا کس نوعیت کا فرمان بھیجنا ہے وہ حاکمین
 کے لیے کچھ بھی نہ رستہ تھی۔ خمار تین اس سے ملنے کے
 لیے بل بیٹھا تھا اور درخت پر مست کر رہا تھا۔ خمار تین نے اس سے
 یہ پوچھ کر لیا کہ میں نے جو کچھ کیا آپ کو غلط لگا۔
 شہزادے کی ماں خود کہہ رہی تھی کہ اس نے تمہاری
 لیے میں کیا کروں میری سہیلی نہیں آتا۔

خمار تین نے اس سے کہا کہ میں نے یہ سب کچھ کیا ہے
 اس سے کیا کہا جائے؟

خمار تین کی جان چلی جا رہی تھی۔ مترجم خاتون میرے
 لیے کچھ کہیے۔

شہزادے کی ماں نے کہنے سے کہا: "ابو نصر کو یہ دیکھ
 کے لیے رستہ رکھو۔ اس کے بعد خمار تین اس سے کہا کہ اتنی دیر
 میں تو محل کے کسی دوسرے راستے سے فرار ہو جاؤ۔

خمار تین نے عرض کیا: میں کس طرف فرار ہو جاؤں، کیا
 محل کے باہر اس کے آدمی میرا انتظار نہیں کر رہے ہوں گے؟
 شہزادے کی ماں کو خمار تین پر غصہ آ رہا تھا۔ جب ابو

نصر نے وزارت محلی کا خواب دیکھا تھا کہ اس کے
 ہونے والی شکست اور دشواریوں کا مقابلہ کرنا ہی سیکہ یا سوتا
 ان سے غصے کا جو حملہ نہیں پیدا کیا ہوتا۔

خمار تین نے جواب دیا: "مجھ میں اتنا حوصلہ ہے اور
 میں بڑی سے بڑی مشکل سے نبھاتا ہوں لیکن اس
 وقت میں محل میں کسی بچہ کے اسیر نہ ہونے کی طرح
 پڑ چھڑ چھڑا ہوں۔ آپ مجھ کو دو چار دن یہیں کہیں چھپا دیں
 اس کے بعد میں ساری ساری فرار ہو سکوں گا۔"

شہزادے کی دل نے جواب دیا: میں اتنا بڑا مجرم نہیں کر سکتی شاید تو سلطان کے غیظ و غضب سے واقف نہیں؟
خمار تخمین نے ایک بار پھر غور شاہ کی آواز کا راستہ آپ میرے لیے کھینچ کر دیا؟

شہزادے کی دل نے کہا: سلطان کے فرمان کے پاسے میں جہاں تک میں جانتی ہوں اس میں پہلی شوق گرفتاری کی ہے اور فیصلہ سلطان خود کرے گا۔ تو خود کو ابوالنصر کے حوالے کر دے۔ بعد میں میں سلطان سے تیری سفارش کر کے معافی دلوا دوں گی۔
خمار تخمین کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ شاید حالت اشتعال میں وہ کہہ کر گزرتا تھا کہ اس دوران شہزادے کی دل پیچھے ہٹ چکی تھی اور یار حبشی سلام خمار تخمین کے قریب پہنچ چکے تھے۔
خمار تخمین نے اس سبب مشکل سناؤں کو دیکھا تو اپنے ہوش و حواس میں آیا۔

شہزادے کی دل یہ کہہ کر محل میں خائب ہو گئی۔ اس کو کسی دروازے سے الگ سے باہر کر دیا جائے گا۔
خمار تخمین نے اس کو پکڑ لیا اور محل کے کسی دروازے کی طرف بھاگ پڑا۔

خمار تخمین نے اس کی طرف مدد کی۔ محل کے باہر میرے لیے ایک گھوڑے کا انتظام کر دیا جائے گا۔
ایک قلم لہرہ نے جواب دیا: ایک گھوڑا بھی موجود ہے اور چند ہتھیار بھی اب تو یہاں سے واپس ہو جائے۔

یاروں خدمت خمار تخمین کو محل کے ایک ایسے دروازے کی طرف لے گئے جو نسبتاً چھوٹا اور خفیہ تھا۔ یہاں محل کے اندر ہی ایک گھوڑا زمین اور اسے سے آراستہ ملا۔

خمار تخمین نے محل کے اس حصے کی طرف حسرت سے دیکھا جہاں وہ شہزادے کی دل سے شرف ہم کلامی حاصل کیا کرتا تھا۔ اس نے کہا: محترم خاتون! نیز شکریہ تو نے اسی طرف مجھے چھوڑ دیا جس طرح تاریکی میں سایہ پناہ تھا۔ چھوڑ دینا ہے۔
وہ دو ٹوٹے نو سریش جھٹکا تا ہوا محل سے نکلا اور

اس طرف دوڑنے لگا۔ وہاں اس کے سیاہی جیادانی کی شکل میں بہت تھکا اس نے اپنے سپاہیوں کو بڑے متوجہ دیکھا۔
تھکے تھکے کہ سب وہ سلطان کا اندر میں جانے تو نہیں اس کی طرف دیکھا۔

بہت سے دونوں شہزادے کی جہانی گھوڑے کی تاپ میں کہہ کر قریب قریب چل پڑے۔

خمار تخمین نے اپنے سپاہیوں میں جا کر کہا: میں سب سنا چکا ہوں۔ چھوڑ دوں سمیت گھوڑوں پر جاؤ اور میرا ساتھ دینا۔

وزیر بننے کے بعد تمہارے منصبوں میں اضافہ کر دوں؟
اس کے ساتھ ہی برق رفتار کی سے تھکے روں کے ساتھ اپنے اپنے گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گئے اور خمار تخمین ان کو جہاں کی طرف لے چلا۔

اباہیم ایٹال کے دونوں بیٹے اسماعیل اور ایدین شہزادے کی طرف اس کے پیچھے لٹک گئے۔

کچھ دیر بعد شہزادے کی دل نے ابوالنصر کو اندر بلا لیا۔
ابوالنصر احتراماً دوڑا تو ہو گیا اور اس کی زناٹ پڑی۔
شہزادے کی دل شرمندہ ہو رہی تھی اور اسے ابوالنصر پر غصہ بھی آ رہا تھا۔

ابوالنصر نے مددنی فرمان میں کے سامنے رکھ دیا۔ اس فرمان کی وجہ سے میں وہاں آ رہا تھا پھر وہاں ہوں خمار تخمین کے گھر گیا تھا وہاں سے معلوم ہوا کہ وہ محل گیا ہے اور ب محل میں آیا ہوں تو وہ یہاں کہیں نظر نہیں آ رہا۔

شہزادے کی دل نے پوچھا: سلطان نے اپنے فریل میں کیا لکھا ہے؟

ابوالنصر نے جواب دیا: یہی کہ خمار تخمین کو گرفتار کر لیا جائے اور اس مقدمے کا فیصلہ خود سلطان کرے گا۔

دل نے پوچھا: اور اگر خمار تخمین (مقدمہ) آئے تو؟
ابوالنصر نے جواب دیا: اور یہ کہ اگر وہ مزاحمت کرے یا راہ فرار اختیار کرے تو تعاقب کر کے اس کو قتل کر دیا جائے۔
دل نے کہا: وہ محل میں نہیں سبھاؤں گی۔ اس کو محل سے نکال دیا ہے۔

ابوالنصر مسکراتے لگا: یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا آپ نے میرا کام آسان کر دیا۔

دل نے پوچھا: وہ تو کیا اب تو کیا کرے گا؟
ابوالنصر برابر مسکراتے جا رہا تھا: میں کیا کروں گا، کچھ بھی نہیں جو کچھ کریں گے میرے دشمن کا ہی کریں گے۔ دونوں اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ دونوں بہت جلد خمار تخمین کو زندہ یا مردہ میرے پاس لے آئیں گے۔

دل نے پوچھا: وہ دونوں کون؟ شاید وہ ہی شہزادے کی بہن کی کا تو بھیلی ملاقاتوں میں ذکر کر چکا ہے؟

ابوالنصر نے جواب دیا: ہاں تو ہی ہیں۔ لیکن آپ کو تو کبھی کبھار یہ کہہ کر کہیں وہ دونوں اباہیم ایٹال کے بیٹے ہیں اور خمار تخمین سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔
شہزادے کی دل مقابلہ پر چلی تھی اس نے خمار تخمین سے

ارسلان خاتون نے جواب دیا: وزیر اب نصر نے آپ
ان سے بات کر سکتے ہیں۔

خلیفہ نے اسی وقت اب نصر کو دربار میں طلب کر لیا اور
اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے پوچھا: ہم جانتا چاہتے ہیں کہ
سلطان نے یہ سب ہمیں کیا بھیجا ہے؟

اب نصر سر اسنے لگا: خلافت آپ! آپ! ہم سب کا مذاق
ناڑا میں۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ یہ دنیا اور جواہرات کیوں
آئے ہیں؟

خلیفہ نے سنجیدگی سے جواب دیا: واللہ ہم کچھ نہیں جانتے
تو ہی بتا کر یہ سب کیا اور کیوں ہے؟

اب نصر نے کہا: البرٹینی سے سلطان مغزل کے ہتھے کو
تسلیم کر لیا ہے اور یہ دنیا اور جواہرات اسی سلسلے میں پیش کیے
گئے ہیں۔

خلیفہ غصے میں بیٹھنے لگا: وہ مسلسل بڑبڑا رہا تھا: معلوم
خانہ اول کے لوگ خلافت آپ کی بیٹی کا رشتہ مانگ رہے
ہیں۔ میں نے یہ رشتہ تو پہلے قبول کیا تھا اور نہ اب قبول کروں۔

اب نصر نے کہا: اگر یہ بات تھی تو ایہ المومنین کو شرط نہیں
عائد کرنا تھی۔ جب آپ نے دس لاکھ دنیا نقد اور واسطہ کی
آمدنی کا مطالبہ مشروط ہی کر دیا ہے تو اب انکار کی کوئی وجہ نہیں۔
میں سلطان کو اس کی اطلاع دے چکا ہوں۔

خلیفہ نے کہا: کیا اب میں انکار اذیل ہو گیا ہوں کہ اپنی
بیٹیوں کے ہتھے ترک کر کے گناہ خاندان مومنین میں کر دیا کروں؟
یکس طرح ممکن ہے؟

اب نصر نے غصے سے کہا: امیر المومنین ایسی زبان نہ استعمال
کریں کہ بعد میں پشیمانی اٹھانا پڑے۔

خلیفہ نے ہلکے ہلکے اپنے آپ ایک اب نصر کی طرف مڑتے ہوئے
صاف کیا: اسے اب نصر! سچ بتا کہ تو آخر چاہتا کیا ہے؟ کیا میں
ایک بار پھر نقد اور جواہرات کیس چلا جاؤں؟

اب نصر نے بھی بد مزاجی سے جواب دیا: یہ آپ کمزور
اور ضعیف بزرگوں کی طرح بار بار بھلنے کی دھمکی کیوں دیتے ہیں؟
اس کا مجھ پر کیا اثر ہوگا؟ کچھ بھی نہیں۔

خلیفہ کا غصہ اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گیا: اسے کوئی ہے
جو اس گستاخانہ زبان کو یہاں سے نکال باہر کرے؟

اب نصر کو بھی غصہ آ گیا: امیر المومنین! آپ میری بیہ عزتی
کر رہے ہیں۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔

خلیفہ سخت مشتعل تھا: میں خلیفہ المسلمین ہوں کیا مجھ کو
اپنی زبان سزا نہیں ملو گی؟ بات کر۔

خلاف ہون شریعہ کر دیا: میں نے اس کو منع کیا تھا کہ وہ تجھ
سے نہ ملے لیکن وہ نہیں مانا اور اب وہ معلوم نہیں کس حال
میں ہو گا؟

اب نصر نے جواب دیا: آپ پریشان نہ ہوں وہ جس حال
میں بھی ہو گا آپ کے مدد پر پیش کر دیا جائے گا۔

شہزادے کی ماں کو خوار تکین پر دھم آ رہا تھا لیکن اس کی
اظہار نہیں کر سکتی تھی پھر بھی درپردہ سفارش کر دی: کوشش کر
کہ خوار تکین کو گرفتار کر کے سلطان کے سامنے پیش کر دیا جائے
بہر حال وہ بھی ایک لائق سپاہی ہے اور اس کی بھی کسی وقت بھی
ضرورت پیش آ سکتی ہے۔

اب نصر نے درخواست کی: براہ کرم آپ ارسلان خاتون
کو اطلاع فرمادیں کہ کل ہمیں بغداد روانہ ہونا تھا ہے۔

اب شہزادے کی ماں خود کو بالکل بے بسی اور محروم پاری
تھی اور دیکھ کر شہزادے کی طرح آشکارا ہو چکی تھی اب اب نصر اس
نو بدایات سے رہا تھا اور وہ ان کی تعمیل پر مجبور تھی۔

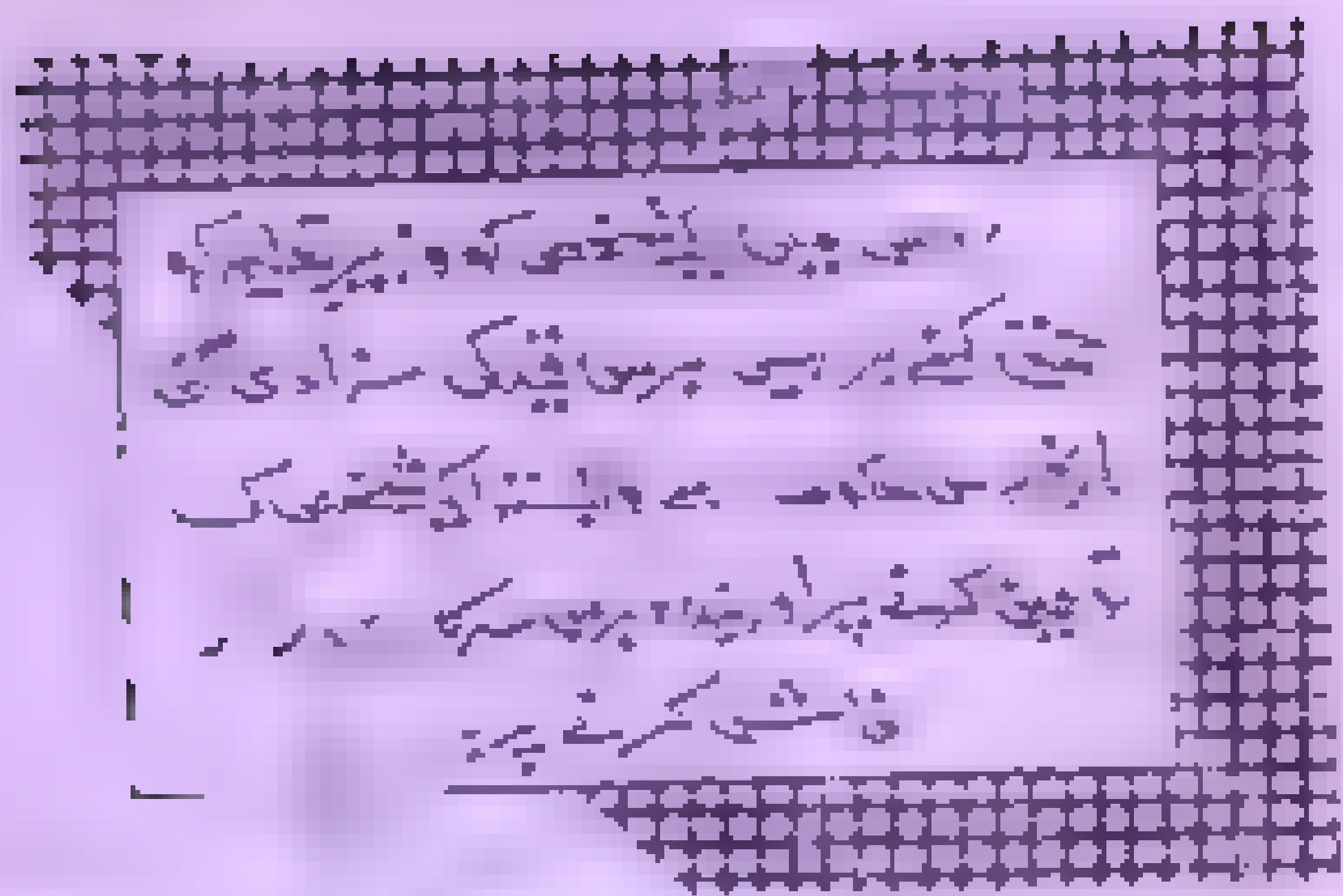
ارسلان خاتون ایک لاکھ نقد دنیا اور ایک لاکھ
کے جواہرات کے ساتھ تیار ہو چکی تھی۔ اب نصر نے اس خطرناک
مہم میں کئی دوسرے امرا کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ فرما رہا تھا
کا کو یہ اور شرفاب بننا کام و امر اس نے دھم کے غلطہ سے
کئی امرا بھی اپنے ساتھ لے لیے گئے۔ ارسلان خاتون کو اس رشتے
کی بات خلیفہ سے خود بھی کرنا تھی۔

خلیفہ کو کچھ بتا نہ تھا کہ یہ دنیا اور جواہرات اس کی خدمت
میں کیوں پیش کیے جا رہے تھے اس کا خیال تھا کہ خوار تکین کی
سفارش کام کر گئی۔

اس نے ارسلان خاتون سے پوچھا: یہ سب کیا ہے
اور تو ان امرا کے ساتھ ہون سا خوشی کا پینا م لے کر آئی ہے؟
ارسلان خاتون نے عرض کیا: آپ نے سیدہ کی شادی
کے سلسلے میں جو شرائط عائد کی تھیں، سلطان نے انہیں مان لیا
ہے اور اب نصر اور دوسرے امرا دن تاریک طے کر سنے آئے ہیں۔
خلیفہ غصے میں کھڑا ہو گیا: تو اپنے ہوش و حواس میں
تو ہے؟

ارسلان خاتون نے جواب دیا: میں اپنے ہوش و حواس
میں ہوں۔ آپ کے حاجب البرٹینی نے آپ کی طرف سے یہ
رشتہ منظور کر لیا تھا۔

خلیفہ نے پوچھا: یہ احتمالہ بات کس نے کہہ دی ہے
تجھ سے؟



فیصلہ بار بار میثاقی صدر ہاتھ پہنچنے میں کی کروں کہہ تو رہا
 کوئی مشورہ نہ دیا
 ابوالفتح منصور بن احمد نے جواب دیا: وقت تیری ست
 قدر داسے کہیں یہ بات کہتے نہ مل جائے
 خلیفہ نے ان دونوں کو حکم دیا: تب پھر تم دونوں برادر
 کے پاس جاؤ اور اسے راضی کر کے ایک ہزار چیر میرے پاس
 ملے آؤ۔

ابوالفتح منصور بن احمد نے مشورہ دیا: ہم دونوں یعنی
 قاضی القضاۃ اور میرا برادر کی دعوت کرتے ہیں اس دعوت میں
 امیر المومنین بھی شرکت فرمائیں گے پھر وہیں جائیں ہو جائیں گی۔
 ویسے جو امیر المومنین کی رائے ہو
 خلیفہ نے کہا: تمہیک بہ جو تم دونوں کی رائے میری
 عقل تو کام ہی نہیں کر رہی۔

قاضی القضاۃ نے درخواست کی: اس سے پہلے میرے
 امیر المومنین سے درخواست کروں گا کہ وہ قریب ہی جاتے ہیں
 اپنے جذبات پر قابو رکھیں۔
 خلیفہ نے جواب دیا: میں کوستش کروں گا کہ کوئی رکن
 بات نہ پیش کرے۔

دوسرے دن غبار ہوئے کہ بعد یہ دونوں ابوالفتح کے پاس
 نہروان روانہ ہوئے۔ نہروان جو بغداد اور واسط کے درمیان ہے
 ایک مشہور علاقہ تھا یہاں چوتھے خلیفہ اور خواست میں ایک
 مشہور جنگ ہوئی تھی۔

ابوالفتح نے اس دوران وہ ساری رواد جو پیش کی تھی
 سلطان کو رکنہ کو بہانہ دے کر ای۔ اس نے سلطان کو مصاف
 مصاف کا دیا تھا یہ مشنوں کے واسطے تھا کہ وہیں
 خلیفہ... ہر جہوں ہوتا ہے کہ وہاں جب وہیں کے
 کوشتہ و درخت بہت زیادہ تھے کہ وقت وہ وقت ہوئی
 پہنچو نہ وہاں بہت حد تک کہ وہاں سے اور جو حکومت
 رہا تھا اس کے بعد وہاں رہا۔

ابوالفتح نے بھی رکنہ ریا: میں نے بھی زندگی کی طرف سے
 کبھی بند کر لی اور موت تو اپنے سامنے کر لیا ہے موت
 یہاں بھی ہے اور موت سلطان کے پاس بھی سب میں واپس
 جا رہا ہوں۔

دونوں نے دونوں کو سمجھانے کی کوشش کی: امیر المومنین
 فرما تھیں: ابوالفتح سے کہتا ہے آپ بھی نرم پڑ جائیں۔
 معاہدات کو باطل سے ملے کریں۔

لیکن ابوالفتح وہاں سے بھی آیا اور باہر آئے ہی خلافت
 عباسیہ کا سیاہ لباس اتار کر بھیک دیا اس کی جگہ سفید لباس
 پہن لیا جو عباسی حکومت کی نظر میں بدترین جرم تھا اگناہ تھا بلکہ
 یہ صریح بدعت کی علامت تھی۔

ابوالفتح نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا: میرا خیمہ یہاں سے
 اٹھا کر نہروان میں نصب کیا جائے۔
 حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور بغداد کے قاضی القضاۃ اور
 وزیر خلافت عباسیہ کی نظروں کے سامنے ابوالفتح کا خیمہ بغداد
 سے آگے نہروان چلا گیا۔

یہ خبریں پورے بغداد میں مشہور ہو گئیں اور بغداد کے
 لوگ سلطان الفخر کے عباسی خیمہ پر غور نظر آئے۔

قاضی القضاۃ نے ابوالفتح کے اقدام کی خبر خلیفہ کو پہنچائی۔
 بعد ازاں ابوالفتح منصور بن احمد نے وہی نظروں میں خلیفہ کو
 بتایا: ابوالفتح نے میری کواچی جان کی پروا نہیں اور یہ جو کچھ معاہدات
 کیا ہوا۔

خلیفہ اب بھی حالت غیظ و غضب میں تھا: پھر کیا کیا
 جائے؟ کیا میں اس شتر بہتر سالہ بوڑھے رکن کو اپنی دامادی کا
 شہ زب بخش دوں؟

قاضی القضاۃ نے عرض کیا: امیر المومنین! آپ مناسی پر
 بھی غور کی کہ اس سلطان نامی ہو گیا اور آپ بغداد چھوڑ کر کہیں اور
 چلے گئے اس عالم میں بنائیہ کی طرح سلطان بغداد اور خاندان
 خلافت آپ پر تاجیں ہو کی ہو گی ہو گا۔

ابوالفتح منصور بن احمد نے عرض کیا: اور کیا ماری کی بات
 تو یہ ہے کہ سلطان ابوالفتح نے ابھی تک نہایت شرافت کا
 ثبوت دیا ہے۔

خلیفہ اپنی چشمانی سہلائے دیکھ کر بھیجے میں کیا کر رہا ہوں، تو لوگ
 نیچے مشورہ دار میں کیا کر رہا ہے۔

قاضی القضاۃ نے عرض کیا: شاید امیر المومنین کو از روئے
 لہذا خلافت آپ کا متنازعہ خواست ہے آپ نے یہ سزا
 پہنچ چھوٹی ہوئی اور بدعت کی بدعت کی بدعت ہے۔

اسماہیل نے کہا: اگر ایسی کوئی بات ہے تو ہم دونوں
جاں نثاری کے لیے حاضر ہیں۔

ابونصر نے ان دونوں کے لیے ایک خیمہ اٹھایا
کر دیا۔

سہ پہر کو موسیٰ کے تین بیٹے تینوں کوئی قاضی ستفا
اور برافق منصور بن احمد نے سپرد دوسرے اسرا کے ساتھ بونصر
کے خدمت میں مانتری دی اور اس کو بتایا: شہر عباسی کو
اتار کر مفید لباس زیب تن کر لینے کا مطالبہ ملتا ہے۔

ابونصر نے جواب دیا: خوب بات ہے۔ میں زندگی سے
بیزار ہوں۔ مجھ کو یہ ہیں تو امیر المومنین جاکر وہی اور سلطان
تو مزارعے گا ہی بیٹھے۔

قاضی ستفا نے پوچھا: سلطان کیوں نہ لے سکے گا؟
ابونصر نے جواب دیا: تمہارے کہ میں سلطان کو کچھ چکا
تھ کہ سیدہ کار شہر سے پاچکا ہے۔ اب وہ بھی اس بہت کچھ
مشروط کر دیا ہے۔ اور سلطان نے شرائط مان لی ہیں۔

ابو الفتح منصور بن احمد نے کہا: چھاب تم خوش ہو جاؤ
تم لوگ خلافت عباسیہ اور خلافت عباسیہ غلط ہو اس لیے
ہم سب یہی چاہتے ہیں کہ بات بڑے نہیں بن جائے۔ ہم
میں بڑا دواپس لے جائیں گے۔ اور کوشش کریں گے کہ بات
بن جائے۔

ابونصر نے جواب دیا: میں نے سلطان کو صاف صاف
کہہ دیا ہے کہ سلطان کو مایوس کر دیا گیا ہے اور یہ المومنین اپنے
قول سے منحرف ہو گئے ہیں۔ جب تک سلطان کا جواب
نہ آجائے میں بغداد نہیں جاؤں گا۔

مہملووزر ابو الفتح نے کہا: ہم تمہیں ایک خیانت
میں مدعو کرنے آئے ہیں یہ ہماری طرف سے ہے تمہارے
جلے آئے کے بعد ہم نے امیر المومنین کو قائل کرنے کی
کوشش کی اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہو گئے
ہیں اس لیے ہماری اس خیانت میں مذکورہ معاملہ بھی اللہ
نے چاہا تو بڑے پا جائے گا۔

ابونصر نے کہا: ہوا تھا: میں کس طرح یقین کروں کہ تمہاری
اس خیانت میں واقعی بات بن جائے گی؟

قاضی ستفا نے ابوالفتح کو معنی خیز نظروں سے
دیکھا: وہ بات بتا دیں؟

ابو الفتح نے کہا: امیر المومنین اس مسئلے کو تم پر چھوڑ
رہے ہیں، جیسے تم چاہو گے ویسا ہی ہوگا۔

ابونصر نے غصے میں سر ہلایا: اب میں ان باتوں میں
نہیں آؤں گا۔ امیر المومنین کی طرف سے یہی بات ابونسی بھی

اس کے بعد اس نے اپنے محلے کو حکم دیا: مسلمان یکجا
کیا جائے، ہم سے واپس جائیں گے۔
مسلمان باندھا جائے لگا اور کام نہایت شد وند
سے کیا جائے لگا۔ خود ابونصر اپنے شیخ کے در پر کرسی بچھا
کر بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے سے ایک قافلہ گزر رہا تھا اور انہوں
کے گھوڑے میں چڑھی ہوئی گھنٹیاں شور کر رہی تھیں۔ گھوڑوں پر
بچے سوار تھے اور گھوڑوں پر ان کے بزرگ، اور مٹل پر مسلمان
بھی لدا ہوا تھا اور کچا دسے بھی کسے ہوئے تھے جن میں غاتین
سوار تھیں۔

ابونصر انہیں دیکھ رہا تھا اور یہ جانتا تھا کہ یہ سارے
نظام کے یا تو اپنے ہو جائے والے ہیں اور یا پھر وہ ہمیشہ
ہمیشہ کے لیے ان سے محروم ہو جائے گا کیوں کہ اسے نہیں
معلوم تھا کہ سلطان کا اطلاق کیا ہوگا اور خلیفہ سلطان کے
مقابلے میں اس کا تعاون حاصل کرے گا۔

ابونصر دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا جیسے ابراہیم انبال
کے دونوں بیٹے بھی بیٹھے تھے۔ ان کے سپرد جو کام کیا گیا تھا،
اسے دیکھ کر بہت غم کی سے انجام دیا تھا۔ دونوں خمارین
کا نرے کہ حاضر ہوئے تھے۔

ابونصر دونوں کو شیخ کے اندر لے گیا اور خمارین کے
سر کو سیر پر رکھے ہوئے طشت میں رکھ دیا اور دونوں
سے کہا: خوش بختی بہا کے ساتھ ہے خلیفہ بھی ہمارے
ساتھ ٹھیک جائے گا۔

اسماہیل نے خمارین کے سر کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے کہا: ہم تو اسے دنیا کے آخری برس تک بھی
بچھوڑتے۔

ابونصر نے خمارین کا کلن مروڑ دیا: وزارت عظمیٰ کا
خواب دیکھو! تمہارے پھر سر پر ایک چیت رسید کی۔ اس
سر پر سیاہی سودا وزارت عظمیٰ کا
بچھوئے بھائی امجد نے پوچھا: ہم دونوں کے لیے
کوئی اور حکم؟

ابونصر نے جواب دیا: تم دونوں فی الحال میرے ساتھ
رہو کسی مناسب موقع پر کوئی اچھا سا منصب بھی دلوں
دوں گا۔

دونوں بھائی خلیفہ سے بد مزگی پیدا ہو جانے کا ذکر
افلاک کے طور پر سن چکے تھے، پوچھا: کیا امیر المومنین مسلمان بن
جوئی ہے؟

ابونصر نے جواب دیا: امیر المومنین اور میرے مرتبے میں
زمین آسمان کا فرق ہے میری ان سے کیا ان بن جوگی؟

کہہ چکا ہے اور لہجہ میں امیر المومنین اس سے منکر ہو گئے :
ابوالفتح نے خلیفہ کا مکتوب ابوالنصر کے سامنے رکھ
دیا۔ یہ سب تحریری اجازت تحریری قول جو امیر المومنین نے
آپ کو دیا ہے :

ابوالنصر نے خلیفہ کی تحریر کو نہایت غور سے پڑھا۔
"ابوالنصر میرے خیر خواہ اور جاں نثار کو معلوم
ہونا چاہیے کہ میری ناراضی یا خفیہ میں گوارا
نہیں ہے۔ تو نے ناراض ہوئے اور بغاوت سے
بچنے کے لئے مجھے بلانے میں عجلت سے کام لیا۔ نہ شاید
بات بن جاتی۔ اب تو ابوالفتح کی تقریب
ضیانت میں ضرور شرکت کرے گا کیوں کہ
اس میں میری شرکت بھی یقینی ہے اس میں
اس موضوع پر باتیں ہو جائیں گی اور چند باتوں
کی وضاحت اور قول و قرار کے بعد سلطان کی
درخواست قبول کر لی جائے گی :

اس تحریر نے ابوالنصر کو نرم کر دیا اور اس نے ضیانت
میں شرکت کا وعدہ کر لیا۔

قاضی القضاۃ نے کہا : شرکت کا وعدہ کیسا، ہم تو تمہیں
اپنے ساتھ لے جائیں گے :

ابوالنصر فرما سے قیل و قال کے بعد ساتھ جانے پر آمادہ
ہو گیا۔

اس کی باتیں دونوں بھائی بھی سن رہے تھے، انہیں
خطرہ تھا کہ کہیں اس طرح ابوالنصر کو دھوکا تو نہیں دیا جا رہا۔
دونوں اجازت کے بغیر جسے میں داخل ہو گئے۔

ابوالفتح اور قاضی القضاۃ نے ان دونوں کو شک دہنے
کی نظروں سے دیکھا اور دالہ نظروں سے ابوالنصر کو دیکھنے
لگے۔

ابوالنصر نے ان دونوں کا تعارف کرایا۔ یہ دونوں پہلے
سے جتنے اور ابراہیم اینال کے بیٹے ہیں اور میرے جاں نثار
ابوالفتح نے پوچھا : وہی ابراہیم اینال جس نے سلطان
کے خلاف بغاوت کر دی تھی اور سلطان نے اسے قتل
کر دیا ؟

ابوالنصر نے جواب دیا : ابراہیم اینال نے سلطان کے
خلاف نہیں بسا میری حمایت میں امیر المومنین کے خدو
بغاوت کی تھی اور اس کو امیر المومنین کے حق میں قتل کر دیا گیا :
اب اسماعیل بھی چپ نہ رہا، اس نے ابوالنصر کو اشارہ
دیا : آپ، امیر المومنین کے پاس جا رہے ہیں لیکن کیا آپ کو یہ
یقین ہے کہ وہ آپ کو دھوکا نہیں دیا جائے گا ؟

ابوالنصر نے جواب دیا : یہ میں پہلے ہی واضح کر چکا ہوں کہ
میں زندگی کی پروا نہیں کرتا :
قاضی القضاۃ نے اسماعیل کو کینہ توڑ نظروں سے دیکھا۔
"ساعتی ! امیر المومنین کی ذات سے سوئے ظن اچھی بات
نہیں ہوتی :

لیکن ابوالنصر نے اسماعیل کا ساتھ دیا۔ اب دیر نہ
سوئے ظن کا نہیں حق کوئی کا ہے۔ خلافت، آپ کے اس پاس
جو شیر اور صاحب میں ان کی غیر فتنہ دار اشارہ اور مشورہ بہتری
کی جان لے چکے ہیں : اس کے بعد خوار تکین کا طشت میں رکھا
ہوا امیر ابوالفتح اور قاضی القضاۃ کے سامنے رکھ دیا : یہ اس
کی ایک مثال تھا جسے سامنے ہے :

قاضی القضاۃ نے گھبرا کر پوچھا : یہ کیا ہے ؟
ابوالنصر نے جواب دیا : سلطان کے لائق سردار اور خاص
خوار تکین کا سر :

ابوالفتح نے پوچھا : اس کو کیوں قتل کر دیا گیا ؟
ابوالنصر نے جواب دیا : کسی حق سے خلافت، آپ
کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اگر سیدہ کے سسلے میں خوار تکین کا تعاد
حاصل کیا جائے تو شاید خلیفہ کی بات بن جائے۔ اس پر قوت
نے اس مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور سلطان نے اس پر با
مداخلت کی یہ مرادی :

ابوالفتح نے افسوس کیا : یہ تو کسی کے ساتھ زیادتی
ہو گئی :

اسماعیل نے تلخ لہجے میں کہا : اسے غلطی یا زیادتی نہ
کہیں یہ سلطان کے جائز اقدام پر اعتراض ہے :

قاضی القضاۃ کو اندیشہ تھا کہ کہیں یہ باتیں بڑھ کر کسی اور
نہج پر ختم ہو جائیں اس نے کہا : بس جناب فضول باتیں
ختم، اب چلنے کی تیاری کریں :

دونوں بھائیوں نے ساتھ چلنے کی اجازت چاہی ہم
دونوں آپ کے ساتھ چل سکتے ہیں :

ابوالنصر نے اجازت دے دی : بالکل میں تمہیں سپہ
ساتھ لے جاؤں گا :

لیکن ابوالنصر اس دن نہیں گیا۔ دوسرے دن صبح وہ
دونوں بھائیوں اور دو ملی انرا کے ساتھ ابوالفتح کی ضیانت
میں شرکت کیا :

اس شاندار ضیانت میں خلیفہ بھی موجود تھا اور ابوالنصر
نے ایک نظریہ اندازہ رکھا تھا کہ یہ ضیانت ابوالفتح
کی طرف سے نہیں خلیفہ کی طرف سے ہے۔ گو کہ ابوالفتح

کا استعمال کیا گیا ہے۔

خلیفہ ابونصر کے پاس بیٹھ گیا۔ دونوں ایک ساتھ کھانا کھاتے رہے خلیفہ کسی کسی لمحے عجیب سی نظروں سے ابونصر کو دیکھنے لگا۔

ان دونوں کے سامنے ابوالفتح، قاضی القضاۃ، اور دونوں علمی امرا کھانے میں مصروف تھے۔ ان کے سامنے اسماعیل اور امجد تھے۔ یہ بھی کسی سے مرعوب ہوتے بغیر کھانے میں مشغول تھے۔

خلیفہ نے آہستہ سے کہا: اے ابونصر! تو نے شہر عباسی آباد کر جو خرم کیا تھا اگر ہم چاہیں تو۔

ابونصر نے جواب دیا: میں یہ چاہتا تھا کہ آپ مجھے قتل کر دیں۔ مگر اسے ناکامی کہ یہ خواہش بھی پوری نہ ہوئی؟ خلیفہ نے کہا: تو ایک ذہین ترین وزیر ہے۔ ہم تجھ کو قتل کر کے ایک لائق انسان سے محروم ہو جاتے۔ ابونصر نے خلیفہ کا شکر ادا کیا۔

کھانے کے فارغ ہونے کے بعد خلیفہ ابونصر کو تنہا میں لے گیا۔ ابوالفتح اور قاضی القضاۃ بھی خلیفہ کے ساتھ اندر چلے گئے۔

دونوں علمی امرا، دونوں بھائیوں کو باہر ہی رکھا گیا اور ان سے کہا گیا کہ ابونصر کا انتظار کریں۔

دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو تنگ و شبہ کی نظروں سے دیکھا، اسماعیل نے پوچھا: کیا خیال ہے، کچھ کر رہے ہو جیسا کہ ہے؟

امجد نے مایوسی سے جواب دیا: اگر کچھ کر رہا ہوں تو ہم دونوں مجبور اور بے بس ہیں۔ ہمارے ہتھیار ہم سے پیٹے ہی لیے گئے۔

دونوں علمی امرا انھیں اس قسم کی باتیں کرنے سے منع کر رہے تھے۔

اندر خلیفہ ابونصر سے بڑی نازک باتیں کر رہا تھا۔ وہ ابونصر سے پوچھ رہا تھا: میں بار بار غور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ سلطان اس شادی پر کیوں بضد ہے؟ وہ بوڑھا ہے۔ شادی سے کیا حفاظت اٹھائے گا وہ؟

ابونصر نے جواب دیا: جہاں تک میں سمجھتا ہوں، سلطان اس شادی سے کسی قسم کا فائدہ نہیں حاصل کر سکتا۔ چوں کہ امیر المؤمنین کا نسب آخر میں باکر رسول قبول شدہ ہے چنانچہ حضرت عباس سے جا کر ملتا ہے اس لیے سلطان یہ برکت اور فضیلت حاصل کرنے کے خیال سے یہ شادی

کرنا چاہتا ہے۔

خلیفہ نے پوچھا: کیا سلطان نے اس شادی کے سلسلے میں تجھ کو ہر قسم کا اختیار دے رکھا ہے؟ ابونصر نے پوچھا: امیر المؤمنین! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

خلیفہ نے کہا: میں یہ رشتہ چند شرائط کے ساتھ قبول کر سکتا ہوں۔

ابونصر نے کہا: آپ وہ شرائط بتائیں تو سہی۔ خلیفہ نے جواب دیا: میں ان کو تیرے سامنے کیوں بیان کر دوں؟ اگر مجھ کو یہ یقین ہو کہ تجھ کو سلطان نے ہر قسم کا اختیار دے دیا ہے تو میں کچھ کہوں بھی۔

ابونصر نے عرض کیا: آپ مجھ سے ہر بات کر سکتے ہیں ہر قسم کی بات اور مجھ کو یہ یقین ہے کہ جو ہم دونوں کے درمیان طے پا جائے گا سلطان اس کا پابند ہو جائے گا۔ خلیفہ کو اس کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ مثال لیجئے میں پوچھا: کیا ہے؟

ابونصر نے جواب دیا: میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں؟

اب قاضی القضاۃ نے اپنی زبان کھولی۔ ابونصر! جیسا کہ تم کہہ رہے ہو کہ سلطان یہ شادی تمہارے لیے نہیں برکت کی خاطر کر رہا ہے تو کیا تم ہمیں یہ یقین دلا سکتے ہو کہ سلطان صرف شادی پر اکتفا کرے گا اور دونوں میں زن و شوہر تعلق کبھی بھی قائم نہ ہوگا؟

ابونصر اپنی باتوں کا خود شکار ہو چکا تھا۔ ذرا غور پر وہ اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکا۔

ابوالفتح نے پوچھا: تم عجیب کیوں ہو گئے ابونصر؟ ابونصر نے کہا: یقین شادی کے بعد دونوں میں زن و شوہر تعلق نہ قائم ہو گیا یہ عجیب بات ہے۔ میں نہیں سمجھتا۔ خلیفہ نے کہا: ”جیب تو یہ کہہ رہا ہے کہ شادی محض برکت اور فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے ہے کی جا رہی ہے تو نکاح کے بعد یہ سلطان کو حاصل ہو جائے گی سلطان کو اس پر اکتفا کرنا چاہیے۔“

ابونصر نے جواب دیا: چینی سلطان کی طرف سے میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔

خلیفہ نے کہا: اور دوسری بات یہ کہ میری بیٹی سیدہ اپنے پہرے پر نقاب ڈالے رہے گی وہ سلطان کو اپنی شکل بھی نہیں دکھائے گی کیوں کہ شکل دکھانے سے پہلی

شرط کے منسوخ ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔
ابونصر بازی ہارتا جا رہا تھا چلیے یہ بھی منظور رکھیے

خلیفہ نے کہا: اور یہ کہ جب تو ہماری سخاوت اور
فضیلت کا قائل ہے تو تجھ کو یہ وعدہ بھی کرنا ہوگا کہ سلطان
اس کی ویسی ہی حکیم کرے گا جیسی میری کرتا رہے۔
ابونصر نے جواب دیا: چلیے یہ بھی منظور۔

ابوالفتح کو شبہ تھا کہ شاید سلطان یہ شرائط نہیں مانے
گلا اس نے کہا: بہتر یہ ہوگا کہ اس سلسلے میں سلطان کا
مندیہ بھی معلوم کر لیا جائے۔

ابونصر نے جواب دیا: میں پابتا ہوں یہ مسئلہ ابھی سی
وقت ملے ہو جائے اسے مزید طول نہ دیا جائے۔

خلیفہ نے کہا: اور یہ کہ یہ ساری باتیں ایک معاہدے
کی شکل میں ضبط تحریر میں لائی جائیں تاکہ بعد میں کوئی فریق ان
سے منحرف نہ ہو سکے۔

ابونصر نے جواب دیا: میں اس کے لیے تیار ہوں۔
خلیفہ نے قاضی القضاۃ کو حکم دیا: یہ ساری باتیں جو تو
نے سنی ہیں ان کو ایک معاہدے کی شکل سے دے۔

قاضی القضاۃ اور ابوالفتح کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ جو
مجیب و غریب معاہدہ خلیفہ اور ابونصر میں ہونے والا ہے
سلطان اس کو قبول بھی کرے گا یا نہیں اس کی کوئی حیثیت
ہوگی بھی یا نہیں؟

خلیفہ نے سختی سے کہا: یہ تو کیا سوچنے لگا معاہدہ
تیار کر۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بات ذہن سے نکل جائے۔
ابوالفتح نے عرض کیا: معاہدہ تو ابھی تیار ہو جائے گا۔
لیکن وہی بات کہ سلطان بھی اسے تسلیم کرے گا یا نہیں؟
خلیفہ نے جواب دیا: سلطان نے ابونصر کو اتنے امتیاز
دے سکے ہیں وہ اس معاہدے کی پابندی کرے گا۔

قاضی القضاۃ معاہدہ تیار کرنے لگا۔

خدا اپنے نسب نامے کی فضیلت اور بڑائی کا ذکر کرتے
لگائے ابونصر! تو بڑے ناخداں کی زندگی اور فضیلت کا اندازہ
نہیں لگا سکتا۔ ہم نبی عباس کا مائند ان شریف ترین خاندان ہیں
ہم میں قیامت تک کے لیے امامت اور امامت مقدرہ کو
دیکھ کر سب سے بڑا مادامن تھا کہ گاماد راست پر پہنچا جو ہم سے
ابو ہاشم کا بیٹا ہے۔

ابونصر نے جواب میں عرض کیا: یہ الزمیں کو مجھ سے نیلہ
معاہدات ہیں کہ رسول قبول کرنے اپنے آخری منصب نبی محمد اور
میں حسب نسب کی بڑائی کو یہ کہہ کر ختم کر دیا تھا کہ ہم سب آدم

کی اولاد میں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے اور یہ کہ اگر کوئی بڑا
ہے تو اپنے زہد و تقویٰ سے اور پرہیزگاری سے جس کو بڑی پادشاهی
کو بھی پڑ کا لے کو گدھے پراند گورے کو کالے پر کوئی زحمت
حاصل نہیں۔ اور یہ فضیلت اور بزرگی جس کا آپ سے ذکر کیا
میری نظر میں کوئی خاص ہریت نہیں رکھتا اس "مع انما اب العبادت
وہی تو میں بھی اپنے آقا اور مرنی سلطان مقرر سلطان کے خاندان
کی بڑائی اور فضیلت کو بیان کر دیا۔

خلیفہ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ ابونصر کندی مان سکتے
احسانات کا ذکر شروع کرے گا جو وہ خلافت اور خلافت تک
پر کر چکا ہے۔ اس لیے خلیفہ نے موضوع ہی بدل دیا: تو میں اب
بھی کچھ زیادہ مطمئن نہیں۔ یہ معاہدہ جو قاضی القضاۃ تیار کر رہا ہے
اس پر تمہارے دستخط ہوں گے اور میں یقین نہیں کرتا کہ سلطان
بھی اس معاہدے کی پابندی کرے گا۔

اب ابونصر کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے خلیفہ
اس میں سنجیدہ نہیں ہے اور معاملے کو خواہ مخواہ طول دے
رہا ہے۔

ابونصر نے درخواست کی: امیر المومنین! مدد تیار کر
دی تاکہ میں فرمت پاؤں اور سلطان کو بند اور غلاموں۔

خلیفہ کی متذکر مزاجی میں ایک اور تبدیلی آئی: بولب دید
"یہ معاہدہ ایسا نہیں ہے کہ تو نے کہہ دیا اور ہم نے کھنڈا دیا
اس میں کچھ وقت لے گا۔"

ابونصر نے عرض کیا: لیکن قاضی القضاۃ تو معاہدہ تیار کر
رہا ہے۔

خلیفہ کے لیے میں گری پیدا ہو گئی۔ لیکن میں جو کہ رہا
ہوں کہ یہ جلدی میں نہیں تیار کیا جا سکتا۔ پھر قاضی القضاۃ کو
حکم دیا: اس کو گور گھر لے جا۔ کوئی جلدی نہیں اعلیٰ ان سے تیار
کر سکے لے آئے۔

قاضی القضاۃ نے عرض کیا: امیر المومنین! یہ ابھی تیار رہا
جاتا ہے۔

خلیفہ نے ابوالفتح کی طرف دیکھا: ابوالفتح! تو ہی سمجھا
اس کو کہ میں کہتا ہوں اس میں جلدی کو کس میں نہ لا کر سے تیار
کر سکے لے آئے لیکن یہ ٹھیک ہے کہ میں تیار ہوں۔ تو اس کو سمجھا
کہ اس خدا و خود سری سے اس "نجات پہنچ سکتا ہے۔"

ابونصر جھٹکتے میں کھڑا ہو گیا۔ بہت مذاق پر چڑھا اب
میں یہ سب نہیں برداشت کر سکتا۔ میں بارہا ہوں۔

ابونصر باؤں پٹتا سواد ہل سے میدان۔
ابوالفتح نے آگے بڑھ کر اس کو روک دیا لیکن خلیفہ

”آپ اس جگہ کو چھوڑ دیں کیوں کہ اب مفتوح اور قاضی القضاۃ کے خیال میں امیر المومنین آپ کو قتل بھی کراستے ہیں“

ابونصر نے خلیفہ کی شان میں گستاخیاں کرنا شروع کر دیں۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ وہ بزدل اور شجاعت اندیش شخص ہے۔

انہوں نے کہا: پھر بھی امتیاط تو آپ کو کرنا ہی چاہیے۔ ابونصر نے کہا: شاید دونوں کو سلطان کے پاس ہمان بانا پڑ جائے۔

لیکن اس کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ باہر چلے گئے۔ سوار تھوڑے سے دوڑاتے ہوئے ابونصر کے خیمے تک آئے۔ وہاں بھائی بنی خوار میلے کر خیمے سے دروازے کے اندر چھپ کر کھڑے ہوئے۔ ان دونوں کو شبہ تھا کہ یہ سوار امیر المومنین کے بھیجے ہوئے ہیں۔ در یہ کہ یہ گھڑ سوار ابونصر کو قتل کرنے آئے ہیں۔

لیکن ابونصر کو یہ یقین نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ آدمی تو خلیفہ ہی کے ہوں گے۔ غر قتل کرنے نہیں عفو و استغاثہ کا پیغام لے کر آئے ہوں گے۔

ابونصر نے دونوں کو سمجھایا: دیکھو عجلت میں کوئی اسلحہ حاکم نہ اٹھا بیٹھنا۔ ہو سکتا ہے یہ آئے ہوں۔ اسلحہ دست ہوں۔

اب قدامتوں کی آہٹ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ ابونصر نے جست سے کہا: ان کو نقصان نہ پہنچانا۔ سمجھ گئے نا؟

دونوں میں سے کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا لیکن جیسے ہی آئے واسلے اندر داخل ہوئے۔ اسماعیل اور عبد نے ان کو دلوں پر لیا۔

ابونصر نے آئے دونوں کی شکلیں دیکھیں تو اسے ہنسی آگئی۔ اس نے کہا: اسے یہ دونوں تو اپنے ہی آدمی ہیں۔

ابھی یہ فقرہ پورا ہی ہوا تھا کہ ان دونوں کے بعد دو آدمی اور اندر داخل ہوئے۔ یہ جاس نے پہچانے۔ نہیں تھے۔

ابونصر کے دونوں آدمی اپنے دلوں پر جاس نے پر حیران تھے اور ابونصر سے پوچھ رہے تھے: ”جناب! یہ معاملہ کیا ہے؟“

ابونصر نے جواب دیا: ”اب خط بھیجی بنا پڑ پھر دونوں جاسیوں کے بارے میں پوچھا۔ اور یہ دونوں ہیں“

نے اسے روک دیا۔ اسے وقت روک دیا۔ اسے وقت روک دیا۔ قاضی القضاۃ نے عرض کیا: بات ایک بار پھر بگڑ گئی۔ اب کیا ہو گا؟

خلیفہ نے جواب دیا: بات نہیں بگڑی۔ وقت کا انتظار کرو۔

مامل پر گرا سناٹا چھایا۔ اب ایک بار قاضی قضاۃ تھک گیا ہو۔

قاضی القضاۃ نے خلیفہ کو بات ہوئے دیکھا تو دریافت کیا: یہ معاملہ تیار کیا جاسکے یا نہیں؟

خلیفہ نے جواب دیا: ابھی تک لڑ جائے۔ خلیفہ اپنے محل میں غائب ہو گیا۔ مفتوح اور قاضی القضاۃ دمی امرا اور اسماعیل و اسمعیل سے بات کرنے لگے۔

دلی امیر فرامرز بن کا کو میر نے ابونصر سے پوچھا: یہ جو کچھ ہو گیا اس کے نتائج اچھے نہیں لگتے۔

ابونصر نے جواب دیا: میں کچھ نہیں سکتا لیکن اس کا انجام بہت برا ہو گا۔

دوسرے دلی امیر نے کہا: ”سب ساری باتیں ملے پائے یقین تو ہے۔ بد بزرگی کیوں ہوئی؟“

ابونصر نے کہا: بات سمجھو۔ اردن بگڑ گئی۔ سب سے ڈر ہے کہ امیر المومنین کوئی اور غلطی نہ کر دیں۔

قاضی القضاۃ مطلب سمجھ گیا: ہاں اگر یہ دوسری غلطی بھی امیر المومنین سے سرزد ہو گئی تو پھر خلافت عباسیہ کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔

دلی امیر فرامرز بن کا کو میر کا ابونصر کی جان خطرے میں نظر آرہی تھی۔ اس نے ابونصر کو مشورہ دیا: آپ امیر المومنین کو اس دوسری غلطی سے روکے رکھیں کیوں کہ اگر ابونصر کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو نصر خلافت عباسیہ ڈھس جائے گا۔

اسماعیل اور امجد کے کان کھڑے ہوئے۔ اسماعیل نے پوچھا: کیا ابونصر کی جان خطرے میں ہے؟

قاضی القضاۃ نے اطمینان دلایا: نہیں، شاید ایسا نہ ہو لیکن امیر المومنین کی تلون خرابی سے ڈرنا ہے۔

دونوں بھائی تیزی سے باہر نکلے۔ درمیان دروازہ ہو گئے۔

ابونصر اپنے خیمے میں بیٹھ چلے۔ اسے تھکا جھکا ہوا تھا۔ یہ دونوں بھائی اندر داخل ہوئے تو ابونصر زخمی شیر کی ٹانگ کو یا اپنا زخم پاٹ رہا تھا۔

اسماعیل نے جو کچھ سنا تھا ابونصر کے سامنے بیان کر دیا۔

جواب دیا گی یہ دونوں سلطان کے قاصد میں کوئی خاص پیغام لے کر آئے ہیں۔

ابو نصر نے ان دونوں کو خوش دلی سے اپنے سامنے بٹھالیا اور ان سے سلطان کی خیریت دریافت کی۔ دونوں بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے تھے ان کے پاؤں گرد لود تھے اور کپڑے بھی دھول سے لٹے ہوئے تھے۔

ان میں سے ایک نے جواب دیا: "یوں تو سلطان بالکل ٹھیک ہے لیکن وہ امیر المومنین سے بہت ناراض ہے اس نے ہمیں درخط دیا ہے میں ان میں ایک خط آپ کا ہے اور دوسرا ابو الفتح کے نام۔" ابو نصر نے کہا: "میرا خط مجھے دے دو اور ابو الفتح کا خط اس کو پہنچا دو۔"

ایک قاصد نے کہا: ابو الفتح کے نام کا خط بھی آپ ملاحظہ فرمائیں کیوں کہ سلطان کا خیال تھا کہ اگر اس میں کسی بات کا اضافہ کرنا ہو تو کر دیا جائے۔ ابو نصر نے پہلے اپنا خط پڑھا:

یہ خلیفہ نے جو روش اختیار کر رکھی ہے وہ اس کو تباہی اور بربادی کی طرف لے جا رہی ہے، تم خلیفہ کو جواب تک دیتے رہے ہر اس میں کمی کر دو اور وہی دو جو اس سے پہلے ملنا دے کر دیا جاتا تھا اس کے علاوہ خلیفہ کو جو مزیدی انتفاع دینے گئے ہیں انہیں بھی اس سے لے لیا جائے۔ یہ انتہائی سخت اقدام تھے جو کسی محکم نے اپنے حاکم کے نام جاری کیے تھے۔

اب اس کے سامنے سلطان کا وہ خط تھا جو ابو الفتح کے نام لکھا گیا تھا۔

ابو الفتح منہ پر مہر کر بند اور میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے اچھی طرح واقف ہوں میں نے خلیفہ کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں وہ زمانے پر عیاں ہیں، پوچھتا ہوں کہ کیا یہی یہ خدمات کا صلہ ہے؟ میں نے خلیفہ کی خاطر اپنے بھائی ابیہم ایال کو قتل کر دیا اور اس کے لیے اپنا اٹھارہ سو روپے کا مال میرا ہاتھ خالی ہو رہا ہے میں نے خلیفہ کے لیے اپنے جان و مال کا خون بہایا اور اب سب خدمات کا خلیفہ کی طرف سے مجھے یہ انعام یہ صلہ مل رہا ہے یہ درخواست کو حقارت سے ٹھکرا دیا گیا ہے! اس خط کے پاس ہے ہی اس سلطان خاتون کو جسے روانہ کر دیا جائے یوں سب چیزیں ختم کا اعلان کر سنے والوں

اس میں خلیفہ اور میں دونوں ہو جائیں گے!

ابو نصر نے یہ خط بند اور روانہ کر دیا ابو الفتح اور قاضی القضاۃ کے یہ خط پڑھا اور خلیفہ کو بھی پڑھ کر سنا دیا۔

خلیفہ کو سنا سے کی سنگینی کا کسی قدر احساس ہوا پوچھا: "کیا اس سلطان خاتون کو جسے واپس بھیج دیا جائے؟"

ابو الفتح کو حیرت اور تشویش تھی کہ: "ان خطرات کو محسوس کیوں نہیں کر رہا جو اس کے سر پر منڈلا رہے ہیں قاضی القضاۃ نے عرض کیا: امیر المومنین کو غالباً اس خط کا علم نہیں جو سلطان نے ہدایت نامے کے طور پر پور غر کے نام لکھا ہے۔"

خلیفہ نے کہا: "اچھا! سلطان کا کوئی اور خط بھی آیا ہوا ہے؟"

قاضی القضاۃ نے عرض کیا: "جی مولانا امیر المومنین خلیفہ نے پوچھا: اس میں کیا لکھا ہے؟ سلطان نے؟" قاضی القضاۃ نے جواب دیا: "سچا درست وہ ہے جو سچ کہہ کر درست کوڑا لگے۔"

خلیفہ نے پوچھا: "تو کتنا کیا پابند ہے؟" قاضی القضاۃ نے ابو الفتح کی طرف دیکھا، ابو الفتح نے تائید میں منہ ملا دیا۔

قاضی القضاۃ نے کہا: "جو سچ یا واقعہ ہے میں اسے چھپا نہیں سکتا۔ امیر المومنین کو جو کچھ مل رہا تھا اس میں کمی کر دی گئی ہے اور اب جو کچھ ملے گا اس کو برائے نام ہی کہائے گا، اس کے علاوہ امیر المومنین کے نام جو اطلاع شہان کی مضبوطی کا فرمان بھی جاری کر دیا گیا ہے۔"

خلیفہ کی ہمت جواب دے گئی اس نے کمزور آواز میں پوچھا: "اور؟"

قاضی القضاۃ نے جواب دیا: "اور یہ کہ معلوم ہوا ہے سلطان اپنی شمالی اور مغربی حدود کے انتظامات میں مشغول ہو گیا ہے۔ وہ تبریز کیا ہے، دھڑ سے مٹھن اور فارغ ہو سنے کے بعد وہ اپنی پوری قوت بغداد اور خلافت پر صرف کر رہا ہے۔"

خاتون نے مستہ سے کہا: "اللہ خیر کرے۔" سب خلیفہ بہت باخبر تھے اب اس نے چکی تھی دونوں سے پوچھا: "پھر اب کیا کیا جاوے؟"

خاتون نے جواب دیا: "پا پیسے امیر المومنین"

کر سکتا ہوں لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں اس وقت میری آپ کو ضرورت ہے، آپ کے پاس میرا رہنا ہے یہ ضروری ہے۔“

خلیفہ نے کچھ سکوت اختیار کیا، شاید وہ جائزہ لے رہا تھا کہ ابوالفتح نے جو کچھ کہا اس میں کتنی صداقت ہے؟ آخر وہ اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ ابوالفتح کی ضرورت خلیفہ کو زیادہ ہے، کہا: تو کس قدر ہوشیار اور ذہین انسان ہے۔ واقعی اس وقت تیری مجھ کو ضرورت ہے۔ ورنہ خلیفہ اور تنہائی میرا کام تمام کر دے گی۔ میں فی الحال اکیلا نہیں رہ سکتا۔ ابوالفتح نے عرض کیا: اب آپ یہ فیصلہ کریں گے کہ آخر وہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے ابونصر کے دل میں ہمارا اعتماد بحال ہو جائے۔“

خلیفہ نے جواب دیا: اس پریشانی میں بھی میرا دلغ کام کر رہا ہے۔ ابونصر کو براہ منی کر کے کا ایک ایسا طریقہ ہے میرے پاس کہ وہ بالکل مجبور ہو جائے گا اور وہی کرے گا جو مجھے چاہتا ہے۔ وہ مجھ پر بھروسہ کرے گا۔“

ابوالفتح کو خلیفہ کے دوسرے طریقے نہیں آ رہے تھے۔ قاضی القضاۃ معاہدہ تیار کر کے لے آیا۔ خلیفہ نے معاہدے کو بار بار پڑھا اور مطمئن ہوئے۔ معاہدے کے بعد ابونصر کو قصر خلافت میں قلاب کر لیا۔ خلیفہ کا ابونصر کے نام نہایت مختصر پیغام تھا۔

”مید اللک ابونصر کندری! معاہدہ تیار ہے، فرما آجا اور اس کو سمجھ ہوئے مسئلے کو ہمیشہ کے لیے حل کر دے۔“

ابونصر کو اس پیغام کی صداقت پر شبہ تھا لیکن وہ اپنی بہانہ کی پر وائی کے بغیر قصر خلافت پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ اسماعیل اور انجید بھی تھے اور وہی امر ابوالفتح اور قاضی القضاۃ نے ابونصر کو اتھوں ہاتھ لیا اور اسے خلیفہ کے پاس لے گئے۔ خلیفہ قائم باہر اس کو دیکھ کر مسکرایا۔ دونوں نہایت گرجوٹی سے لے خلیفہ نے اٹھنا دیکھا۔ ابونصر کی طرف بڑھا دیا۔ ابونصر نے اسے اپنی آنکھوں سے چھو کر بوسہ دیا۔

خلیفہ نے پوچھا: اسے ابونصر! تو نے یہاں آئے ہیں پس ہمیشہ سے کام کیوں نہیں لیا؟ اب اگر میں چاہوں تو تجھ کو قتل کرادوں؟“

ابونصر کو موت اپنے سامنے نظر آرہی تھی، اس نے کن انجیدوں سے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا کہ کہیں کوئی جلا دیا نہیں ہو جو تو نہیں، وہاں قاضی القضاۃ اور ابوالفتح

خلیفہ نے قرار ہو رہا تھا: پھر بھی؟ ہمیں کیا معلوم ہے؟ ابوالفتح نے جواب دیا: ابونصر سے سارا معاملہ حل ہو گیا تھا اور خلافت آپ کے لیے ابونصر نے جو کچھ کہا ہے اس کی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی۔“

خلیفہ نے حکم دیا: تو ابونصر کو فوراً بلا لیا جائے۔“ قاضی القضاۃ نے جواب دیا: وہ ہماری قوتوں مزاحمت پریشان ہو کر گیا ہے اس لیے اب نہیں آئے گا۔“

خلیفہ نے پوچھا: وہ معاہدہ کمال ہے جس کی تیاری کی ذمہ داری تیرے سپرد کی گئی تھی؟

قاضی القضاۃ نے جواب دیا: اور امیر المومنین کو یہ بھی یاد ہونا چاہیے کہ اسے روک دیا گیا تھا۔“

خلیفہ نے کہا: اگر اس کو روک دیا گیا تھا تو اب اسے مکمل کر لیا جائے۔“

ابوالفتح نے کہا: قاضی القضاۃ! اب آپ سے فرما تیار کر لیں۔“

قاضی القضاۃ نے گھر جانے کی اجازت چاہی تو خلیفہ نے اسے یہ حکم بھی دیا کہ یہ کام زیادہ سے زیادہ دوسراعتوں میں مکمل کر لیا جائے۔

اب خلیفہ کا سکون بڑا ہو چکا تھا اس نے ابوالفتح کو وہاں سے بلے بھجوتے دیا اور پوچھا: تیرا کیا خیال ہے؟

سultan اور کیا کر سکتا ہے؟“

ابوالفتح نے جواب دیا: سلطان آپ کو خلافت سے بے دخل کر سکتا ہے، وہ کسی نابالغ اور فاجر عقل کو خلیفہ بنا کر حکومت کے باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے۔ وہ معاہدے سے زبردستی شادی کر سکتا ہے، وہ صیاد سے سروں کا زور ختم کر کے ترکوں کو مسلط کر سکتا ہے۔ وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔۔۔ وہ ایسی ایسی کارروائیاں کر سکتا ہے جن کا ہمارے خیال اور گمان میں بھی گزر نہیں ہو سکتا۔“

خلیفہ نے کہا: یہ تو بہت برا ہوا، ہوا نہیں ہو گا کیا عالم اسلام آجس کی ان حرکتوں کو خاموشی سے دیکھے گا اور براشت کرے گا؟“

ابوالفتح نے جواب دیا: عالم اسلام ہمارے لیے کچھ بھی نہیں کرے گا، وہ خاموش تماشا بن جائے گا۔“

خلیفہ ابوالفتح پر گرم ہو گیا تب پھر کوبیاں بیٹھا ہیں کیوں بنا رہا ہے۔ قاضی القضاۃ کے پاس جا اور معاہدے کی تیاری میں اس کی مدد کر۔“

ابوالفتح نے جواب دیا: میں قاضی القضاۃ کے پاس جاتا ہوں اور اس کی معاہدہ کرتا ہوں۔ میں۔۔۔ سچی

ابونصر نے پوچھی کہ اسے لی اور پوچھا: امیر المومنین! اس نے
مجھ پر جو اعتماد کیا ہے اس کے لیے میں سب سے حد شکر گزار ہوں
براہ کرم اس پوچھی کے بارے میں بھی کچھ ارشاد فرمائیے
خلیفہ نے جواب دیا: اس میں ایک تریہ و تریہ ہوئی ہے
جو ہمارے شانداران میں منوطاً چل رہی ہے اس یاد کو سب
مزم سے دھویا گیا ہے اور ایک تریہ سے تریہ ہے اس
کو میں نے اپنے لیے سوایا تھا۔

ابونصر نے پوچھی کہ اس سے خوب وقت بچا رہا ہے
کہ ایک شہر تھا اور یہاں کہ ایک شخصوں ریشمی پڑا دیتی
تھا اور تیس دس دینا یہ تیار ہوتی تھی۔
ابونصر نے فرمایا: عقیدت سے پوچھی کو بوسے کر اپنے
سر پر رکھ لیا، اس وقت وہ جانا خوش تھا اس کا اندازہ لگاتا
دشوار تھا۔

ابونصر نے خلیفہ کو بتایا کہ سلطان تبریز جاچکا ہے
اس لیے نکاح کی رسم تبریز میں ادا کی جائے گی۔
خلیفہ کو اس جویرے سے اختلاف نہیں تھا اس نے
کہا: لیکن بغداد میں رہے گا وہ تبریز نہیں جائے گا۔
اس کے بعد خلیفہ نے ابونصر کی موجودگی اور وکالت میں
سیدہ کا نکاح سلطان مغول سے طرہ و دار تانی عقد
اور ابو الفتح نے سماعت ایما کے دستخط ثبت کیے اس
کے بعد خلیفہ نے ابو القاسم نامی امیر کو تبریز روانہ کر دیا۔
نکاح کی دستاویز اس کے ساتھ تھی۔

اس وقت سلطان تبریز کے باہر مقیم تھا ابو القاسم
نے یہاں سلطان کا نکاح سیدہ سے طرہ و دار تانی عقد
کو خوب معلوم تھا کہ مشکل ترین کام ابونصر کی حکمت تہ پرورد
راہ سے انجام پایا تھا اس تقریب سعید کی خبریں آسمان مبارک
میں روانہ کر دی گئیں۔

سلطان نے امیر میں مدد رقیں کو اپنا نمائندہ نامزد کیا
اور بیش قیمت ہرایا کے ساتھ اسے بغداد روانہ کر دیا۔
بیش قیمت ہرایا میں تیس ترک خلام اور لونڈیاں تیس گھوڑے
دو خادم، ایک خادمہ کا گھوڑا مع کوکب زری و سرج مرصع
بجاہر اور دس ہزار دینار خلیفہ کے لیے جو کھن سینہ کے
لیے یعقوب کا علاقہ اور عراق کی وہ تمام جاگیریں جو پہلے سعدی
کی مرحومہ بیوی کے تھیں، ایک قیمتی ہرجس میں ایک ایک
مستقل سکے میں مونی پرستے ہوئے تھے اور دس ہزار نقد
دینے گئے تھے۔ دلی محمد بن الدین کے لیے پانچ ہزار
دینار اور دس کی دس کے لیے تین ہزار دینار روانہ کیے
گئے تھے۔

کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ جواب دیا: امیر المومنین! میں خوب
جانتا ہوں کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔

خلیفہ نے پوچھا: لیکن ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟
ابونصر نے جواب دیا: آپ کا تعلق زمانہ نبوت
سے ہے آپ اس کا احترام کریں گے۔

خلیفہ نے کہا: یہی شک ہم اس کا احترام کریں گے
اس کے بعد تانی العقد کو حکم دیا: وہ معاہدہ ابونصر کو
دکھائے۔

تانی العقد نے معاہدہ ابونصر کو دے دیا اس نے
بھی معاہدے کو بار بار پڑھا اور پوچھا: دونوں گواہ کد
ہیں؟

خلیفہ نے ابو الفتح اور تانی العقد کی طرف اشارہ
کیا: یہی دونوں گواہ ہیں۔

ابونصر نے منہ بانہ عرض کیا: معاہدے پر دستخط کرنے
کو سے گا، آپ یا میں؟

خلیفہ نے جواب دیا: پیسے میں دستخط کروں گا، اس
کے بعد تو اور آخر میں دونوں شاید۔

ابونصر نے محسوس کیا کہ خلیفہ دستخط کرتے وقت
پرسکون اور مطمئن نہیں تھا، اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا شاید
وہ یہ معاہدہ "تسکے دلوں میں کر رہا تھا۔

دستخط کرنے کے بعد خلیفہ نے یہ معاہدہ ابونصر کی
طرف بڑھا دیا۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح تو سلطان کی طرف
سے اس معاہدے پر دستخط کر رہے ہیں اسی طرح سلطان
کو اس کا پابندی بھی کرے گا۔

ابونصر نے جواب دیا: امیر المومنین! سلطان نے مجھے
اس معاہدے کا میاں و منار قرار دیا ہے۔ اس لیے وہ اس
کی پابندی بھی کرے گا۔

ابونصر نے بھی اس پر دستخط کر لیے اور اس کے بعد
دونوں گواہوں کے دستخط بھی ثبت ہو گئے۔

خلیفہ نے معاہدے کو اپنے قبضے میں کیا اور کد تیرہ
کے کد میں وکالت کا فریضہ کر انجام دے گا کیوں کہ واجب
ابونصر کی طرح میں نے بھی مجھ پر اعتبار کیا اور سیاہ و سفید کا
انتیاء تجدد کر دیا۔

سب کے آغوش میں خلیفہ نے ایک چادر میں بیٹی سعدی
پوٹی ابونصر کے حوالے کر دی۔ اس نے میرے لیے اور میرے
حق میں جو شاندار کمالات انجام دی ہیں یہ اس کے عرض کرنا یہ
تحفہ ہے میری طرف سے۔ اتنا قیمتی اور عظیم تحفہ کہ اس
سے زیادہ عظیم اور قیمتی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

مستتر بہتر کرنے کے بعد تیرہ سے ارمینیا چلا گیا۔ وہاں کچھ دن بڑی مصروفیت میں گزار دیے۔ ارمینیا سے نکلا تو آذربائیجان میں داخل ہو گیا۔ آذربائیجان میں وہ کچھ زیادہ ہی مشغول رہا۔ شہزادہ الپ ارسلان خلاف معمول اچانک ہی آذربائیجان میں داخل ہوا اور سلطان کی خدمت میں حاضر کی دی۔ خواجہ حسن مرویہ شہزادے کی نیابت کا فرض انجام دے رہا تھا۔

اب سلطان اور شہزادے کے لشکر آتے سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ سلطان الپ ارسلان کو بہت پسند کرتا تھا لیکن سلطان کے وہ امرا جو ابونصر اور شہزادہ سلیمان سے دلچسپی رکھتے تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ الپ ارسلان سلطان سے ان کی عدم موجودگی میں ملے۔ ان امرا میں ایرانی ہزار اسپ بھی شامل تھا۔ اس نے سلطان کو سب سے پہلے یہ خبر دی کہ شہزادہ الپ ارسلان اپنے لشکر کے ساتھ سلطان کا قہر مقابل ہو رہا ہے۔

سلطان کو اس خبر نے حیرت میں ڈال دیا۔ شہزادہ الپ ارسلان اور سلطان کا قہر مقابل، حقیقی حال کے لیے وہ اپنے غیصے سے باہر آ گیا۔ سلطان کی نگاہ اب زیادہ کام نہیں کر رہی تھی۔ ہزار اسپ نے شہزادے کے لشکر کی طرف اشارہ کیا جو تقریباً ایک فرسخ درخیز زن تھا۔

سلطان نے دھندل لکھ سے خیموں کی اس چھوٹی سی بستی کا نظارہ کیا اور بے یقینی سے پوچھا: کیا یہ سچ ہے کہ شہزادہ میرا قہر مقابل ہے؟

ہزار اسپ نے جواب دیا: آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

سلطان نے سوچا کہ اگر شہزادہ خیر سگالی کے جذبات کے ساتھ یہاں آیا تھا تو اسے سلطان کی خدمت میں حاضری بھی دینا تھی لیکن وہ نہیں آیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نیت میں کھوٹ ہے۔

سلطان کسی ڈال کر غیصے کے درپہی بیٹھ گیا اور کہہ دیا: شہزادے کو اسی وقت میرے زور بردار حاضری دینا چاہیے تھی اس کو جواب دے۔

ہزار اسپ نے شک و شبہ سے عرض کیا: کیا وہ جوں سے آجائے گا؟

سلطان نے ہلکے تعین سے جواب دیا: ہمیں نہیں آئے گا۔ شہزادے کو اگر اس نے سرتابی کی ترہیں اس کو

سزا دیں گا۔ ہزار اسپ نے اسے گھبراہٹ سے دیکھا اور کوئی شے نہ ہو کر اسے لوہے کو گرم دیکھا تو اس پر چڑھ گیا۔ اس نے کہا: شہزادہ الپ ارسلان کو کسی نے یہ یقین دلایا ہے کہ سلطان چاروغ سھری کی طرح جھلار رہا ہے۔ تیز ہوا کا ایک جھونکا اس کو گھبا سکتا ہے اس لیے اس سے پہلے ہی اقتدار پر قبضہ کر لو۔

سلطان نے ایک بار پھر الپ ارسلان کے لشکر کو دیکھا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں کو غم غصے کے جھٹکے کے سامنے میں لے کر لشکر کی طرف دیکھا۔ اسے زور و زور تک نفاد دھول دھواں نظر آ رہی تھی۔

امیر ہزار اسپ نے عرض کیا: اگر آپ کا شہزادے کے نام کوئی پیغام ہو تو میں اس کے لیے شہزادے کے پاس جا سکتا ہوں۔

سلطان کو اپنی بیانی پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ سلطان کو دھوکا دے رہی تھی۔ اس نے امیر ہزار اسپ کو حکم دیا کہ وہ شہزادے کو اپنے ساتھ اس کے پاس لے آئے۔

امیر ہزار اسپ نے عرض کیا: کیا میں اپنے ساتھ قہر کی سی فوج بھی لے جا سکتا ہوں؟

سلطان نے پوچھا: وہاں تیری فوج کا کیا کام؟ فوج لے جا کر کیا کرے گا؟

امیر ہزار اسپ نے جواب دیا: اس کے عوام کا علم ہم سب کو ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ محفوظ آئندہ بھی کوئی ہنسی ہے۔

سلطان نے اجازت دے دی: تو قہر کی سی فوج اپنے ساتھ لے جا لیکن اس کو رخ کر دینا کہ شہزادے سے جنگ نہ کرے۔

ہزار اسپ ایک ہزار سوار لے کر الپ ارسلان کے طرف روانہ ہو گیا۔

الپ ارسلان اس کو راستے ہی میں مل گیا۔ وہ بھی اپنے دس سواروں کے ساتھ سلطان کے پاس جا رہا تھا۔

امیر ہزار اسپ اس کو مل میں رکھ کر گھبرا گیا اور پوچھا: شہزادے آپ کہاں جا رہے ہیں؟

شہزادے نے ان سواروں میں سلطان کو تلاش کیا۔ اور جب سلطان نظر نہ آیا تو ہزار اسپ سے سوال کر دیا: وہ کہاں جا رہا ہے؟

امیر ہزار اسپ نے جواب دیا: شہزادے میں آپ کا بھی غلو چلا اور آپ کو یہ بتانے ہمارا تھا کہ سلطان آپ کو

راؤ شکی کے ساتھ آذربائیجان میں دیکھ کر برہم ہوا ہے۔
اب سلطان نے پوچھا: وہ کیوں؟ میرے دوستوں
سے سلطان کو ہمیشہ تقویت حاصل ہوتی ہے۔ پھر آج اس
پر یہ اعتراض کیوں؟

امیر مہراز اسپ نے تند و تیز جواب اختیار کیا: میں کوئی نہیں
جانتا، آپ کی جہانی اسکی میں ہے کہ یہیں سے واپس چلے
جائیں اور اس وقت تک سلطان کی نفروں سے اور جیل میں
سیب تک کہ سلطان آپ کو خود بخوبی کرے۔
اب سلطان نے کہا: لیکن تو میرا رستہ کیوں روک رہا ہے؟
اس نے جواب دیا: رستہ میں نہیں آپ کا بچا سلطان
مخلول روک رہا ہے۔

اب سلطان نے کہا: کیسے تو میں وہاں جا رہا ہوں
سلطان کے پاس۔ میں اس سے بات کروں گا اور اس تبدیلی
کی وجہ پوچھوں گا۔

اب امیر مہراز اسپ بھی اپنے منصوبے کی تکمیل میں
کوشش تھا۔ جواب دیا: ویسے تو تو کہہ رہے ہو کہ میں اسے
کر لیکن اس وقت میں تجھے سلطان کے پاس نہیں جانے
دوں گا۔

لیکن، یہی وقت سلطان خود ان کے پاس پہنچ گیا۔
مہراز اسپ نے سلطان کو اپنا مک اپنے سر پر دیکھا
وگھیرا اور اپنے ایک سوی کو ڈانٹا شروع کر دیا۔ تو نے
یہ خیر فستے دارانہ خبر کہاں سنی تھی؟

اب سلطان، سلطان کو اپنے سامنے دیکھ کر گھوٹے
سے اترتا اور سلطان کی تکب کو بوسہ دیا۔

سلطان، اب سلطان سے بڑی محبت کرتا تھا۔ محبت
تیز نظروں سے شہر سے کو دیکھ کر گھوٹے پر بیٹھ جانے
کا حکم دیا۔

اب سلطان دوبارہ اپنے گھوٹے پر سوار ہو گیا۔
مہراز اسپ نے دیکھ کر کہا: اب ہم کہاں جائیں
گے؟ اپنے شکر میں یا...؟

سلطان نے جواب دیا: میں اب رستہ کے پڑاؤ پر
جا رہا ہوں۔

مہراز اسپ نے متاثر ہو کر کہا: کیا یہ
سب ہے؟

سلطان نے جواب دیا: ہاں، یہی سب ہے۔
اب سلطان ایک بچہ لے کر گھوٹے سے نیچے آگیا
اور اپنے گھوٹے کو اپنے ایک ساتھی کے حواسے کر کے خود

سلطان کے گھوٹے کی بگام بگڑ کر پیدل چلنے لگا۔
سلطان نے کہا: تو یہ کیا کر رہا ہے؟ آخر تو بھی تو شہزادہ
ہے اپنے گھوٹے پر سوار ہو جا۔

اب سلطان نے عرض کیا: لیکن آپ میرے باپ
بھائی ہیں چچا بھی اور سلطان بھی، آپ اس خدمت سے مجھے
محروم نہ کریں۔

سلطان بھی گھوٹے سے اتر کر پیدل چلنے لگا۔ سلطان
کے ساتھ ہی بھی گھوٹوں سے اتر کر پیدل چلنے لگے۔

سلطان نے ہتے چلتے پوچھا: تو آذربائیجان کیسے
آتا تھا؟

اب سلطان نے جواب دیا: آپ سے ملاقات کرنے،
آپ کا نیاز حاصل کرنے۔

سلطان نے کہا: یہ ملاقات سے بغداد میں بھی ہو سکتی تھی۔
شہزادے نے جواب دیا: بھائو! لیکن وہاں میں آپ
سے وہاں نہیں کر سکتا تھا تو یہاں کروں گا۔

سلطان نے پوچھا: تیرے ساتھ فوج کتنی ہے؟
شہزادے نے جواب دیا: تین ہزار۔ بھگت کیوں؟

سلطان نے میر مہراز اسپ کی طرف دیکھا: بس یونہی،
کوئی خاص بات نہیں۔

شہزادے نے بہت کچھ بھڑکایا تھا۔ پھر بھی کیوں؟ آپ
نے یہ سوال کیوں کیا؟

سلطان نے صاف صاف بتا دیا: مجھ کو یہ بتانا تھا
کہ تو یہاں میرے تہذیبی بڑی نیت سے آیا ہے؟

اب سلطان بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ کس نے یہ خبر
دی تھی آپ کو؟

سلطان نے جواب دیا: بس دی تھی کسی نے یہ خبر۔
اب سلطان دوبارہ سوار ہوا تھا۔ میں اور آپ کا مقابلہ

یہ کسی شرمگاہ بات کہی گئی آپ سے؟

امیر مہراز اسپ کے پوسے جسم میں جھوٹیل سی رنگ
رہی تھیں۔ اس نے اپنے سوی کو دوبارہ ڈانٹا: تو نے میرے

منہ پر ہانک کر دی کس نے دی تھی یہ خبر؟

لیکن اس آدمی پر مہراز اسپ کی باتوں کا کوئی اثر نہ تھا۔

اب سلطان نے پھر وہی سوال کیا: آپ مجھے اس
آدمی کا نام ضرور بتائیں جس نے ہم دونوں میں بدگوشی پھیلنے
کی کوشش کی تھی۔

سلطان نے ایک بار پھر میر مہراز اسپ کی طرف دیکھا

اور جواب دیا: سوچتے ہوں، کس کا نام نواہتے ہوئے شرم ہوگا

ہمدرد تھا ہے۔

امیر ہزار اسپ نے اپنی نیام سے غور نکالی اور جس شخص کو بار بار ڈانٹ رہا تھا ایک ہی رات میں اس کو قتل کر دیا۔ یہ سب تیرے بھوٹ اور بے سرو پا خبریں دینے کی سزا۔ سلطان نے اس قتل پر انصوح کیا، وزیر اسپ سے پوچھا: یہ تو نے کیا کیا؟

امیر ہزار اسپ نے جواب دیا: میں نے جو کچھ کیا ہے درست کیلئے کیونکہ یہ وہ شخص تھا جس نے شہزادہ اسپ ارسلان کے پاس میں بے سرو پا خبریں دی تھیں۔ سلطان نے کہا: تو نے اسے ناحق قتل کر دیا۔ اس سے تو یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ آخر اس نے ایسا کیوں کیا تھا؟

امیر ہزار اسپ نے جواب دیا: میں نے اس بھوٹے کو جہنم داخل کر دیا اور اب میں بے حد مطمئن ہوں۔ ایک آدمی چشم زدن میں قتل کر دیا گیا اور اس کا جسم ٹرپ ٹرپ کر سرد ہو گیا۔ جس کو اس کی موت کا نہ تو انصوح ہوا اور نہ ڈک۔ وہ جس طرح جل رہے تھے اسی طرح جلتے رہے۔

اب ارسلان کے شکر میں پہنچ کر سلطان، شہزادے کے خیمے میں چلا گیا۔ امیر ہزار اسپ اور اس کے ساتھیوں کو وہ سرد خیموں میں بھیج دیا گیا۔

شہزادے کا خیمہ کسی قدر پر کلفت تھا۔ یہاں آرائش و زیبائش کا بھی خیال رکھا گیا تھا۔

اب ارسلان سلطان کی خوشامد آمد میں مصروف تھا وہ امیر ہزار اسپ کے پاس میں بھی غور کرتا رہا۔

سلطان نے اسے فکر مند دیکھ کر تو اسے اس سے باز رکھنا چاہا: اب ارسلان اب تو یہ عمارتوں کا نام اناؤں جیسا ہو جا رہا۔

اب ارسلان نے جواب دیا: لیکن جیب تک مصروف ہو کر نہیں رہا دینے کی کوشش کیوں کی گئی ہے میں پریشان ہمدرد ہوں گا؟

سلطان نے کہا: امیر ہزار اسپ کو جس شخص نے میرا دی تھی امیر نے اس کو تیرے سامنے قتل کر دیا۔

اب ارسلان نے جواب دیا: لیکن مجھ کو جو کچھ بتایا تھا اس کی مدد سے یہ ملامت نہ دلاؤ گے تھا اور اس کو چند دن پیسے ہی کسی کی سفارش پر امیر ہزار اسپ نے اپنے آدمیوں میں شامل کر لیا تھا اور آج وہی ناحق ملامت کیا۔

سلطان نے یہ انکشاف بڑی حیرت سے سنا، وہ گونگا تھا کہ کس نے بتایا تھا؟

اب ارسلان نے اس کی دیکھی بے باہر کیا اور جیب دینے خیمے میں داخل ہوا تو امیر ہزار اسپ کا ایک آدمی شہزادے کے ساتھ تھا۔ شہزادے نے اس کو سلطان کی طرف دھکیل دیا اور کہا: اس نے بتایا تھا مجھ کو؟

سلطان نے پوچھا: اس کو کہاں سے پتہ چلا؟ لیکن اس سوال کا جواب شہزادے نے نہیں دیا۔ اس نے دیا: سلطان محترم! میرے والد میرے بھائی میرے سے، اس کو شک نے طویا تھا۔

سلطان نے پوچھا: کیا وہ واقعی گونگا تھا؟ اس نے جواب دیا: میں بھوٹ کیوں بولوں گا؟ سلطان نے پوچھا: جو کچھ تو نے ابھی کہہ دے سنے کہلے، امیر ہزار اسپ کے سامنے بھی کہہ سکتا ہے۔ اس نے جواب دیا: میں یہ سچ کہیں بھی بول سکتا ہوں کسی کے بھی سامنے۔

شہزادہ اب بھی غصے میں تھا، امیر ہزار اسپ نے جو کچھ کیا اس کو اس کی سزا ملنا چاہیے۔

سلطان نے جواب دیا: لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد سلطان نے امیر ہزار اسپ کے آدمی کو خیمے سے نکال دیا: اب تو جا سکتا ہے۔

اس نے ہاتھ ہاتھ پوچھا: کیا مجھ کو دوبارہ بھی بلایا جائے گا؟

سلطان نے جواب دیا: نہیں، میں تجھ کو دوبارہ نہیں بلاؤں گا۔

اس نے سادگی سے سوال کیا: اور میرا یہ سچ؟

سلطان نے جواب دیا: اپنی سچ کو تو بھی بھول جا تیری یا اس آدمی کی وجہ سے جسے قتل کر دیا گیا، میں امیر ہزار اسپ کو بھٹکا کر شرمندہ نہیں کرنا چاہتا۔

یہ شخص بہت انصاف پرور تھا، مگر یہ انصاف تو نہیں ہے میں مقتول کے گھروالوں کو کیا جواب دوں گا؟

سلطان نے جواب دیا: کچھ بھی ایہ بھی ایک جواب ہے کہ وہ میدان جنگ میں مارا گیا اور یہ بھی کہ اس کو نامعلوم شخص نے ذاتی دشمنی میں قتل کر دیا۔

جب یہ شخص چلا گیا تو سلطان نے اب ارسلان کو کہہ دیا: امیر ہزار اسپ بے حد متراش ہے، میں اس کو کسی گونگے پر دماغ نہیں کر سکتا۔

شہزادے نے کہا: لیکن امیر ہزار اسپ نے جو کچھ کیا کیا اس سے ہم دونوں آپس میں نہیں روکتے تھے؟

ہند شاہ تعلق ایک متعلقہ پانچ میں شل رہا تھا۔ ایک سامنے سے ایک لڑکا دوڑتا ہوا آیا اور بادشاہ سے مل گیا۔
 ہند شاہ تعلق کو اس حرکت پر بہت غصہ آیا اور اس نے لڑکے کو چھڑی سے پیٹ ڈالا۔
 لڑکا دوڑتا ہوا عدالت میں پہنچا اور اس کے استغاثے پر قاضی احتضار نے بادشاہ کو عدالت میں بلوایا۔ ہند شاہ تعلق ایک معمول
 کی طرح حاضر عدالت کر دیا گیا اور اس نے جرم تسلیم کر لیا۔ لڑکا لڑکے نے مجھے نہیں دیکھا تھا اور مجھ سے واقف ہی نہ تھا۔
 قاضی احتضار نے بادشاہ کو ایک دن کی سزا دی اور کہا کہ اس لڑکے کو راضی کر لو ورنہ قصاص کے لیے تیار ہو جاؤ۔
 بادشاہ نے لڑکے کو بہت کچھ دیا اور دل دینا چاہا مگر وہ کسی طرح رہا مند نہ ہوا۔ دوسرے دن بادشاہ قاضی احتضار کے دربار
 میں حاضر ہوا اور قاضی احتضار کے حکم سے لڑکے نے کسی پھڑی سے جس سے لڑکے پٹا گیا تھا، بادشاہ کے جسر پر ابدی پائے
 سڑکے بند بادشاہ نے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی کہ خدا نے اسے الفاف پر ثابت قدم رکھا اور دنیا میں اس سے جو پس ہوا
 حق اس کی سزا سے دنیا ہی میں مل گئی۔

سولانا امجداد صبر کی مشاعرہ خیر و شکر

پر حضرت یحییٰ بہت وہاں آپ کا عقیدہ اور فدا و زین
 ابو نصر موجود ہو گیا ہے۔ میں نے کوٹھیلے سے کس طرح دیکھا کہ
 ہوں ؟

سلطان نے کہا : میں شہزادہ سلیمان اور اس کی باں کی
 بات تو نہیں کرتا، لیکن ابو نصر کی بڑی عزت کرتا ہوں میں
 اپنے بیشتر کام اسی کے مشورے سے انجام دیتا ہوں ؟

شہزادے نے اپنے دل کی بات صاف صاف کہہ
 دی : کیا شہزادہ سلیمان کی دلی عہدی کا چرچا ہے بنیاد سے ؟
 جبکہ ہر اعتبار سے میں اس کا زیادہ متفق ہوں ؟

سلطان نے اسے یقین دلایا : تو کیوں فکر مند ہے ؟
 میں جانتا ہوں تو بولی عہدی کا ہر طرح اہل ہے ؟
 شہزادے نے تجویز پیش کی : ہم سب کے لیے آج

سب سے بڑی خوش خبری یہ سب کہ آپ خلیفۃ المسلمین کے
 داماد ہیں۔ اس موقع پر اگر آپ میری دلی عہدی کا جس غلام
 فرمادیں تو میں وہ بہتر خوشی حاصل ہو جائے گی۔

سلطان نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کھڑت ہوئے
 ہوئے کہا : الپ اس سلطان، تو مجھے بہت عزیز ہے اور میں
 یہ یقین دلا رہا ہوں کہ تو ہی میرا جانشین ہے لیکن میں یہیں
 تیرے خیمے سے یہ اعلان نہیں کر سکتا ؟

الپ اس سلطان میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ پوچھتا کہ
 آخر کیوں ؟ اس خیمے سے میرے خیمے سے یہ اعلان کیوں نہیں
 ہو سکتا۔

سلطان کہہ رہا تھا : اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ میں تیرے خیمے
 میں تنہا اوسے یا رو مددگار ہوں تو یہ خیالی غلام اپنے دل

سلطان نے جواب دیا : نہیں، کم از کم میں تو نہیں
 شہزادہ اس پر جیسے ہیں پھر میں ان کو کیوں قتل کروں ؟
 میں تو ان کو اپنے اعضاء سے جسمانی کی طرح سمجھتا ہوں۔

شہزادہ الپ اس سلطان تملایا ہوا تھا۔ اس کا بس نہیں
 دل رہا تھا۔ وہ امیر شہزادہ اس پر کورداشت نہیں کر سکتا تھا۔
 سلطان نے اس کو یہ کہہ کر چونکا دیا : اب میں تیرا محاسبہ
 بنا چاہتا ہوں اس لیے سنبھل جاؤ۔

شہزادے نے حیرت سے پوچھا : میرا محاسبہ ! میں نے
 کیا ہے ؟

سلطان نے پوچھا : تو یہاں کیوں آیا ؟
 شہزادے نے بیٹھ جانے کی اجازت طلب کی : کیا میں
 بیٹھ کر باتیں کر سکتا ہوں ؟

سلطان نے جواب دیا : بیٹھ جا، بیٹھ کے باتیں کر مگر
 مجھ کو میرے تمام سوالوں کے جوابات درست دینا چاہئیں
 میں پوچھتا ہوں تو یہاں آؤر بائجان کیوں آیا ؟

شہزادے نے جواب دیا : آپ سے ملاقات کرنے
 آپ سے چند اہم امور پر تبادلہ خیال کرنے کی خاطر۔
 سلطان نے کہا : یہ ملاقات تو مجھ سے میں بھی ہو
 سکتی تھی پھر یہاں آؤر بائجان میں ہی کیوں ؟

شہزادے نے جواب دیا : میں اور بغداد میں تھک رہا ہوں
 سلطان نے پوچھا : تھکیہ ! کیا تھکیہ ؟ تھکیہ تو ہر کسی
 سے ہے ؟

شہزادے نے کہا : میں میرا بیٹا سلیمان موجود ہے،
 اس کی مال موجود ہے جو سلیمان کو آپ کا جانشین قرار دینے

سے نکال دے۔

اسپ ارسلان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس بات کے لیے یہ مناسب وقت، مناسب موقع نہیں تھا۔

سلطان نے کہا: میں ہار رہا ہوں، اگر مجھے کوئی روکنا چاہے تو روک کے دکھائے۔ ایک اقبال مند بادشاہ کہیں تنہا یا بیوا مردہ کا گھر نہیں ہوتا۔ اس کا اقبال اور خوش بختی ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ میں بھی یہاں اکیلا نہیں آیا۔ میری خوش بختی اور اقبال مجھ سے دو قدم آگے چل رہے تھے۔

اسپ ارسلان ان باتوں کا غامدی نہیں تھا۔ اس کو تکلیف پہنچ رہی تھی۔

سلطان فیصے سے نکل گیا۔ اسپ ارسلان اس سے چند قدم پیچھے تھا۔ باہر نکل کر سلطان اپنے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ امیر مزار اسپ اپنے سواروں سمیت سلطان کا غنچہ تھا۔ وہ بھی سلطان کے ساتھ ہوا۔ اسپ ارسلان بھی سلطان کے ساتھ چل رہا تھا۔

ہزار اسپ کی تیز اور معاملہ فہم نظروں سلطان اور اسپ ارسلان کے گھنٹاؤ کو غوس کر رہی تھیں۔

اپنے خیمے کے سامنے سلطان نے اعلان کر دیا: میرا ولی عہد فی الحال کوئی نہیں اور میں یہ فیصلہ اپنے وزیر بونصر کے مشورے اور رائے سے طے کروں گا۔

یہ کہہ کر سلطان اپنے خیمے میں چلا گیا۔ اسپ ارسلان جہاں رکھا تھا وہیں کھڑا رہا۔

امیر مزار اسپ نے پوچھا: شہزادے! کیا بات ہے آپ کو؟ پریشان نظر آ رہے ہیں۔

اسپ ارسلان نے جواب دیا: تو فنسول آئیں نہ کرو۔

تو نے ہی سلطان کو درنگ کر میرے غلام کر دیا ہے۔

امیر مزار اسپ مسکرا کر فرمایا: شہزادے! یہ بات سنیں ہے اپنے دل کو ٹھوئیں، سلطان کا دل آئینہ ہے۔ اس میں ہمارے دل کا کس بھی نظر آتا ہے۔

اسپ ارسلان دیر تک باہر کھڑا رہا۔ وہ سلطان سے اذن ہدائی کا طالب تھا۔

نصف ساعت بعد مزار اسپ نے اسے مشورہ دیا۔

سب آپ شہنشاہ ہائیں سلطان آپ کو نہیں بلانے گا۔ اسپ ارسلان کو دکھ ہوا تھا۔ وہ مزار اسپ کی کسی بات کا بھی جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔

پھر نیچے کاہلہ الاکھ اٹھا اور اندھے سے سلطان کا قدم قدم پر ہوا۔ اس نے اسپ ارسلان کو بتایا کہ سلطان آپ

کو یاد کر رہے ہیں۔

اسپ ارسلان تھکا تھکا نظر آ رہا تھا۔ اندر سلطان تنہا نہیں تھا۔ وہاں آرمینیا کے دو عیسائی بھی موجود تھے۔ ان کے گھروں کی صلیب چمک رہی تھی۔ دونوں سلطان کے سامنے دوڑاؤ بیٹھے تھے۔

سلطان نے اسپ ارسلان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دونوں سے کہا: یہ میرا بھتیجا اور ولی عہد اسپ ارسلان ہے تم دونوں اس کو پہچان لو۔

اسپ ارسلان کو سنی ہوئی مسرت آمیز باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

آرمینیا کے باشندے اسپ ارسلان کی طرف گھوم گئے۔ انہوں نے شہزادے کو خوب اچھی طرح دیکھا اور اس کی شکل اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لی۔

اس کے بعد سلطان نے ان دونوں کو رخصت کر دیا۔ اور دونوں آرمینی خیمے کے عقبی حصے سے باہر نکل گئے۔

سلطان ٹھننے لگا۔ اس کے دونوں اہل بیت پر تھے اپنا کب اس نے بون شروع کر دیا۔ دونوں آرمینی وہ بات پوچھ رہے تھے جو تو پوچھ رہا ہے۔

اسپ ارسلان نے عرض کیا: سلطان کی تلافی سر بہتر ہے کہ مجھے قتل کر دیا جائے۔

سلطان نے پوچھا: وہ امیر مزار اسپ... وہ کہاں چلا گیا؟

باہر موجود ہے یا چلا گیا ہے؟

اسپ ارسلان نے جواب دیا: وہ باہر موجود ہے اور اس وقت تک موجود ہے گا جب تک میں یہاں آپ کے پاس موجود ہوں۔

شہزادہ اسپ ارسلان کی آواز انہیں ہی جو شکایت یا دھک تھا سلطان اسے خوب محسوس کر رہا تھا۔ سلطان نے پوچھا: میں نے دونوں آرمینی عیسائیوں سے تیرا جو تعارف کرایا ہے تو نے سُن لیا۔ تیری ہے سنی اور سوال کا جواب اس میں موجود تھا۔ اب گویا سنا ہے۔

اسپ ارسلان نے ہنسائی آواز میں کہا: اس وقت آپ سلطان نہیں میرے علم میں کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے جو بات آرمینیوں سے کہی، پہلے ہی مجھ سے کیوں نہیں کہہ دی؟

سلطان نے جواب دیا: میں یہ بات اپنے کسی امیر کے سامنے نہیں کہہ سکتا کیوں کہ میں جانتا ہوں تیرے غلام سازشیں شروع ہو جائیں گی اور تم کو قتل بھی کرایا جاسکتا ہے۔

اب تم جاسکتے ہو۔

اسپ ارسلان نے ہنسائی آواز میں کہا: اس وقت آپ سلطان نہیں میرے علم میں کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے جو بات آرمینیوں سے کہی، پہلے ہی مجھ سے کیوں نہیں کہہ دی؟

سلطان نے جواب دیا: میں یہ بات اپنے کسی امیر کے سامنے نہیں کہہ سکتا کیوں کہ میں جانتا ہوں تیرے غلام سازشیں شروع ہو جائیں گی اور تم کو قتل بھی کرایا جاسکتا ہے۔

اب تم جاسکتے ہو۔

عجب وہ ہمارے لگا تو سلطان نے آواز دے کر است
رک لیا۔ ہاں ایک بات اور بہت ضروری بات یہ
ہے کہ سلطان لڑ گیا اور شہر سے ہٹے پوچھا: جن
بن کی بات ہے؟

سلطان نے جواب دیا: تو یہاں سے نکل کر یہی جاتے
کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے خوش نہیں ہیں اور یہ کہ میں
نے کچھ کو بایوک کر دیا ہے۔

شہزادے نے کہا: بہتر ہے میں ایسا ہی کروں گا۔
سلطان نے کہا: اب تو جاسکتا ہے۔

شہزادہ باہر نکلا تو اس کے چہرے پر نہ صرف فسر و غم
رکھتی بلکہ مردنی چھا گئی تھی۔ وہ ہزار اسپ اور اس جیسے
میں دوسرے امر کو تار سے رہتا تھا کہ سلطان نے اس کو
رہنے دیوں ہی نہیں کیا بلکہ اس کو ڈانڈتا بھی ہے۔

اس نے باہر نکل کر امیر ہزار اسپ کو ادھر دھڑکلاش
مگر وہ کہیں نظر نہ آیا لیکن جب وہ اپنے گھوڑے کی طرف
دھڑکلا تو ایک خیمے کی آگ سے امیر ہزار اسپ براہر چلا
سکا اور ہاتھ اس نے شہزادے کا راستہ روک دیا اور اس
کا چہرہ سے امدادی کیفیات کا جائزہ لیتا رہا۔

شہزادے نے دونوں ہاتھوں سے اسے ہٹا دیا مگر
انہیں ہٹا اور پوچھا: اندر کیا ہوا؟ آپ کو کیوں لایا گیا تھا؟
شہزادے نے جواب دیا: مجھے راستہ سے جی ایسی
احمدی اور بانٹینی پر چھوٹا بھی نہیں۔ ذلت و بے عزتی
انتہا ہو گئی۔

امیر ہزار اسپ نے شکایت کیا: آپ نے میری شکایت
کی تھی سلطان سے۔ میں نے اپنے ایک شخص کو کسی وجہ سے
ارک دیا تو آپ کو یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ مقتول کو گونگا
ت کر دیتے۔

شہزادے نے کہا: اچھا تو مجھے راستہ سے روکنا تھا
میں نے گونگا ثابت کیا۔

ہزار اسپ نے اسے راستہ سے دیا اور کہا: ہم بھی
یہ شہزادے، ہمیں نظر انداز کر گئے تو پریشانیوں میں گھر
گئے۔

سلطان اس کو سامنے سے بٹا کر اپنے گھوڑے کے
پاؤں اور پھراس پر سوار ہو کر اپنے لشکر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہزار اسپ اور دوسرے امر بھی اپنی اپنی جگہ اس بات سے
خوش تھے کہ سلطان اور الپ ارسلان میں ٹان بن ہو گئی۔

کراچی میں شہر خیری مرحوم صاحب مرحوم کے
ایک فرشتی مشاعرہ و موارثہ سے کہہ کر نہا اپنے
جوتے تلاش کر سگئے جو ایک ہی ڈیزائن کے ہونے
کی وجہ سے دل لگے تھے یہ شہر خیری نے میر
شہری جوتے کا ایک پر نہیں مل رہا تھا۔ انہوں نے
شاعر گھنوی سے پوچھا:
آپ کا جوتا بھی میرے
جیسا ہی ہے۔ کہیں ایک پر تو آپ سے نہیں مل سکتا
شاعر گھنوی نے کہا: بن ب میرا تویر بھی
آپ سے بڑا ہے۔

ہزار اسپ نے جو خیر سیمن و اس کی برک کو ہاتھ
خوش خبر دیکھا۔ اس نے جو خیر کو ہاتھ سپ کی صدم
موجودگی میں الپ ارسلان سے بڑی کوشش کی کہ اس کی
ولی عہدی اور بانٹینی کا عدل کر دیا جس نے لیکن یہ نہیں
کرایا سکا۔ اب سب کچھ شہزادے کے حق میں ہے۔
شہزادے سیمن کی اس کو جیسی خوش خبری کا کہہ کر لیکن
گئی تھی۔

اس کے ساتھ ہی امیر ہزار اسپ نے سہلان کو یہ
بار کرانے کی کوشش کی کہ شہزادہ الپ ارسلان دست ان کے
خیمے سے نکل کر سہلان کو براہ جہد کر دے۔

سلطان نے ہزار اسپ کو کہا: یہ تو کیوں پریشان ہے
وقت کا انتظار کرنا سب ٹھیک ہو جائے گا۔

امیر ہزار اسپ خاموش ہو گیا۔

اب سلطان کو بغداد پہنچنے کی جلدی تھی لیکن اس
دوران اس کا سر درد کرنے لگا۔

اس نے اپنے لشکر کو ملکہ دیا کہ یہاں سے پہننے کی تیاری
کی جائے۔ درد اور تیز ہو گیا۔

جب لشکر اپنا سامان سمیٹ کر پہنچے تھے تو
ابو نصر کا پیغام موصول ہوا۔

آپ جلد از جلد بغداد آجائیں تاکہ بقیہ رسوم بھی ادا کر لی
جائیں۔

اس قاصد نے سلطان کو ارسلان قانون کا پیغام بھی دیا۔
سیدہ قانون آپ کی بیوی تو بن گئی مگر میں آپ کے
نقدوں سے گر گئی۔ سب میں یہاں نہیں رہ سکتی اس لیے کچھ
کو بلایا جائے۔

بھی نہیں آئے گی۔

ابونصر نے جواب دیا: یہ بات سلطان کے علم میں ہے اس لیے اس کا دوبارہ سہارا نہ کر کے مافوق ہے۔

خلیفہ نے کہا: اور سلطان کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ جب سلطان کا سیدہ خاتون سے آمناسا ہوا تو سیدہ خاتون اپنے چہرے پر نقاب ڈال گئی، ان سلطان کے احترام میں نہیں ہوگی، وہ سلطان سے کسی قسم کی بات بھی نہیں کرے گی اور سلطان کا یہ فرض ہوگا کہ وہ سیدہ کو احترام کرے اور...۔ ابونصر کو خلیفہ پر غصہ آ رہا تھا اس نے جواب دیا: یہ باتیں معاہدے میں تو موجود نہیں ہیں۔

خلیفہ نے کہا: نہ چوں معاہدے میں موجود ہیں جو کہ رہا ہوں۔

ابونصر نے ان نئی شکوک کے معنوں کا ذکر کیا: شاید سلطان ان کی پابندی نہ کرے اور بات بگڑ جائے۔ خلیفہ نے جواب دیا: میں جو کہہ رہا ہوں وہی ہوگا۔ دوسرا ہی ہوگا۔

ابونصر نے کوئی وعدہ نہیں کیا جس معاہدے پر میں نے دستخط کیے ہیں میں اس کا پابند ہوں اور سلطان بھی اس کا پابند کرے گا۔ اس کے سوا جو کچھ ہوگا اس کی پابندی نہ کر دوں گا نہ سلطان۔

خلیفہ نے کہا: ہر حال میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کو ذہن میں رکھو اور سلطان کو اس کی اطلاع دے دو۔

ابونصر خلیفہ کے پاس سے چلا آیا اور اس کے بعد خلیفہ نے اور سلطان خاتون کو طلب کر لیا۔ اور سلطان خاتون تو پہلے ہی سے زار تھی۔ اس نے خلیفہ کو منع کر دیا کہ میں اپنے چہرے اور سیدہ کے بارے میں کوئی بات نہیں کرتا چاہتی ہوں دونوں کے خلاف کوئی بات ہو تو ضرور کروں گی۔

خلیفہ نے طنز سے سوال کیا: تجھ کو اتنا اختیار کس نے دے دیا کہ تو بات چیت میں مجھے یعنی امیر المومنین کو پابند کر دے؟ اور سلطان خاتون نے جواب دیا: میں امیر المومنین کی بیوی ہوں اور ایک عورت اپنے شوہر سے اس طرح بات کر سکتی ہے۔ خلیفہ نے اس کی بات ٹھیک سے نہیں سنی اور اسے حکم دیا: جب سلطان بات کسی مل میں آئے گا تو سیدہ کے پاس جاؤ جو وہ ہے گی۔ سیدہ کے چہرے کو نقاب میں ڈھکیا جائے گا اور اسے ہرگز ملنے کو نہ دیا جائے گا، اگر سیدہ سے دور رہے، سیدہ کا احترام کرے اور سیدہ سے باتیں کرنے سے محذور ہے۔

سلطان کے سر کا وہ داڑھی بڑھ گیا تھا کاویں نفی درتہ سلطان کی دیکھ بھال اور علاج معالجے میں مشغول ہو گیا۔ امیر المومنین نے سلطان کو یہ بات کرنا چاہا کہ خاتون اسے اور سلطان سلطان پر ہمارا ذکر ہے لیکن سلطان نے اس سے قہقہے نہیں کیا۔

ابو اس کو قہقہے پلائے تھے، بہت سی دواؤں کے جوش دیے ہمہ پہر کرکیت۔

اس نے سفر کی مخالفت کی کہ فی الحال سفر سے گریز کیا جائے لیکن سلطان اپنے مخالف کے کسی کے کہنے ٹھننے سے بدلے کا دہری نہیں تھا۔

وہ ہنسلو دہانہ ہو گیا کچھ دیر بعد دروں میں اتفاق ہوا اور ہر شاہی بٹاشی نشتہ نکلا۔

بغداد میں یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ سلطان اپنی نوجوان دہن سیدہ خاتون کے پاس آ رہا ہے۔

ابونصر اور اس کے ساتھی اپنے سلطان کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

خلیفہ قائم ہوا اور اس کے وزیر اور قاضی بھی منتظر تھے۔ سلطان کے استقبال کے لیے ایک جماعت تشکیل دی گئی۔ خلیفہ بذات خود بہت سے چہین اور پریشان تھا۔ اس نے ابونصر کو بطور قاص اپنے محل میں طلب کر لیا اور اس سے پوچھا: یہ سلطان کب تک آجائے گا؟

ابونصر نے جواب دیا: امیر المومنین بسد کی وقت اور کسی بھی ملک آجائے گا۔

خلیفہ نے اس کو معاہدہ یاد دلایا: تمہیں معاہدے کی شکایں تو یاد ہوں گی۔

ابونصر نے جواب دیا: غور ابھی طرح اس پر میرے دستخط بھی تو موجود ہیں۔

خلیفہ نے پوچھا: کیا سلطان کو ان شکوک کا علم ہے؟ ابونصر نے جواب دیا: میں نے سلطان کو معاہدے کی تفصیل سے آگاہ کر دیا ہے۔

خلیفہ نے کہا: تو سلطان کو ایک بار چہرہ دکھاؤ کہ وہ سلطان کی دہن تو ہے... پھر پوچھا: کیا تو میری بات حق سے من رہا ہے؟

ابونصر نے عرض کیا: پوری توجہ سے۔ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہتے رہیں، میں سن رہا ہوں۔

اور سلطان کو کہہ دے کہ یہ سلف زمانہ شریف و عزت حاصل کرنے کے لیے کی گئی تھی اس لیے نفاق کی شب بھی

دہلی کا واقعہ

محمد اعظم نے ۲۰۷ خریداجس کی گارنٹی ایک سال کی تھی۔ جب بھی ۲۰۷ بگڑا محمد اعظم نے کینی کو فون کیا، مکنک آیا اور درست کر گیا۔

ایک سال بعد خراب ہوا تو اپنے علاقے کے مکنک سے رجوع کرنا پڑا۔ مکنک نے تیس روپے فیس جمع کرائی، شام کو آیا ۲۰۷ دیکھا، اسٹینا گمایا اور چٹا گیا۔ ۲۰۷ کام کرنے لگا۔ ہر مہینے میں ایک دو بار ایسا ہوتا رہا ایک روز محمد اعظم نے ایک دوکات پر ۲۰۷ گاڑ ڈیا، نامی کی بدکھی دیکھی دس روپے میں خرید لی۔ ٹرھا تو معلوم ہوا کہ ۲۰۷ ۷۵ کی ٹرائی صرف اسٹینا کی خرابی سے ہوتی ہے۔ آخر میں کتاب والا کا چھاپہ ہوا کہ ۲۰۷ گاڑ کا بھی اشتہار دیکھا، محمد اعظم نے کمر ۲۰۷ گاڑ بھی تیس روپے میں خرید لیا اور اسے پوری توجہ سے کئی کئی بار پڑھا۔ بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ تو محمد اعظم نے ہمت کر کے مدت کا سارن جو ۲۰۷ کو چک کرنے میں مدد دیتا ہے ستر روپے میں خرید لیا۔ اپنے ۲۰۷ پر ہی بیٹھ کام کیا اور کامیاب رہا۔ ہمت بڑھی۔ پڑوس کے لوگوں کے ۲۰۷ بھی درست کئے اور تین مہینے میں خود پر بھروسہ کرنے لگا۔ ایک دن دیکھا۔ محمد اعظم کے گھر پر بورڈ لگا تھا:

گھرو بلیک اینڈ وائٹ ۲۰۷۔ میرا کس نے کدنت صبح ۸ سے ۹ بجے تک شام چوبیس بجے کے بعد میں ترح محمد اعظم نے اپنے لیے پارٹی میز، کم، مرک حاصل کر کے اپنی آسلی بھی بڑھائی اور اپنے ۲۰۷ کی مدت فیس سے بھی بچا گی۔ ہر وہ انسان جو روڈ پڑھنا جانتا ہو اور ۲۰۷ سے کسی رکھتا ہو۔ ۲۰۷ گاڑا وہ کرنی وی گاڑ پڑھ کر حیا مکنک بن سکتا ہے۔
رام کرشن اگر وال

اسلام خاتون کو خلیفہ اور ابونصر کے مابین ہونے والے معاہدے کی شقوں کا کوئی حکم نہیں تھا اس لیے اس نے دوسری ہی بات کی: میرا بچا طفل نسیو کا شوہر ہے اس لیے اب وہ دونوں زن و شوہر کی طسرت رہیں گے۔ اس میں آپ مداخلت کیوں کریں؟

خلیفہ نے تند و تیز لہجے میں کہا: فتنوں باتیں نہ کر۔ میں جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کر۔ بس۔

اسلام خاتون نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور یہ کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی: میں یہ فتنے داراں نہیں قبول کروں گی۔ اور اپنے بچا طفل کے ساتھ سے چلی جاؤں گی۔ میرا بیاں کے عملات تمام گھٹنہ لگائے۔ اس بات میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ اب خلیفہ دیوان میں چلا گیا اور وہاں قاضی القضاۃ اور ابو الفتح منصور کو بھی طلب کر لیا۔ معاہدہ خلیفہ کے ہاتھوں میں موجود تھا۔

خلیفہ نے دونوں سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ سلطان طغراں آذربائیجان سے چل چکا ہے؟

دونوں نے جواب دیا: ہاں، ہمیں معلوم ہے۔
خلیفہ نے معاہدہ قاضی القضاۃ کے ہاتھ میں سے دیا۔
"میں چاہتا ہوں سلطان کی آمد سے قبل اس میں چند شقوں کا اضافہ کر دیا جائے۔"

خلیفہ کی باتوں نے دونوں کو پریشان کر دیا۔ سونہ دونوں ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔
خلیفہ نے پوچھا: یہ تم دونوں ایک دوسرے کو کس حالت دیکھ رہے ہو؟

قاضی القضاۃ نے پوچھا: کیا میرا المونین نے ان نئی شقوں کے بارے میں ابونصر سے بھی بات کر لی ہے؟

خلیفہ نے جواب دیا: "میں نے ان نئی شقوں کا ذکر ابونصر سے بھی کر دیا۔ اب وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کو کچھ بتایا نہیں گیا۔"

ابو الفتح منصور نے عرض کیا: "میں ابونصر سے ان نئی شقوں پر آپ کے اور ابونصر کے ایک ساتھ دوبارہ دستخط ہونا چاہتا ہوں۔"

خلیفہ نے ابو الفتح کو آنکھیں دکھلائیں: "تو نا موش رہ، میں تو قاضی القضاۃ سے بات کر رہا ہوں۔ پھر ان نئی شقوں کے بارے میں قاضی القضاۃ کو بتایا گیا۔ وہ معاہدے میں ان کو بھی شامل کرتا رہا۔ آخر میں قاضی القضاۃ کو حکم دیا گیا کہ ابونصر کے دستخط ان نئی شقوں پر بھی سے یہ پائیں۔"

قصر کے کس حصے میں قیام کرنا ہے۔

جسہ۔ سلطان قصر کے نہ گھر حصے میں رہا ہو تو ایک کینز لے گا۔ سلطان کے سامنے کر دیا براہ کرم اس معاہدے کو منظور فرما لیں۔

سلطان نے معاہدے پر ایک سرسبز نمونہ دے کر کینز کو جواب دیا۔ میں اس معاہدے کا پابند ہوں۔ اس کی ایک ایک بات کا خاص خیال رکھوں گا۔

کینز نے کہا: ایک ایک شق کا آپ نے اس میں خیال کیا ہے؟ سلطان نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اس کے سامنے جھٹے میں چلا گیا جو اس کے لیے مخصوص اور مزین کیا گیا تھا۔ یہاں سلطان کا ایک خاص کمر تھا۔ اس کمرے میں سلطان کے آرام و سائش کی ہر چیز موجود تھی۔ خوشبو سے کمر ملک رہتا تھا۔ دریا ج اور بیق کے تھیں لہذا اس کے در پار کیا گیا اور کمر کے چاروں طرف سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔

سلطان نے یہاں اپنی خدمت کے سب سے بڑے دوستوں کو بلوایا۔ قاضی القضاۃ نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کو یاد دلایا کہ یہاں اس کی بیوی ضرور رہے لیکن اس سے بیوی جیسا سلوک نہیں ہوگا۔

سلطان نے ناخوشگوارہ جے میں پوچھا: یہ سب مجھ کو ہمارے کیوں یاد دلایا جا رہا ہے؟

قاضی القضاۃ نے جواب دیا: سلطان تو خود دانا و بینا ہیں۔ ہم سب کسی کے تابع فرزند ہیں اور اکثر و بیشتر کام اپنی مرضی کے خلاف انجام دیتے ہیں۔

سلطان نے کہا: مجھ کو تجھ سے ہماری سب سے بڑی کرم معاہدے کی ایک نقل بھی ملے گی جسے دی جاوے گا کہ میں اس کی ایک ایک شق کا خیال رکھوں اور اس کا پابند اور کاربند رہوں۔ قاضی القضاۃ نے جواب دیا: کل ملک آپ کو مت کر دی جاوے گی۔

سلطان نے کہا: وہ اس کوئی خاص نہیں رہے کہ معاہدے کی اس نقل پر امیر المومنین اور ابو نصر کے دستخط ہونا چاہیے۔ قاضی القضاۃ چلا گیا۔ سلطان نے اپنے قصد میں شاہ ملک ان کینزوں کو بھی بلوایا جو سید کے لیے خریدی گئی تھیں۔

وہ تحائف و ہایا بھی پونوں کی شکل میں بندھ کر رکھے تھے جو سلطان سید کی خدمت میں خود پیش کرنا چاہتا تھا۔

اس روز سید پر کو سے سے شہزادہ سیدان اور اس کے مال بھی لہذا پہنچ گئے۔ یہ دونوں سلطان کی شادی میں شرکت کرنے آئے تھے۔ ابو نصر نے ان کو ایک شادمانہ نصیب میں ٹھہرایا۔

قاضی القضاۃ نے جواب دیا: میں ابو نصر سے کہوں گا لیکن مجھ کو یقین نہیں کہ وہ ان پر دستخط بھی کرے گا۔ فیصلہ نے کہا: اگر وہ دستخط نہیں بھی کرے گا تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

کس میں بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ فیصلہ کی مرضی کے خلاف بحث و مباحثہ کرتا۔ فیصلہ نے جو کچھ کہا قاضی القضاۃ نے معاہدے میں شامل کر دیا۔

فیصلہ معاہدے کو سنبھال کر سلطان کا انتظار کر رہا تھا۔ عزم کے عین میں سلطان بغداد سے دس فرسخ دور مشرق میں کبرا نامی شہر قریب پہنچ گیا۔ اس کے شہر میں قفس نامی ایک ترقی یافتہ گاؤں آباد تھا۔ اس گاؤں کی خوبصورت عمارتیں دیکھنے سے قفسی کو قفس عیسیٰ خلفاء میں تفریحاً قیام کئے تھے۔ طویل نے بھی اس گاؤں میں قیام کیا۔ عیسیٰ نے اس نے سلطان کا اس گاؤں میں استقبال کیا اور سلطان کو بتایا کہ امیر المومنین آپ کے منتظر ہیں۔

اس دوران ابو نصر بھی قفس پہنچ گیا اور سلطان کو فیصلہ کی بدعتی سے مطلع کیا۔

سلطان نے کہا: نکاح تو ہو چکا۔ اب وہ کس قسم کی بدعتی کا مرتکب ہو رہا ہے؟

ابو نصر نے جواب دیا: فیصلہ کہتا ہے کہ سیدہ کی آپ صورت بھی نہیں دیکھیں گے۔ جب آپ اس کے سامنے جائیں گے تو اس کے چہرے پر نقب پڑی ہوگی وہ آپ کے احترام میں کھڑی بھی نہیں ہوگی بلکہ آپ اس کا اسی طرح احترام کریں گے جس طرح امیر المومنین کا کرتے ہیں۔

سلطان نے ابو نصر کی ہمت افزائی کی: پھر تو کہیں پڑھنا ہے؟ معاہدے میں جو کچھ بھی ہے میں اس کا پابند ہوں۔ ابو نصر نے شہر کا ہر کھانا شہر کے ڈھیرے کر آپ کے بغداد ملک پہنچتے پہنچتے فیصلہ معاہدے میں اپنی طرف سے کچھ اور شہروں کا اضافہ کر لے گا۔

سلطان نے جواب دیا: یاد رکھو جیت بھاری ہے فیصلہ جیت نہیں جیت سکتا۔

سلطان نے قفس میں ہندوان قیام کیا اس کے بعد ہندو اور اہل ہو گیا۔

وزیر سلطان سے پہلے ہندوان پہنچ گیا کیونکہ اس کو سلطان اور اس کی نئی نوئی واپس کے لیے قصر خلافت ہوا کے ایک حصے کو مزین اور آراستہ کرنا تھا۔

سلطان کو بغداد کے دہانے پر ہی بتا دیا گیا کہ اس کو

شہزادہ سلیمان کی ماں، سلطان کے پاس محل میں بٹھرنا
چاہتی تھی مگر اس کو وہاں نہیں جانے دیا گیا۔

ابونصر نے اسے بتایا کہ وہ محل میں اس لیے نہیں جاسکتی
کہ یہاں فیضہ کا حکم چلتا ہے اور خلیفہ اپنی بیٹی سیدہ اور سلطان
کے سوا کسی کو بھی محل میں نہیں رہنے دے گا۔

شہزادے کی ماں ابونصر سے شہزادہ بھتی، اس نے غارتگین
کو سہارا دیا تھا لیکن وہ سہارا بھی غارتی اور تباہی اور نکل اور
قسمت نے دونوں ماں بیٹے کو ایک پار چیر ڈیندے کی طرح ہرگز
کے توالے کر دیا۔ اب وہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھی جب
وہ دوبارہ ابونصر کا اعتماد حاصل کرے۔

ابونصر بہت مشغول تھا اور اس کو سلطان کے سوا کسی
اور کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہ تھی۔

شام کو آپ ارسلان بھی بغداد میں داخل ہوئے۔ شہزادہ
سلیمان اور اس کی ماں کو آپ ارسلان کی آمد کا علم ہوا تو دونوں
پریشان ہو گئے۔

ابونصر نے آپ ارسلان کو خاص عزت دینی سے نوازا
جس کا وہ مستحق تھا۔ اس طرح ابونصر شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں
کو غارتگین کے عہد کا ماضی یاد دلاد رہا تھا۔

شہزادہ سلیمان نے اپنی ماں سے کہا: اب یہیں کسی اور
سے نہیں خود آپ ارسلان سے منا چاہیے۔

ماں نے بوجھا: اس سے مل کر کیا کرو گے؟

شہزادہ سلیمان نے جواب دیا: میں شہزادہ آپ ارسلان
سے کہوں گا کہ وہ میرے پاس سے نہیں آئے۔

ماں نے جواب دیا: یہ کیسی احمقانہ بات کہہ رہے ہو حکومت
مطلزل کے پاس ہے۔ وہ جس کو چاہے دے۔

شہزادہ سلیمان نے ابونصر کی شکایت کی: اب ابونصر
بھی آپ ارسلان سے مل گیا ہے۔

ماں نے تاشیف مینر بھیجے ہیں کہا: یہ میں بھی دیکھ رہی
ہوں اور اپنی نظموں پر آتش بھاری ہوں۔ ہم نے غارتگین پر

بھروسہ کیا اور ابونصر کو نظر انداز کیا۔ اس کا نتیجہ ہوتا ہے سامنے ہے
سلیمان نے چڑھ چڑھے انداز میں پوچھا: اب سوال یہ ہے

ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

ماں نے فی الفور جواب دیا: ابونصر سے دوستی، ہمیں
اس کا اعتماد دوبارہ حاصل کرنا ہو گا۔

سلیمان نے پوچھا: کس طرح؟

ماں نے جواب دیا: تو یہ کام مجھ پر چھوڑ دے اور دیکھو

کوئی ایسا دیریا قدم شاخشاں کے بعد میں شہزادگی ہوا اور منزل اور
زیادہ دور ہو جائے۔

ہاتھ ختم ہو گئی اور ماں نے اس روز آپ ارسلان کو اپنے
خیمے میں طلب کر لیا۔

آپ ارسلان نے غارتگی سے انکار تو نہیں کیا لیکن
وہ گیا بھی نہیں، بس مٹے کا وعدہ کر لیا۔

سلیمان کی ماں کا دوسرا پیغام سلطان حفرل کے نام تھا۔
میں سلیمان کے ساتھ آپ کی خوشیوں میں شریک ہونے
آگئی ہوں۔ آگے جو آپ کا حکم:

سلطان نے ایک ترک، میرے ذریعے یہ معلوم کرنا چاہا:
کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اتنی دور کیوں آگئی ہے؟

اس نے سلطان حفرل کو پیغام بھیجا: فی اسلانی تمہیں وہیں
ہونے سے رہی اور جب یہاں تک آگئی تھی ہوں تو آپ سے

میں بغیر واپس ہونے سے ہی آپ مجھ سے چند باتیں کر لیں
میں واپس چلی جاؤں گی۔

سلطان کے پاس ملاقات کے لیے ذرا سا بھی وقت
نہیں تھا۔ رات کو وہ اس کے پاس خیمے میں پہنچ گیا۔

سلیمان کی ماں اس کو چوروں کی طرح اپنے سوتے دیکھ
کر سکرانی: میں ہانسی تھی کہ آپ ضرور آئیں گے۔

سلطان کو بڑی جلدی تھی کہتے تھے: تجھ کو مجھ سے کیا
بات کرنا ہے؟ جلدی کر رہے اور سے واپس چلی جاتا۔

اس نے کہا: اس عمر میں نئی ٹوٹی دھن کی کیا ضرورت
پیش آتی تھی آپ کو؟

سلطان نے اس بات کا جواب نہیں دیا، کہا: بھکم کا بک
اس نے ابونصر کی شکایت کی: ابونصر آپ کی خدمت

میں ایسا لگا کہ میرے لیے اس کے پاس وقت ہی نہیں رہا۔
اس کو سمجھا نہیں کہ وہ ہمیں نظر انداز نہ کرے۔

سلطان نے جواب دیا: میں اسے بھادوں گا۔ وہ کل
ہی تجھ سے ملے گا۔ پھر پوچھا: بس یا اور کچھ؟

اس نے کہا: بس ایک بات اور، آخری بات:

سلطان واپس جانے کے لیے بے چین ہو رہے تھے پھر
جلدی کر اپنی آخری بات:

اس نے جواب دیا: اب آپ سیدہ سے شادی کر
چکے ہیں، ہو سکتا ہے اس سے کوئی اولاد ہو جائے۔

سلطان نے آگے کی بات ہی نہیں سنی: اس سے
کوئی اولاد نہ ہوگی، یہ میں جانتا ہوں۔ جب نفاق کی رات

ہی نہیں آئے گی تو اولاد کیسے ہوگی؟

جس کا ایک فرقی غلیف تھا اور دوسرا سفید فلفل لیکن سلطان فلفل
کی نیابت کا فرض جو نصر نے انجام دیا تھا۔ اس سادہ سے
کو قاضی "تقضا" نے اپنے اقد سے لکھا تھا۔

سلطان فلفل کو اس کے کمرے میں مطلع کر دیا کہ
اب وہ سیدہ کے پاس جا سکتا ہے۔

سلطان اپنے کمرے سے اس طرح نکلے ہوا کہ اس کے
اک پاس کنیزیں اس سلطان سے دو قدم پیچھے اپنے کانچوں پر
قیستی تحائف لائے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔

جب سلطان سیدہ کے قریب پہنچا تو اس کے قدم
ڈنگ گئے۔ سلطان ایک قسم کے احساس کمتری میں مبتلا ہو
چکا تھا۔

ارسلان خاتون نے سلطان کا استقبال کیا اور سلطان
سے کہا: جناب ولہ! آپ اپنی دامن کے پاس جانے سے
پیسے اس محلہ سے کی شقتوں پر ایک نظر ضرور ڈال دیجئے
سلطان نے ایک قیمتی ہار اور چند پوشاکیں ارسلان خاتون
کو بھی دیں۔ اس نے اپنے چچا کا شکر یہ ادا کیا۔

ارسلان خاتون نے اپنے چچا کا ہاتھ پکڑا اور اسے چچا کی
کے تخت تک لے گئی۔

اس نے ہانڈی کے تخت کی طرف اشارہ کیا یہ کیا
ہے! آپ اس کو یعنی یہ کہ...

سلطان نے اس کی بات پوری نہیں سنی: ایک سچے
موتیوں کا چارٹری ہار اور خوشبو کیات کے ڈبے ارسلان خاتون
کے حوالے کیے اور کہا: ان کو میری طرف سے سیدہ کی خدمت
میں پیش کر دے۔

ارسلان خاتون نے وہ چیزیں سیدہ کی خدمت میں پیش
کر دیں۔ اس پس وہ زندہ فرجیہ بھی تھی جسے ہانڈی کے نامی
گرمائی نیلے تیل کر دیا تھا۔

ارسلان خاتون نے سلطان فلفل کو بتایا کہ آپ کو
سیدہ کے قدموں میں اسی طرح زمین بوس ہونا ہے جس طرح
امیر المومنین کے سامنے زمین بوس ہوا ہوتا ہے۔
سلطان بالکل زمین بوس ہو گیا۔

ارسلان خاتون نے سیدہ سے کہا: اب آپ سلطان
کی مزاج پرسی میں چند کلمت لو کر سکتی ہیں۔
لیکن مزہ سیدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

سلطان نے زمین سے سر اٹھا کر سیدہ کی طرف دیکھ
سیدہ نے اپنے چہرے کو اسی طرح ہلکا سا سلطان اس کے
دیکھ جائیوں کے دیکھے چھپے ہوئے چہرے کو میں اسی

وہ حیرت سے سلطان کی شکل دیکھ رہی تھی: زخات
کی راست ہی نہیں ہوگی! کیا مطلب؟

سلطان نے جواب دیا: یہ ساری باتیں بعد میں بھی ہو
سکتی ہیں۔ فی الحال تو آخری بات بتاؤ۔

اس نے کہا: دل عہدی کا مسئلہ اسی وقت طے کر دیں
بھی اور اسی وقت۔

سلطان نے جواب دیا: یہ مسئلہ مجھ دو چار دن میں
طے کر دوں گا لیکن اس وقت نہیں۔

لیکن وہ نہیں مانی: سلطان! اب میں آپ سے رخصت
جناؤں گی اس لیے مسئلہ آج ہی طے پا جاتا ہے۔

سلطان نے غصے میں جواب دیا: کیوں! آخر کیوں؟
آج ہی اور اسی وقت کیوں؟

وہ ہنسنے لگی: اس پر سلطان کے غصے کا کوئی اثر نہ ہوا۔
"آپ میں اتنی تبدیلی تو آئی کہ آپ میری مقولہ بات پر
مجھے آنکھیں دکھائے ہیں۔"

سلطان ایک دم نرم پڑ گیا۔ کچھ موقع اور وقت کی
نراکت کو دیکھ۔ میں تیری ہر بات مان لوں گا لیکن اس وقت
مجھ کو جاننے دے۔

اس نے جواب دیا: اچھا آپ بائیں ہاتھ میں رقت لیکن
میں اس وقت تک بیٹھتا ہوں میں یہاں کی جب تک
دل عہدی کا مسئلہ طے نہیں پا جاتا۔ اور کل ابو نصر کو اس بات
کے ساتھ میرے پاس بھیج دیں کہ مجھ سے بے اعتدالی کسی طور
بھی اس کے حق میں نہ ہوگی۔

سلطان فوراً داہیں چلا گیا اور اسی وقت ابو نصر کو حکم
دیا کہ وہ خنزیر سلطان کی ہانڈی سے مس کرے اور اس کو کسی قسم
کی شکایت کا موقع نہ دے۔

سیدہ خاتون کو زندہ فرجیہ ہار پہنا کر اور خوبصورت زیبائت
سے آراستہ کر کے ایک اونچے تخت پر بٹھا دیا گیا سلطان
فلفل کی کنیزوں نے سیدہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور
اس کی دل جلی کرنے لگی۔ ان میں سے دو نے مس رانی کا
فریضہ انجام دیا۔ سیدہ کے چہرے پر نقاب پڑا ہوا تھا لیکن
نقاب کی ہر ایک جالی سے اس کا حسن چمن ہر تھا۔

پانڈی کی ایک بچوں کی بچی ہوئی سیدہ کے تخت کے
پاس ہی کھدی گئی۔

سلطان فلفل کی جتنی اور امیر المومنین کی بیوی ارسلان
خاتون بھی وہیں موجود تھیں اس کے ہاتھ میں وہ سادہ تھا

حکمران کے طور پر دیکھ سکا۔

سلطان کو بتایا گیا کہ وہ سید کو بائیں کمرے پر بھیج دینا چاہتا ہے۔

سلطان اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے قرار ہوا۔ اس کی نظریں بار بار سید کے نقاب میں چھپے چہرے کی طرف جاتیں اور وہ بے نیل دھرم واپس آتا تھا۔

اس سے کہا گیا کہ اب وہ سامنے بچھے ہوئے چاندی کے تخت پر بیٹھ جائے۔

سلطان اس پر بیٹھ گیا اور سید سے درخواست کی۔ جب تو نے اپنا چہرہ نقاب میں چھپا ہی لیا ہے تو اب اسے ال میں اسے میری نظروں کے سامنے رہنے دے۔

سید نے ارسلان خاتون کو اشارے سے اپنے نقاب لایا اور اس کے کان میں کچھ کہا۔

ارسلان خاتون نے باؤں پر سید سلطان کو مطلع کیا۔ سید فرما رہی ہیں کہ آپ کی خواہش پوری کر دی گئی۔ اب سی اند بات کے لیے آپ بیٹھ کر بیٹھیں۔

سید جب ارسلان خاتون کے کمان کو منہ سے نکالنے بہت کر رہی تھی تو اس کے ہاتھ کاٹن جس کو عربی سونے سے تھے، اپنے سر پر کی چمک و مک سے سلطان کو ڈانٹا۔ ڈول کے دے رہا تھا۔ اس کے کانوں کے آدھے جنہیں وہ لوگ قہر کرتے تھے، سر کی جنبش سے ہل کر سلطان کے دل پر گرتے گرتے رہے تھے۔

سلطان نے کہا: یہ معاہدہ جس کی میں پابندی کر رہا ہوں میرے وزیر ابو نصر اور آپ کے وفد قائم باہر اٹھ کے باہر ملے پایا تھا۔ یہ میری دور رس شرافت ہے کہ میں اس کا پابند ہو گیا ہوں۔ آپ میرا امتحان نہ لیں اور اپنا چہرہ میرے سامنے رکھیں۔ میں آپ سے ہرگز نہ کہوں گا کہ آپ اپنے چہرے کی نقاب اتار دیں۔

سید نے چہرے سے نقاب تو نہیں اتار کیا مگر چہرہ پہلے جھکا ہوا تھا اب سید سلطان کے سامنے تھا۔ سلطان نے ہال دار نقاب کے پیچھے وہ تل بھی دیکھ لیا جو اس کے دل سے رخنہ پر تھا اور بہت اچھا لگتا تھا اس نے کہا: سید خاتون! مجھ سے اچھا تو یہ مجھ پر ہے جو تل بن کے تیرے رخنہ میں پیوست ہو گیا ہے۔

سید نے ارسلان خاتون کے کان میں کچھ سلطان سے کہہ دے کہ اس بڑے چالاک میں تیری یہ شاعری بھی نہیں لگتی۔ ارسلان خاتون نے مزاحمت کر لی تاہم اس کی یہ بات

نہیں کر سکتی۔

سید نے کہا: اچھا تب پھر تو سلطان سے یہ کہہ دے کہ سلطان نے میرے تل کی شان میں جو کچھ کہا ہے اگر یہ بات کسی بچہ کی زبان سے نہ ہوئی تو بہت مزہ آتا۔

ارسلان خاتون نے جواب دیا: میں یہ بات بھی نہیں کہہ سکتی۔

سلطان نے اپنی بھتیجی سے پوچھا: یہ کیا کہہ رہی ہے؟ ارسلان خاتون کو شرم آ رہی تھی۔ وہ چونب دیے بنی ہوئی واپس ہلی گئی۔

سلطان نے اس سے آواز دی لیکن اس نے پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ اب سلطان اور سید تنہا رہ گئے تھے۔ سید نے بھی قہر کر کے روبرو ہو گئیں۔

سلطان دیر تک سید کی شان میں قہر پڑھتا رہا۔ سید وزیر اب مسکراتی رہی۔ سلطان سید کی آواز سننا چاہتا تھا مگر وہ بالکل خاموش رہی اور سلطان سید کو بولنے پر مجبور نہیں کر سکا۔ اس نے کئی بار کوشش کی کہ سید کے چہرے کی جھلک سمجھ کر دیکھتا ہے لیکن اس میں بھی ناکام رہا۔ سید جہاں بٹھا دی گئی تھی وہیں بیٹھی رہی۔ سلطان اس کے قدم قیامت کا اندازہ بھی نہیں لگا سکا۔

سلطان نے ابو نصر کو بڑا بھلا کہنا شروع کیا: ابو نصر! تو نے یہ کیا معاہدہ کر لیا کہ میں بالکل مجبور اور بے بس ہو کر رہ گیا ہوں۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا: لیکن شاید معاہدے میں بات چیت پر کوئی پابندی نہیں۔ سید اب آپ مجھ پر حکم کر رہی ہیں۔ آپ کو مجھ سے بات منور کرنا چاہیے۔

سید نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گونگی نظر آنے لگی تھی۔

دیر تک دل برداشتہ ہونے کے بعد وہ وہاں سے چلا آیا اور ابو نصر سے پوچھا: تو نے یہ کیا معاہدہ کیا ہے کہ سید بولتی تک نہیں۔

ابو نصر نے جواب دیا: خلیفہ نے معاہدے کے بعد بھی اس میں کچھ اضافہ کیسے نہیں۔

سلطان نے اپنا سر کھینچ لیا۔ وہ بھاری چہرہ پر تھا اور وہ نے مزاح میں مکتد پیدا کر دیا تھا۔

شاہی کی مہارک بلادی نے والوں نے حاضر ہوا دیرتا شروع کر دیں۔ امرا اور خاندان نے سلطان کو مہارک بادری۔ اور سلطان سے انعام و اکرام اور تحائف اور ہایا وصول کیے

سلطان نے کہا: لیکن میں نے تیرا مطلب پایا ہے
تو ذرا نیچا کیوں ہٹتا تھا اور آذر بائیوں سے یہاں کیوں
آیا؟ میں خوب جانتا ہوں۔
اب اس سلطنت نما مرثی ہو گیا۔

اب سلطان نے ہونہار کو بھی اس بہت چیت میں
شریک کر لیا۔ اس سے پوچھنے لگے: ہونہار کی تھیبت کہ گھر
میں کچھ سے یہ پوچھوں کہ میرے بھتیجوں میں سب سے زیادہ
دانی کون ہے تو کون کس کا نام لے گا؟
ابو نصر نے کہا: اچھو! اس سے اب اس سلطان کی طرف دیکھ
اور جواب دیا: کسی کا بھی نہیں کیونکہ سلطان کی موجودگی میں
میں...

سلطان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مار موش کر
دیا اور شہزادہ اب اس سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: کیا
اب اس سلطان سے زیادہ دانی کوئی اور ہے؟
ابو نصر نے جواب دیا: میرا جزا اور ہونہار کی مرضی کو ہے
سلطان نے اس کو آزادی سے بات کرنے کی اجازت
دے دی: ابو نصر! میں نے کچھ کو آزادی دی، بلکہ جھنجک باتیں کر
ابو نصر نے جواب دیا: فسوس کہ میں اس سلطنت میں
کوئی راستے نہیں دوں گا۔

اب اس سلطان نے بے چینی سے ابو نصر کی طرف دیکھ
اسے غصہ کر رہا تھا کہ ابو نصر اس کا نام کیوں نہیں لے رہا۔
سلطان نے ابو نصر کو مجبور نہیں کیا اور اب اس سلطان
سے مخاطب ہو گیا: اب اس سلطان! آج تک یہ بات وضع
کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے بعد کو ہی میرا جانشین ہوگا۔
ابو نصر کے دل پر لکھی سی گری۔ وہ یہ بات سلطان کی
زبان سے نہیں سنا چاہتا تھا۔

اب اس سلطان نے سلطان کی زبان سے جو کچھ کہتا
وہی اس کی نزل نیرادہ تھی اور وہی اس کا مقصد تھا۔
سلطان نے اب اس سلطان سے باتوں کا سبب نہ لے کر
رکھا: انجنا اب پیچھے میں کچھ کو اپنا جانشین مجھ پر چھوڑا
سے پسند ایسے سولات کروں گا جن سے تیری بیعت ٹکڑ
کا استعمال ہو جائے گا۔

اب اس سلطان دم بخود سلطان کے روبرو نصر کی جھنجک
کھڑا تھا۔

سلطان نے پوچھا: غصہ کیا تو نہیں بتاے گا...
کوئی میں موجود قوم میں، قابل مند قوم کس کو کہا جائے گا؟
اب اس سلطان نے جواب دیا: جب کوئی قوم پرست نہ

ان میں شہزادہ اب اس سلطان نے بھی شامل تھا۔ اس نے بھی
شادی کی مبارک بادیں اور عرض کیا: اس شادی سے آپ
نے جو اعزاز اور مرتبہ حاصل کیا ہے، مٹی میں اس کی کوئی
مٹی نہیں مٹی۔

سلطان اپنے اس ہونہار سلطان کو پیچھے سے بڑی محبت
کرتا تھا اور اس میں وہ سارے اوصاف اور خوبیاں اسے
نظر آ رہی تھیں جو سلطان کے جانشین میں اسے درکار تھیں
اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ان دنوں اب اس سلطان سے اپنے
آس پاس کیوں نظر آ رہا ہے۔

سلطان نے اس سے پوچھا: اب اس سلطان کی کیا
میں پوچھ سکتا ہوں کہ تو مرد کے بجائے بندا میں کیوں نظر
آ رہا ہے؟

اب اس سلطان نے جواب دیا: میں اپنے خاندان کی
اس عظیم شہر میں شرکت کو بہت بڑا اعزاز سمجھتا ہوں۔
سلطان مسکراتا تھا: ہاں ایک یہ سبب بھی ہو سکتا ہے
اب اس سلطان نے عرض کیا: بس یہی ایک سبب ہے
سلطان نے اسے اپنے قریب بلایا: میرے پاس
آجا، میرے قریب میرے پاس بے جھنجک میں تیری پریشانیوں
سے خوب آگاہ ہوں۔

ایک خدمت گار نے سلطان کو مطلع کیا: ابو نصر
مہتری کا خواہش مند ہے۔

سلطان نے ابو نصر کو اندر بلا لیا۔ وہ سلطان کے پاس
شہزادہ اب اس سلطان کو دیکھ کر روپس جاتا چاہتا تھا مگر سلطان
نے اسے نہیں بلے دیا۔

ابو نصر نے عرض کیا: میں پھر آ جاؤں گا۔
سلطان نے بے دردی سے پوچھ لیا: تو یہیں موجود رہ،
اور ہم دونوں کی باتیں کریں۔

ابو نصر کی موجودگی میں شاید اب اس سلطان بھی وہ باتیں
نہیں کرتا چاہتا تھا جن باتوں سے اسے ذرا بائیں لگتا
اور آذر بائیوں سے جدا لگتا تھا۔ اب اس سلطان نے بلے
کی عزت چاہی اور عرض کیا: میں مبارک بادیتے یا تھا۔
سو مجھے چکا، اب میرا یہاں کیا کام؟

سلطان نے جواب دیا: اب اس سلطان، تو میرا سب
سے لائق جھنجک ہے اس لیے کچھ کو درمیان سے نہ جھنجک
درجہ مند بھی ہونا چاہیے۔

اب اس سلطان نے سلطان پر اپنی نظر ڈالی اور عرض
کیا: علم محترم، میں آپ کو طلب نہیں سمجھتا۔

ہوا اور دنیا اس کا ساتھ بھی دے رہی ہو۔

شاید سلطان کی اس مختصر جواب سے تشفی نہیں ہوتی تھی۔ وہ اس پر سلطان کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

اس پر اس سلطان نے پوچھا: کیا میرا جواب کافی ہے؟ سلطان نے کہا: ہاں، کی۔ اور وزراء محتاجت سے۔

اس پر سلطان نے جواب دیا: تم تمام ایسے تھے جس اقبال نے مقدمہ کا ذکر کیا ہے اس لیے ساری خیریاں سرسبز ہیں۔

سلطان نے پوچھا: مثال کون سی خوبیاں؟ اس پر سلطان نے جواب دیا: یہ تمام ہیں۔

سرخ روپہ حیدر سے کہ گئے۔ یہ سب خیریاں اس کی ہمہ تن ہوشیاری سے دیکھی گئیں۔ اور وہ سبھی تھی یہ

جگہ سے وہاں سے کہ مگر یہ سب خیریاں تھیں۔ ان کو کو چھو کر سوتا جاوے۔ وہ کہیں گے: یہ سب

سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔ اور سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔

سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔ اور سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔

سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔ اور سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔

سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔ اور سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔

سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔ اور سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔

سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔ اور سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔

سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔ اور سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔

سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔ اور سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔

سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔ اور سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔

سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔ اور سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔

سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔ اور سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔

سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔ اور سلطان نے کہا: ہاں، یہ سب خیریاں تھیں۔

اہل اہل قرار سے ملے گا۔

اس پر اس سلطان کو ابوالنصر کی باتوں میں مناثریت کی بو محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ابوالنصر اس کی

حوصلہ شکنی کر رہا ہے۔ یہاں اس سے خواجہ حسن بدست یہ آیا۔ سلطان نے اسے قاضی دیکھ کر پوچھا: تو میرے

پاس میرے سوال کا پس یا تھی جواب تھا؟ اس پر اس سلطان نے جواب دیا: جی نعم، مگر تم

سلطان نے کہا: تو نے جو کچھ کہی اس کو ایک لمحہ پر رد نہیں کیا۔ اس سے نہایت اہمیت نہیں ملے گی۔

اس پر اس سلطان نے جواب دیا: جی نعم، مگر تم ابوالنصر کو بھی سلطان کی باتوں میں مناثریت کی بو محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ابوالنصر اس کی

حوصلہ شکنی کر رہا ہے۔ یہاں اس سے خواجہ حسن بدست یہ آیا۔ سلطان نے اسے قاضی دیکھ کر پوچھا: تو میرے

پاس میرے سوال کا پس یا تھی جواب تھا؟ اس پر اس سلطان نے جواب دیا: جی نعم، مگر تم

سلطان نے کہا: تو نے جو کچھ کہی اس کو ایک لمحہ پر رد نہیں کیا۔ اس سے نہایت اہمیت نہیں ملے گی۔

اس پر اس سلطان نے جواب دیا: جی نعم، مگر تم ابوالنصر کو بھی سلطان کی باتوں میں مناثریت کی بو محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ابوالنصر اس کی

حوصلہ شکنی کر رہا ہے۔ یہاں اس سے خواجہ حسن بدست یہ آیا۔ سلطان نے اسے قاضی دیکھ کر پوچھا: تو میرے

پاس میرے سوال کا پس یا تھی جواب تھا؟ اس پر اس سلطان نے جواب دیا: جی نعم، مگر تم

سلطان نے کہا: تو نے جو کچھ کہی اس کو ایک لمحہ پر رد نہیں کیا۔ اس سے نہایت اہمیت نہیں ملے گی۔

اس پر اس سلطان نے جواب دیا: جی نعم، مگر تم ابوالنصر کو بھی سلطان کی باتوں میں مناثریت کی بو محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ابوالنصر اس کی

حوصلہ شکنی کر رہا ہے۔ یہاں اس سے خواجہ حسن بدست یہ آیا۔ سلطان نے اسے قاضی دیکھ کر پوچھا: تو میرے

پاس میرے سوال کا پس یا تھی جواب تھا؟ اس پر اس سلطان نے جواب دیا: جی نعم، مگر تم

سلطان نے کہا: تو نے جو کچھ کہی اس کو ایک لمحہ پر رد نہیں کیا۔ اس سے نہایت اہمیت نہیں ملے گی۔

اس پر اس سلطان نے جواب دیا: جی نعم، مگر تم ابوالنصر کو بھی سلطان کی باتوں میں مناثریت کی بو محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ابوالنصر اس کی

حوصلہ شکنی کر رہا ہے۔ یہاں اس سے خواجہ حسن بدست یہ آیا۔ سلطان نے اسے قاضی دیکھ کر پوچھا: تو میرے

سلطان کی کاغذی گزارشات: کم کیا سنی؟ یہ ہم سب پر بھاری اور علوی ہے۔

اب اس سلطان نے پھر جانے کی امانت چاہی۔ مگر سلطان نے تو اس کو طے بھی نہیں دیا کہ کہا: اب اس سلطان، سری است تو اور صورت ہی رہی۔

اب اس سلطان نے عرض کیا: وہ پھر جو جائے گی... اس ماحول میں تو وہ بات نہیں ہو سکتی۔

سلطان نے جواب دیا: اس ماحول میں بھی وہ بات ہو سکتی ہے، بالکل ہو سکتی ہے۔

شہزادہ اب اس سلطان، سلطان کا بھائی و سلیمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سلطان کے کہنے سے رگ ٹوٹ گیا لیکن خوشی سے نہیں بیڑی سے۔

سلطان نے سلیمان سے کہا: میں اب اس سلطان سے جو باتیں کر رہا ہوں انہیں زیادہ توجہ سے سن تیرے بہت کام آئیں گی۔

اس بار اب اس نے بھی زبان کھولی، شہزادہ سلیمان سے کہا: آپ یہ تمام باتیں وحیان سے نہیں بہت کام آئیں گی۔ اب اس سلطان نے پہلی بار خود کو تنہا محسوس کیا۔ بونصر بھی شہزادہ سلیمان ہی کو ساتھ نہ لے رہا تھا۔

سلیمان کی ماں نے بونصر کی توجہ اپنے بیٹے پر مبذول رکھی تو اسے شکر گزار نظر رہا۔

سلطان مغول نے بطور خاص اب اس سلطان کو مخاطب کیا: تو نے کسی قوم کی اقبال مندی کی جو نشانیاں بیان کی ہیں وہ اتنی قاضی گپ کے سوا کچھ نہیں۔ یاد رکھنا دنیا لکھتی تو کوئی بھی حکومت نہ لے کے حوادث سے محفوظ نہیں۔ اسے ہر

مال میں تشیب و فراز سے گزرنا پڑتا ہے، کوئی قوم کتنی ہی مرتبہ اور مقبل ہو شہسواروں کی طرح گر بھی جائے گی تو دوبارہ سرکھن ہو جائے گی۔ یاد رکھنا جہاں نفع ہو گا وہاں نقص بھی ہو گا جہاں روشنی ہو گی وہیں تاریکی بھی، جہاں جنت ہو گی وہیں جہنم بھی، جہاں بہار ہو گی وہیں خزاں بھی، جہاں کھد ہو گا، وہیں کھلا بھٹ بھی، جہاں ہلک ہو گی وہیں گھن بھی، کھٹے

ضخیت ہو یا قوی مددنی یا عداوتی، سارا زمانہ اس کو پھٹا کھنڈر منور پہنچائے گا اور یاد رکھنا کہ جن قوام یا قوم میں قبال کی ذرا سی برقی بھی موجود ہو گی ان کے لیے مرد و باہم اتفاقی ہوں گی، اگر ان پر بدول ہو گا تو وہ اس سے نذر ہو جائیں گی اور خود کو بچائیں گی وہ ذرا سی ڈال کر سنبھل جائیں گی۔

زبان کی نیرنگیوں میں کو میرن نہیں کر سکتیں کھولی بھی بند ہو

ہے آپ نفاس کی آواز تک نہیں سنی۔

سلطان نے جواب دیا: تو جو کچھ کہہ رہی ہے اوست ہے مگر اس کے باوجود میں غلیفہ کا دربار ہوں۔

اس بحث و تمحیص نے دوسروں کو بیزار کر دیا۔ اب اس سلطان نے کہا: میں پھر آوازیں گا۔

شہزادہ سلیمان کی ماں نے پوچھا: کیا بائینی کا مسئلہ پا گیا یا ابھی کچھ باقی ہے؟

اب اس سلطان نے جواب دیا: میاں ایسی کوئی بات نہیں چلی، آپ خواہ مخواہ فکر مند نہ ہوں۔

سلطان نے اس کو ایسی باتیں کرنے سے منع کر دیا: تم دونوں کی آمد سے پہلے ہم دونوں بہت کام کی باتیں کر رہے تھے تو نے وہ سلسلہ ہی منقطع کر دیا۔

شہزادے کی ماں نے کہا: تو وہ باتیں دوبارہ شروع کریں میں بھی تو سنوں وہ کام کی باتیں۔

سلطان نے شہزادہ سلیمان سے کہا: تو بھی ذرا غور سے سنیں ہم دونوں کی باتیں۔

شہزادہ سلیمان نے اس بات میں دلچسپی ہی نہ لی جس طرح بے نیازی سے بیٹھا تھا، بیٹھا رہا۔

سلطان نے زیر بحث موضوع کے بارے میں ان دونوں کو مختصراً بتایا اور کہا: اب جواب اس سوال کا دیکھا ہے کہ دنیا کی اہل مندرم کے خاص نفس کی ہوتے ہیں بجا

شہزادہ سلیمان کے لئے بڑے بڑے پر اعتماد ایسے ہیں کہا: اس سوال کا جواب سلیمان بہت اچھا لے سکتا ہے۔ اس کے بعد سلیمان کو شاہنشاہی دی: ہاں بیٹے، تو کیسا ہے تیرے پاس اس سوال کے جواب میں؟

شہزادہ سلیمان نے جواب دیا: حبیب میں بلر شاہ ہو جاؤں گا تب میں اپنے کسی لائق وزیر سے یہ سوال کروں گا اور پھر خود جواب میرا فریضہ ہے گا، آپ کے سامنے دہراؤں گا کیونکہ اس قسم کی دماغ سازی بلر شاہ نہیں کرتے۔

سلطان نے اس کے جواب میں مسکراتے ہوئے کہا: پھر حبیب سے جواب وزیر ہی کو دینا ہوں گے تو پھر بلر شاہ کی کسے گا؟

شہزادہ سلیمان نے جواب دیا: حکومت۔

سلطان نے شہزادہ سلیمان کو سینے سے لگا لیا: ماننا ہے کہ یہ جواب دیا ہے کسی راسخ ہونے سے تو نے؟

ماں کا خوشی سے مائل خیر ہو گیا، کہا: میرا بیٹا بھی کسی سے کم نہیں ہے۔

ہانوش تھے اور ابونصر ہر طرح انھی دونوں کو راضی رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان حالات اور اس ماحول میں شہزادہ اب اسلطان کا وہاں رہنا مناسب نہیں تھا اس لیے وہ اجالت لے کر چلا آیا۔

سلطان نے اس کو حکم دیا کہ وہ مرو واپس جائے۔ اب اسلطان کے چلے جانے کے بعد سلیمان کی ماں نے ابونصر سے کہا: ”کچھ دیر کے لیے تم بھی یہاں سے چلے جاؤ“ سلطان نے اسے روکنا چاہا: ”ابونصر کیوں جائے؟“ پھر ابونصر سے کہا: ”تجھ کو یہاں سے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

لیکن وہ نہیں مانی اور ابونصر کو حکم دیا: ”اب تم چلے جاؤ میں جو کہہ رہی ہوں۔“

ابونصر نے سلطان کی طرف دیکھا: ”کیا میں...؟“ سلطان نے بات کاٹ دی: ”بس ذرا سی دیر کے لیے اس ناقص العقل عورت کی خاطر۔“

ابونصر چلا گیا اب سلطان، سلیمان اور اس کی ماں ایک دوسرے سے آزار دہانہ باتیں کر سکتے تھے۔

سلطان نے کچھ دیر بعد سلیمان سے پوچھا: ”میں نے جو کچھ کہا، تیری سمجھ میں کچھ آیا؟“

لیکن جواب سلیمان کے بجائے اس کی ماں نے دیا۔ ”آپ بس سے باتیں کر رہے تھے اس نے سمجھ لی ہوں گی۔“ سلیمان نے کہا: ”ہاں میں ذرا مشکل تھیں کچھ سمجھ میں آئیں کچھ نہیں آئیں۔“

لیکن سلیمان کی ماں کچھ اور ہی فیصلہ کر کے آئی تھی۔ ”آپ نے ایک جوان لڑکی سے شادی بھی کر لی۔ میں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اب جاشینی اور ولی عہدی کا مسئلہ ہی حل ہو جانا چاہیے۔ حل ہو جانے سے میری ہلچل طے ہو جانے سے ہے۔“

سلطان نے چکر پوچھا: ”تو کیا چاہتی ہے؟“ اس نے جواب دیا: ”سلیمان کو اپنا ولی عہد اور جانشین قرار دے دیں۔“

سلطان نے کہا: ”میں تیری خواہش آج ہی بلکہ اسی وقت پورے کر سکتا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ سلیمان یہ بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔“

وہ تدارق ہو گئی۔ ”کیوں نہیں اٹھا سکے گا یہ تو حق۔“

سلطان نے جواب دیا: ”اس لیے کہ ناچرخیکار ہے بھی۔“ اس بار سلیمان نے جواب دیا: ”میں ناچرخیکار نہیں

کوئی بھی دیکھ ہو وہ اس کا مداوا تلاش کر لیں گی ان پر حوادث کا نزول ہوگا لیکن یہ اس سے بچی رہیں گی۔ وہ اس طرح ہوشیار اور بیدار ہو جاتی ہیں جیسے کسی خواب پریشان کو دیکھ کر کوئی بیدار ہو جائے۔ ہر اندرونی کے بعد وہ بھڑک اٹھتے ہیں ہر پڑ مروگی کے بعد وہ پھبک اٹھتے ہیں، ان کا پچھنا بھی کسی سانچے میں ڈھونڈنے کی خاطر ہوتا ہے۔ وہ غوطہ رنگاتے ہیں تو دریا ب کی حصول کی لیے اگر وہ کہیں نکلیں گے تو دم لے کر آگے چلنے کی خاطر ناگزیر وہ خشو کر بھی کھائیں گے تو سنبھلنے کی خاطر وہ مرض کو سبب سے سمجھ لیتے ہیں۔ اگر وہ اٹھیں گے تو اس سے پہلے سبھ چکے ہوں گے۔ ان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ فرماں روا ہی ہوں، وہ رہا یا میں سے ہوں یا خود کشور کشا ہوں، وہ سپاہی ہوں، تاجر ہوں یا ملازم ہوں۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ کیا ہیں لیکن ان کا اپنے آپ سے واقف ہونا ضروری ہے ان کو اپنے پاسے میں یہ ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون ہیں کیا ہیں اور کہاں ہیں وہ چھوٹے ہیں بڑے ہیں یا معمولی ہیں یا گراں ملیہ ہیں وقت گزرنے کے بعد جب ان کو ہوش آجائے تو ان کو یہ نہیں ترس دیتا کہ وہ اپنی قیمت کو کونسنے کے کر چٹپ چاپ بیٹھ جائیں۔ وہ سب مستعد ہو کر کوشش شروع کر دیتا اور اگر ان کے دامن پر کسی قسم کا دغ لگ گیا ہو تو اسے دھو کر ہضم نہیں۔“

سلطان مغرب کی باتیں اب اسلطان تو خوب سمجھ رہا تھا لیکن شہزادہ سلیمان کے پٹے کچھ نہیں بڑھ رہا تھا وہ انھیں بند کر کے بار بار جہاں سے رہا تھا۔

سلیمان کی ماں نے بیزار ہو کر کہا: ”اب بند بھی کریں اپنی نصیحتیں ان کو یاد کون رکھے گا۔“

سلطان مغرب نے اس کو حماقت سے دیکھا: ”تو غامض رہ جاہل عورت! یہ باتیں تیری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔“

ابونصر و سلطان کی تقریر سے سب سے زیادہ غلط اندوز ہو رہا تھا۔

لیکن سلطان نے یہ کہہ کر اپنی تقریر ختم کر دی: ”اور آخری بات یہ کہ اقبال مند لوگ جوں یا کوئی شخص ان میں ایک بات مشترک ہوتی ہے۔ ان میں آسمان تک پہنچنے کی تاب تو نائی ہو رہا نہ ہو لیکن ان کی پرواز جاری رہتی ہے اور وہ وہاں تک اپنی پرواز جاری رکھتے ہیں جہاں تک رسائی ممکن ہوتی ہے۔“ اب اسلطان نے اس تقریر سے سب کچھ حاصل کر لیا۔ سلیمان اور اس کی ماں اب اسلطان کی موجودگی سے

دولگی

سلطان خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا دیر تک سوچا رہا۔
خدا کے کی ہاں نے کہا: میں سب سے زیادہ سچ
ہی سے ڈرتی ہوں، آپ سوچا نہ کریں۔
سلطان تشک چکا تھا۔ کہنے لگا: میں تیری خواہش
پر سیماں ہی کو اپنا بائیس ہنزہ کرے دل کا لیکن یہ پاپا
کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔

ماں نے پوچھا: آپ ارسلان کا مقابلہ دیکھو؟
سلطان نے جواب دیا: آپ ارسلان میرے کس
فیصلے سے اتفاق نہیں کیسے گا اور ارسلان سے بہ زور
قوت وہ سب چھینے گا جو میں اسے دوں گا۔
ماں نے کہا: تو اتنا بڑا ہے میں یہ نہیں جانتی تھی لیکن
اب کیا بھی کیا جا سکتا ہے جو ہو گیا سو ہو گیا۔
سلطان نے پوچھا: کون بڑا ہے؟ تو نے یہ باتیں کس
کے لیے کہی ہیں؟

اس نے جواب دیا: آپ ارسلان کے لیے؟
سلطان نے کہا: تو وصیت نامہ تیار کر لیا جائے؟
اس نے جواب دیا: آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔
میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ میرا ارسلان آپ کا بائیس قرار دے۔
سلطان نے اسے قس قس دی: میں جو نصر سے کہوں گا کہ
وہ وصیت نامہ تیار کر دے۔ اس وصیت نامے کی رو سے
سلطان میرا بائیس قرار پائے گا۔
سلطان کی ماں نے اس فیصلے کا خیر مقدم کیا: میں اس
وصیت نامے کا انتظار کروں گی۔

سلطان نے ان دونوں سے مشکل سمجھا پھڑپھڑا۔ اس کے
سر میں ہکا بکا درد ہو رہا تھا۔ وہ تنہائی میں بیستر پر دراز ہو
گیا اور دونوں ہاتھوں سے آہستہ آہستہ اپنا سر دبستان
وہ اپنی اس تکلیف کا ذکر کس اور سے نہیں کرتا جانتا تھا۔
کچھ دیر بعد وہ میں اضافہ ہو گیا۔ ایک کینز کو آواز دی
اور اسے سر دبانے کا حکم دیا۔

جب وہ سر دبا رہی تھی تو سلطان نے اسے حکم دیا۔
اس بیماری کا ذکر کسی اور سے نہ کر دینا۔

جب کئی ساتھی گزرے اس کے: وجود سرک دھند
میں افاقہ نہ ہوا تو کینز نے پوچھا: کیا کسی طبیب کو لویا جائے؟
سلطان نے منع کر دیا: جب میں تجھ کو منع کر رہا ہوں
کہ اس بیماری کا کسی اور کو علم نہیں ہونا چاہیے تو تو طبیب

بولنے کا مشورہ کیوں دے رہی ہے؟

ہوں تجزیہ کا ہوں۔ آپ مجھے کسی جگہ حکومت دی تو سی۔
سلطان نے ان دونوں کو ایک ہفتے بعد کا وقت دیا۔
ایک ہفتے بعد بات کروں گا آج نہیں۔

لیکن سلیمان کی ہڈی اڑ گئی۔ ایک ہفتے بعد نہیں آج
ہاں اسی وقت۔ آپ کو جو فیصلہ کرنا ہے آج ہی کریں۔
سلطان کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں: دیکھو، میں تجھ سے
صہت کرتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں تیری
وجہ سے تیری خاطر کوئی غلط فیصلہ کر بیٹھوں، ایسا نہیں ہوگا۔
سلیمان کی ماں نے اپنا فیصلہ سن دیا: اگر آپ نے
سچا ہی میرے بیٹے سلیمان کو اپنا بائیس نہ قرار دیا تو میں
اپنے بیٹے کے ساتھ کہیں نہ جاؤں گا اور آپ ہم
دروا کو زندگی بھر تلاش ہی کر رہے ہیں گے۔
سلطان نے پھر وہی طعنہ دیا تو جہالت کی باتیں کر
رہی ہے۔

سلیمان کی ماں اپنی ضد پر قائم رہی: درست، مگر
میں یہ کام کر کے رہوں گی۔

اس کے بعد وہ نے لگی: سلطان طغریٰ! اب
آپ بہت بڑے آدمی ہیں اور میں آپ کی نظر میں جاؤں
عورت قرار پائی ہوں، کیا لیے مجھے آپ سے جدا ہونا چاہیے؟
سلطان کا دل پس گیا: تو میری بات سمجھ کیوں نہیں رہی
ہے۔ میں بھی تجھ کو بے حد عزیز رکھتا ہوں۔

وہ اپنے آنسو دامن سے پونپنے لگی: اب اس قسم
کی باتیں نہ کریں کیونکہ آپ کا قول آپ کے عمل کے مطابق
نہیں ہے۔

سلطان نے تنگ آکر پوچھا: خیر تو چاہتی کیا ہے؟
اس نے جواب دیا: میں ایک ہی بات کہنا چاہتی ہوں۔
میرا تیری رہوں میں سلیمان کو حکمران دیکھنا چاہتی ہوں۔
میں دلی عہدی کی وصیت میں سلیمان کا نام دے
سکتی ہوں لیکن کیا تجھے یقین ہے کہ سلیمان اس حکومت کی
حفاظت کرے گا؟

اس نے جواب دیا: یہ کون سا شکل کام ہے حکومت
کی حفاظت تو کیسے کی؟ اور نصر کرے گا۔ سلیمان تو صرف
حکومت کرے گا۔

سلطان نے کہا: آپ ارسلان میری بائیس کے لیے
موزوں ترین جیتا ہے اور میری ذات اور مالک ہیں یہ
موزوں ترین نام ہے۔

وہ تار من پھڑکی: یہ نہیں ہو سکتا، میں یہ نہیں چاہتی

انسانی حقوق کی انہیں کے ایک انفریمپ کستانی
جیل کے دو سے پر گئے تو انہوں نے دیکھا ایک ہاں
میں ٹی ورن ہل رہا ہے اور بہت سے قیدی نیٹھے
پر گراہ دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے یہ دیکھ کر اٹل سے
کہا: آپ کی جیل میں قیدیوں کو بڑی سولیتیں دین
ہیں۔

واٹن بول: آپ کو فائدہ نہیں ہوا ہے بلکہ انہیں
دیکھنا تو ت قیدیوں کی سر میں تال ہے۔

تو یہ دیکھ کر رگ گیا کہ سلطان سر پر ہٹی بنا سٹے بہتر رہے رہے
وہ کچھ دیر کھڑے سلطان کو دیکھتے رہے۔ سلطان بھی لستے
دیکھ رہے تھے۔

ابو نصر نے پوچھا: نصیب دشمن! یہ آپ کو کیا ہو
گیا ہے؟

سلطان نے جواب دیا: آدرہ! بیجان میں تھا تو وہاں
سر میں درد اٹھا تھا اب اگر درد نے میرا پیچھا ہی پکڑ لیا
ہے۔

ابو نصر نے کہا: میں جیب کر جوتا ہوں آپ اس
کو مال بتا کے دو ہیں۔
لیکن سلطان نے اس کو منع کیا: یہاں جیب نہیں
لے گا۔

ابو نصر نے پوچھا: وکیوں؟ آخر کیوں؟
سلطان نے جواب دیا: میں اپنی اس بیماری کا پتہ چا
نہیں چاہتا اور طبیب دیکھنے کا تو تہہ چا کرے گا۔
ابو نصر نے عرض کیا: تو آپ کے سر درد کا معقول
علاج ہو چکا ہے۔ اگر کوئی اس کا چہرہ چا کر لے تو کہنے دیں
سلطان نے اس کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا: میں بچہ
کو یاد ہی کر رہا تھا۔

ابو نصر نے پوچھا: وکیوں؟
سلطان نے جواب دیا: وہ پاگل بلور جاہل عورت مجھ
سے جو کچھ چاہتی ہے میں نہیں دینا چاہتا۔
ابو نصر نے پوچھا: کیا چاہتی ہے آپ سے؟
سلطان نے جواب دیا: وہ چاہتی ہے کہ میں شہزادہ
اسپارسلان کو عہدہ دیوں اور اس کے ملاقی بیٹے سلیمان
کو اپنا نائب بنائے۔

جب کینز جھک گئی تو دوسری کینز کو بلوایا گیا اور اس
کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ اس بیماری کا کسی اور کو پتا نہیں چلے جائیگا
سناں نے ہر کسی سے مٹا جٹنا بند کر دیا۔ یہاں تک
کہ ابو نصر کو بھی اندر نہیں آنے دیا گیا۔

ابو نصر کو سلیمان کی ماں نے حکم دیا تھا کہ وہ سلیمان کی
بانشینی کے حق میں ایک وصیت نامہ تیار کرے۔
لیکن ابو نصر کا کام اس وقت تک نہیں کر سکتا تھا
جب تک سلطان کی طرف سے اسے یہ حکم نہیں مل جاتا۔
شہزادے کی ماں کی طرف سے وہاں بڑے جھگڑاؤں اور
ابو نصر کو ہر سلطان سے ملنے کی کوشش میں ناکام ہونے
کے بعد فکر و تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ طرح طرح کے اندیشے
وہ سوچتے اس کو پریشان کر رہے تھے۔ ابو نصر سلیمان کی
ماں پر شبہ کر رہا تھا۔

آخری بار وہ نصف شب سے ذرا پہلے سلطان سے
ملاقات کرنے گیا تو کینز نے اسے بتایا کہ سلطان مجھ ستر است
بنے مل نہیں سکتا۔

ابو نصر نے سختی سے کہا: لیکن اب میں سلطان سے ملے
بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔

کینز نے بے بسی عیاں کر دی۔ ہم مجبور ہیں۔ سلطان کا حکم ہے
کہ انہیں سونے دیا جائے اور یہ کہ ان کے آرام میں کسی کو
داخل نہ ہونے دیا جائے۔

ابو نصر نے کینز کو گدی سے پکڑ لیا۔ ہر طرح بتا بات
لیا ہے سلطان خیریت سے تھکے تو ہے؟

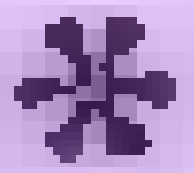
کینز نے غلطی گدی چھڑانے کی کوشش کی تب پیری
شدی تو چپوڑیں دیں وہی کر رہی ہوں جس کو سلطان نے یہاں
حکم دیا ہے۔

ابو نصر نے اس کا چہرہ اپنے سامنے کر لیا۔ میں وزیر
ہوں اور سلطان مجھ کو کبھی بھی ملاقات سے محروم نہیں کرتا۔
کینز نے جواب دیا: آپ نے جو کچھ فرمایا بجا و درست
میں میں آپ کو اندر نہیں جانے دوں گی۔
ابو نصر نے اس کو دھکاتے کر ایک طرف کر دیا اور
دروازہ داخل ہو گیا۔

ایک دوسری کینز دوڑوں کو توڑیں میں کہنے دیکھ
میں محض کچھ دیر بعد واپس آئی اور کینز سے کہا: سلطان بیدار
ہو چکے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ وزیر کو اندر آنے دیا جائے۔
آپ اندر جاسکتے ہیں۔

ابو نصر اندر چلا گیا اور جب وہ سلطان کے قریب پہنچا

اس تکلیف کا ذکر بھی کسی سے نہیں کیا۔



نجر کی نماز ادا کر کے سلطان تو اپنی زوجہ و دین سیدہ کے پاس چلا گیا جو اپنے پیر سے کونقائب میں چھپائے ہوئے زبان کو تار سے لگائے بیٹھی رہتی تھی۔

ابونصر اپنے خیمے میں مستقبل کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اس نے سلیمان اور اس کی ماں کی ریت تو کر دی تھی لیکن یہ دونوں ابونصر سے کافی دور ہو چکے تھے۔

وہ اپنے خیمے میں بیٹھا ہی سب سوچ رہا تھا کہ اسے مطلع کیا گیا کہ شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں اس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

ابونصر جلد ہی سے کھڑا ہو گیا اور دونوں کی پیشوائی کے لیے خیمے کے درجہ تک گیا۔

شہزادہ سلیمان نے اوب سے سلام کیا لیکن اس کی پڑھی ہوئی تیوریاں بتا رہی تھیں کہ وہ کوئی تصفیہ کرنے آئی ہے۔

ابونصر نے خوشادانہ روش اختیار کی: آپ دونوں کی تشریف آوری کا شکریہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟

شہزادہ سلیمان کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ماں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا: تو خاموش رہ، بات میں کروں گی۔

شہزادہ نے اپنا منہ بند کر لیا۔

ماں نے ابونصر کو مخاطب کیا: تو اب سلطان سے ملنے کے لیے اس کے خیمے میں جا سکتا ہے لیکن ہم سے نہیں مل سکتا اور ہم دونوں کو تیرے پاس خود آنا پڑے گا۔

ابونصر نے معذرت کی: اب سلطان سے میں کسی خاص سبب سے نہیں ملتا۔ اس رشتہ میں کیا تعلق آپ دونوں مجھ سے بنا رہے تھے اس لیے ملاقات کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

ماں نے پوچھا: کیا یہ درست ہے کہ تو اب سلطان کو جانائیں نامزد کروانا چاہتا ہے؟

ابونصر ملاک پالا کہ اور عقلمند تھا۔ جواب دیا: اب سلطان کے لیے کسی سعی اور سفارش کی ضرورت ہی نہیں۔ اس کی لیاقت ہی اس کی سی اور قابلیت ہی اس کی سندش اور دعا رہے۔

استغفر اللہ! لیکن جب تک میں زندہ ہوں یہ نہیں ہوسکتا۔

ابونصر نے پوچھا: اور آپ کیا چاہتے ہیں؟

سلطان نے جواب دیا: میں چاہتا ہوں کہ وہ جاوے عورت اس سے باز آجائے۔

ابونصر نے دریافت کیا: مجھ کو کیا کرنا چاہیے؟

سلطان نے جواب دیا: تو اس عورت کو سمجھا کہ وہ ایسا نہ چاہے، میں اس نالائق کو لائق پر کس طرح ترجیح دے سکتا ہوں؟

ابونصر نے تامل سے کام لیا: ہاں، میں سمجھانے کی کوشش کروں گا لیکن مجھے یقین نہیں کہ میں اس کی کامیاب بھی ہو پاؤں گا۔

سلطان نے اصرار کیا: کوشش نہیں تجھ کو یہ کام ہر حال میں کرنا ہے۔

ابونصر نے سلطان کو کچھ اور ہی یاد دلانے کی کوشش کی: ویسے نیابت اور جانشینی کا صحیح حقدار شہزادہ سلیمان ہی ہے۔

سلطان نے حیرت سے اپنے وزیر کو دیکھا: وہ کیوں؟ کس طرح؟

ابونصر نے جواب دیا: اب سلطان کی لیاقت سترہ وہ ہیں جتنے پر قابض ہے اس میں مزید توسیع کر سکتا ہے لیکن شہزادہ سلیمان، اس کو جو کچھ آپ دے دیں گے وہی اس کا مقسوم ہوگا، وہی اس کی قسمت، اس لیے حکومت اس کا حق ہے۔

سلطان نے پوچھا: اور اگر یہ اپنے اقتدار کا اہل نہ نکلا تو؟

ابونصر نے جواب دیا: اقتدار شہزادہ سلیمان کو ملے گا اور میں اسے کامیابی سے ہمنما کر دوں گا کہ حکومت کے ہاتھ پاؤں فوراً ٹوٹ جائیں، یعنی اعلانِ جہاد ہو جائے۔

شہزادہ سلیمان کو حکومت سونپ دیں گے تو یہی آپ کا انصاف ہوگا اور یہی آپ کا عدل۔

سلطان کی حیرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ یعنی یہ تو کہہ رہا ہے۔

ابونصر نے نظریں جھکا لیں: یہی بندہ یہودی میں کہہ رہا ہوں، وہ میں وہی کتا ہوں جو حق اور انصاف ہوتا ہے۔

سلطان کی حیرت میں کمی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ دیر تک ابونصر کو دیکھتا رہا۔ اس کے بعد کمانچا ابونصر کو جاسکتا ہے۔ اس روز رات کو سلطان کے سر میں شدید درد ہوتا رہا، اب اس سے پریشانی رہنے لگا تھا اس نے اپنی

کے بارے میں سوچتا رہا۔ وزیر کی شکل میں مطلق امتحان ہوگا۔
دوسری طرف سلطان نہایت پابندی سے تیار ہو گیا۔
حاضر ہوں دیتا رہا لیکن بات نہیں بنی۔ تیار ہوں سے بات نہیں
کر رہی تھی۔

سلطان کو تیار پر غصہ آ رہا تھا لیکن یہ غصہ بھی سلطان
کے دل و دماغ ہی کو متاثر نہ کر رہا تھا۔
ابونصر کو قلعے کی تاک میں تھا۔ اس دن ان کسی تاجر نے
ابونصر کو بتایا کہ الپ ارسلان ماہ میں ملا تھا اور ہاتھوں سے لٹوڑ
ہوا کہ اس کے خیالات باغیانہ ہیں۔

ابونصر نے پوچھا: باغیانہ سے تیری کیا مراد ہے؟
تاجر نے جواب دیا: وہ کہتا ہے کہ جب میں ولایت میں
رہا کسی لائق کو ولایت یا سلطان نہیں بنایا جاسکتا۔ وہ یہ بھی کہتا
تھا کہ اگر ایسا ہو تو وہ اپنے حق کے لیے جنگ کرے گا۔
ابونصر سکر آیا: بہت خوب۔ تو وہ ہم سے یعنی شہزادہ
سیماں سے جنگ کرے گا؟
تاجر نے مبارزت چاہی تو ابونصر نے کہا: تیرا کام ابھی ختم
نہیں ہوا۔

تاجر نے کہا: میرا اب کیا کام؟
ابونصر نے جواب دیا: تو نے ابھی جو کچھ بتایا ہے
تجھ کو یہ سب سلطان کے سامنے بھی کہنا ہوگا۔
تاجر نے کہا: میں کسی قسم کا اندیشہ مول نہیں لیتا۔
ابونصر نے جواب دیا: تو نے کیا بات کہی؟
تاجر نے جواب دیا: تو نے جو کچھ کہا ہے وہ سب سچ ہے۔
تاجر نے پوچھا: وہ کس طرح؟

ابونصر کو اس تفصیل بحث میں مزہ نہیں آ رہا تھا۔
جواب دیا: سلطان کا اعتماد حاصل کر لینا بہت قیمتی بات
ہے۔

تاجر نے بھرپور راہ ہاں کہی۔ ایک پہلے آپ جو کچھ کہ
رہے ہیں اس پر عمل کر کے بھی دیکھ لیتا ہوں۔

ابونصر تاجر کو سلطان کے پاس لے گیا۔ اس نے پہلے تو
سلطان کو تاجر کے بارے میں بتایا۔ اس کے بعد کہا: یہ
شخص جس قسم کی خبر لایا ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔
بعد جب سلطان کو الپ ارسلان کی بات بتادی گئی تو
اس نے بے پروائی سے کہا: اس میں میرے کوئی کام
ہے، میں کیا کروں؟

ابونصر نے کہا: الپ ارسلان نے بغاوت کی ابتدا کر
دی ہے اس لیے ولایتی اور باغیوں کا مسئلہ فوراً طے کر

ہو نہر نے کہا: آپ کے پاس ہے یا نہ چاہئے ہے
کیا ہوتا ہے، اصل فیصلہ و سلطان کے ہاتھ میں ہے اور
سلطان کو یہ معلوم ہے کہ کون لائق ہے اور کون تالائق ہی
کو یہ رقبہ نہیں بنایا جاسکتا۔

شہزادے کی مل خوف زدہ ہو گئی کہ ابونصر نے اس
کا ہاتھ نہ دیا تو اس کا بیٹا حکمران نہیں بن سکتا۔ وہ نرم ہو گئی
لیکن ارسلان کو سمجھا کر باغیوں اور حکومت سیماں ہی کا
حق ہے۔

ابونصر نے معذرت کر لے کر محترم خاتون! آپ نے
اپنے اس کام کے لیے غار شکنی مرحوم کا انتخاب کیا تھا۔ میں
اس لائق کہاں کہتا ہوں؟
شہزادے کی مال اور زمین پر بھی جو کچھ گزر گیا اس کا
فکر قبول ہے۔ تجھ کو میرا یہ کام ہر حال میں کرنا ہوگا۔

ابونصر نے اور زیادہ پریشان کر دیا: سلطان سے اس
موضوع پر میری بات ہوئی تھی۔ میں نے الپ ارسلان کی ہائیڈ
کر دی۔

وہ مشتعل ہو گئی: ایسا نہیں ہو گا ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو
ہمارا ساتھ دے گا، میرے بیٹے سیماں کو برسرِ اقتدار
لائے گا۔

ابونصر نے سکوت اختیار کیا۔ کچھ دیر بعد ہستہ سے
کہا: بہت مشکل کام ہے۔

مال سے کہا: اور یہ مشکل کام ہر حال میں تجھ کو کرنا ہوگا۔
ابونصر نے طنز کیا: اور جب یہ مشکل کام ہو جائے گا
تو مجھ کو یعنی ابونصر کو دودھ کی تھی کی طرح نکال باہر پھینک دیا
جائے گا۔

ان سے اسے یقین دلایا: ایسا نہیں ہوگا، کسی حال
میں بھی ایسا نہیں ہوگا۔ سیماں کا وزیر تو ہوگا۔

شہزادہ سیماں نے بھی وعدہ کیا: میں تو آپ کے غلام
کسی کے لیے سوچ بھی نہیں سکتا۔

ابونصر نے نیم دل سے وعدہ کیا: میں کوئی وعدہ نہیں
کر رہا، کوشش کروں گا۔

ان سے زور دیا: کوشش نہیں یہ کام ضرور ہونا چاہیے
سندھ تیرے مشوروں کی قید کرنا چاہتا ہے، اگر اس کا احترام
کی نظر سے دیکھتا ہے۔

ان نے ابونصر کو زور دیا: لایا ایک بار دینا چاہیے لیکن
اس نے یہ نہیں کیا۔

دونوں میں بیٹھے چلے گئے تو ابونصر اپنے شاندار مستقبل

دینا چاہیے؟

سلطان بھی الپ ارسلان کی دھمکی سے ناخوش تھا لیکن وہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا جس سے بھائی بھائی میں جنگ پھڑپھڑی جائے۔

ابونصر سلطان کو مشورہ دے رہا تھا: بلکہ اب سلطان کو ایک قدم اور بڑھانا چاہیے۔ یعنی یہ کہ شہزادہ الپ ارسلان کے غمزدگی کو توڑنے کے لیے شہزادہ سلیمان کو اپنی سرپرستی میں سلطان بنادینا چاہیے اور اگر کسی طرف سے اس کی مخالفت ہو تو مردانہ وار اس کا مقابلہ کیا جائے۔

سلطان کی سمجھ میں یہ بات آرہی تھی مگر وہ شہزادہ ارسلان کے مخالفت کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ابونصر سلطان کے پس و پیش سے آگاہ تھا اس نے سوچے کہ گرم جوڑ دیکھا تو اس پر پوٹ لگا دی؟ اگر شہزادہ سلیمان کو حضور نے اپنی سرپرستی میں اپنی زندگی ہی میں سلطان بنا دیا تو اس سے حالات قابو میں رہیں گے اور الپ ارسلان کی ہمت جواب دے جائے گی اور اس نے جو کچھ سوچا ہے اس پر عمل نہیں کر سکے گا۔

ابونصر کی تجویز معقول تھی۔ سلطان نے وعدہ کیا۔ میں ہی کروں گا جس کا تو مشورہ دے رہا ہے اور یہ بھی طے ہے کہ میں اپنی مخالفت خواہ کسی طرف سے بھی ہو برداشت نہیں کر سکتا۔

ابونصر نے پوچھا: کیا میں وصیت نامہ تیار کر دوں؟ سلطان نے جواب دیا: ہاں تیار کر دے۔

ابونصر نے بازی جیت لی تھی۔ وہ اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

ابونصر کے چلے جانے کے بعد سلطان کے دل داغ نے اس سے ایک سوال کیا: کیا حکومت پر میری گرفت مضبوط ہو چکی ہے؟ کیا میں گمزدگی پر چکا ہوں اور کیا میرے مخالفین نے میری اس کمزوری کو محسوس کر لیا ہے؟

ان دو سوال اور اندیشوں کا اس کے پاس ایک ہی جواب تھا: ہاں!۔

اس ہاں نے سلطان کو کچھ اور پریشان کر دیا۔

ابونصر وصیت نامہ تیار کر رہا تھا۔ شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں ابونصر کی اس کامیابی سے بے حد خوش تھے۔

کیا گیتا اس کی کسی اور کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں چھوٹے نہیں سہا سہے تھے۔ دونوں انگوٹوں میں کتے پھرتے تھے۔ اب اسل میں سلطان شہزادہ سلیمان سہتے۔

شہزادہ الپ ارسلان کا ایک حمایتی تہیہ کے پاس موجود تھا۔ وہ غلیظہ کا صاحب بھی تھا اور مسیحی اس کا نام ابن ہدی تھا۔

جب ابن ہدی کے کانوں میں یہ باتیں پہنچیں تو وہ بے چین ہو گیا۔ وہ اس خبر کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ جب غلیظہ سے اس کا ذکر کیا گیا اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔

ابن ہدی ابونصر سے ملا اور اس سے اس خبر کی تصدیق یا تردید چاہی۔

ابونصر نے پوچھا: تو اس خبر کی تصدیق یا تردید کیوں چاہتا ہے؟

ابن ہدی نے جواب دیا: مجھ کو اس قسم کی خبریں منع کرنے کا شوق ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہاں کے لوگوں میں یہ خبر اس طرح دی جائے گی کہ پڑھنے والوں کو مزہ آجائے گا۔ ابونصر نے کہا: میں سلطان سے بات کر کے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔

ابن ہدی نے کہا: سلطان سے کیوں؟ کیا یہ وصیت نامہ آپ نہیں تیار کر رہے؟

ابونصر نے جواب دیا: یہ وصیت نامہ میں نہیں تیار کر رہا۔

ابن ہدی بالکل مطمئن نہ تھا۔ وہ یہاں سے اٹھ کر شہزادہ سلیمان کے پاس گیا اور اس سے اپنی طرف سے مبارکباد دی۔ شہزادہ نے حکومت مبارک ہو۔

شہزادہ سلیمان بہت خوش ہوا اور پوچھا: تجھے کو یہ خبر کس نے دی؟

ابن ہدی نے جواب دیا: غلیظہ نے۔

شہزادہ سلیمان نے کہا: اور غلیظہ کو یہ خبر کس نے دی؟ ابن ہدی نے حیرت سے پوچھا: کیوں؟ کیا غلیظہ کو اس خبر کا علم نہیں ہو سکتا؟

شہزادہ نے جواب دیا: ابونصر سے یہ ملے یا تھا کہ اس وصیت نامے کی خبر ہم چار کے سوا کسی اور کو نہیں ہونا چاہیے۔

ابن ہدی نے پوچھا: یہ مبارک کون ہے؟

شہزادہ نے جواب دیا: وہ چار میں ہم چار ہیں میری

ملک، ابو نصر اور سلطانؑ

ابن ہدیٰ خبر کی تصدیق سے بے مدغوش ہوا، کماؤت
پھر یہ خبر سلطانؑ نے امیر المومنین کو دی ہوگی۔

شہزادے نے کہا: سلطانؑ کو بھی ایسا نہیں کرنا چاہیے۔
ابن ہدیٰ سنے بھی افسوس کیا: ہاں حبیب ایک بات
بٹلے چکی تھی تو اس کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ پھر پوچھا: یہ
وصیت نامہ کن تیار کر رہا ہے؟

شہزادے نے جواب دیا: ابو نصر اس سے زیادہ لائق
ہد قابل اعتبار و دوسرا کوئی سب سے بھی تو نہیں۔

ابن ہدیٰ نے پوچھا: اس وصیت نامے میں کیا لکھا
گیا ہے؟

شہزادہ ناراض ہو گیا: تم تو سبھی کچھ جاننا چاہتے ہو
آخر کیوں؟

ابن ہدیٰ نے جواب دیا: میں نے بتایا تو کچھ لکھا
کو شوق ہے۔

شہزادے نے کہا: بہت بڑا شوق ہے۔ اس شوق
سے چھپا چھڑاؤ۔

ابن ہدیٰ نے وعدہ کیا: آئندہ میں ایسا نہیں کرے گا۔
بس آخری سوالؑ

شہزادے نے کہا: ہاں تو کرو آخری سوالؑ
ابن ہدیٰ نے پوچھا: اس وصیت نامے میں کیا لکھا

گیا ہے؟

شہزادے نے جواب دیا: یہ کہ مجھ کو یعنی شہزادہ سیمان
اور سلطانؑ کی زندگی ہی میں اس کا جائز نہیں اور حکمران مقرر
سیا جا رہا ہے۔

ابن ہدیٰ نے پوچھا: سلطانؑ کی زندگی ہی میں کیوں؟
ملت کے بعد کیوں نہیں؟

شہزادے نے جواب دیا: اس لیے کہ سلطانؑ بہری
ہے اور ابو نصرؑ کو یہ شبہ ہے کہ اگر یہ کام ابھی نہ کیا گیا تو آپ

سلطانؑ بعد میں یہ کام نہیں ہوسنے دے گا اور مجھ سے عزت
مینے کی وراثت کرے گا۔

ابن ہدیٰ نے شہزادے کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے ابن ہدیٰ
کو قیمتی خبریں جم پڑائیں جو کہیں اور سے نہیں مل سکتی

تھیں۔

ابن ہدیٰ نے یہ باتیں اب اس سلطانؑ کو لکھ بھیجیں کہ
خدا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے آپ سلطانؑ کے جانشین

میں بن سکیں گے۔ اس کے علاوہ یہ کہ آپ مستعد اور ہر طرح
پرتو پر بند رہیں کیوں کہ کوئی بھی ایسی خبر آپ کسی وقت بھی

سن لیں گے جس کی آپ کو امید بھی نہ ہوگی۔

اس طرح اب اس سلطانؑ کو بغداد کی خبریں پابندی سے
پہنچ رہی تھیں۔

ابو نصرؑ نے وصیت نامہ تیار کر دیا۔ سلطانؑ نے اس
وصیت نامے کو اپنے پاس رکھا۔

شہزادہ سلطانؑ اور اس کی ماں کو اب اطمینان حاصل ہوا
تھا لیکن حبیب تک وصیت نامہ ان کے قبضے میں نہیں آجائے

وہ دونوں تھوڑے بہت فکر مند رہتے۔
سلطانؑ اپنی توجہ ان دلیں سستہ کی دربار داری میں

سات دن مشغول رہا اور ان سات دنوں میں سے ایک دن ہر
ایک لمحے کے لیے مکہ سستہ کی نہ تو آواز ہی سنی سکتا اور نہ

ہی اس کی ایک جھلک دیکھ سکتا۔ اس نے اس تسلیم اور
زیادتی کا کسی سے شکوہ بھی نہ کیا۔

ابو نصرؑ کو سلطانؑ پر رحم آ رہا تھا اور وہ خلیفہ کی زیادتی
پر اسے برا بھلا کہتا رہتا تھا۔ اس نے سلطانؑ کو بتایا کہ یہ جو

کچھ ہو رہا ہے معاہدے کے خلاف ہو رہا ہے اور خلیفہ نے
زیادتی اور بددیانتی سے یہ صورت حال پیدا کی ہے۔

سلطانؑ نے ابو نصرؑ کو سمجھایا: تو پریشان نہ ہو اس کا
جواب میں دے گا۔

ابو نصرؑ نے سلطانؑ سے اجازت چاہی: اگر آپ اجازت
دیں تو میں خلیفہ سے بات کروں۔

سلطانؑ نے منع کیا: نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں میں
اسی معاہدے پر اسے خلیفہ کو حجت کر دوں گا۔

لیکن ابو نصرؑ کہنے کے باوجود خلیفہ کے پاس گیا اور
اس سے سستہ اور معاہدے کے موضوع پر بات سن کر دھڑ

کدی۔
خلیفہ نے حاف حاف کہہ دیا: میں اس موضوع پر کوئی

بات نہ کر دوں گا۔
ابو نصرؑ اپنی منہ پر قائم رہا: آپ بات نہ کریں لیکن میں ضرور

کردں گا۔
خلیفہ نے کہا: تو کیا بات کرے گا، ذرا مجھے بھی معلوم ہو۔

ابو نصرؑ نے کہا: سستہ سلطانؑ کی بیوی سے پھر وہ سلطانؑ
کو اپنی شکل کیوں نہیں دکھائی اور سلطانؑ سے بات کیوں نہیں کرتی؟

خلیفہ نے جواب دیا: سستہ جو کچھ کر رہی ہے معاہدے
کے مطابق کر رہی ہے۔

ابو نصرؑ نے کہا: امیر المومنین! آپ شاید سلطانؑ کی ذہانت
اور حاضر و ماضی سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں۔ سلطانؑ نے مجھے

بتایا ہے کہ وہ آپ کا اسی معاہدے سے حجت کرے گا۔

خلیفہ نے اسے درخت بلجے میں منجھایا تو کس طرح
باتیں کر رہا ہے کیا تو یہ بھی نہیں جانتا کہ تو کس سے مخاطب
ہے کہ تجھ کو مجھ سے کس لب و لہجے میں بات کرنا چاہیے؟
اب نصر نے جواب دیا: آپ جو کہہ بھی میں میں خوب جانتا
ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کے
الوار اور اہل آپ کے شایان شان نہیں ہیں۔
خلیفہ نے مشتعل ہو کر مایہ جانی جواب میں دوسرا رد و نام
ماہر ہو گئے۔ خلیفہ نے دونوں کو حکم دیا: اس شخص کو باہر
نکال دو۔

دونوں غلام اب نصر کی طرف بڑھے مگر اب نصر نے ان
دونوں کو ہاتھ کے اشارے سے روکا۔
دونوں ٹک گئے اور اب نصر یا خلیفہ کے اگلے اشارے کا
احتیاط کرنے لگے۔

خلیفہ بھانسنے لگا کہ یہ جو کچھ اور میں طرح تو کہہ رہا ہے اس
میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر تو اعتراض کر سکتے۔
اب نصر نے جواب دیا: آپ نے مجھے ذلیل کر دیا آپ
مجھے یہاں سے نکال رہے ہیں میں خود نکلیں گا، اپنے
غلاموں کو روکیں یہ میری بے عزتی نہ کریں۔
خلیفہ کو اس کی سابقہ خدمت کا بھی خیال آگیا۔ غلاموں
کو ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

اب نصر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے: مجھے رونا نہیں چاہیے
کیونکہ میں کوہنہ ذریعہ نہیں دیتا لیکن میں پھر بھی رونا چاہتا
ہوں کہ میں اپنے سینے میں گوشت کا تھنڑا یعنی دل رکھتا
ہوں اگر میں پھر جوتا تو نہ روتا۔

اب نصر وہاں سے چلا آیا۔ یہاں اسے اپنے خیمے میں
سلطان کا حکم موصول ہوا کہ اب نصر شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں
کو لے کر سے چلا جائے۔

اب نصر نے قبیلہ حکم سے پہلے سلطان سے ملاقات کرنا
چاہی لیکن نا کام رہا کیوں کہ سلطان اس وقت بھی اپنی دہلیز
بارگاہ میں پانڈی کے تخت پر مژدوب بیٹھا ہوا تھا۔

ایک کنیز نے سلطان کو مطلع کیا کہ اب نصر سے جانتے
سے پہلے سلطان سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔
سلطان نے جواب دیا: اس سے کہہ دو کہ اب نصر سے
میں ملاقات ہرگز میں اپنی دہلیز کو لے کر سے آ رہا ہوں۔
یہ رکھنے دہلیز نے بھی سنے غلاموں پریشان ہو کر پھر
جہان لے گئی۔

سلطان کو یقین تھا کہ اب دہلیز بات پتیت کہہ لیے
کسی کنیز کی خدمت سے مل کر اس کے پاس پہنچے۔

کہ وہ چلی جاویں۔
کنیزیں چلی گئیں۔ سیدہ نے اشارے سے سے ایک کنیز
کو روکا، بھی چاہا غرض غرض سے اسے آٹھ روکوائی چلی گئی۔
اب سلطان نے سیدہ کو مخاطب کیا: میں نے تیری
ضیانت کا مزہ رشتہ دیا اب تو میرے ساتھ سے جانتے کی
اور چاری غیبت اور غلط داری کو بھی بکھڑکھڑا۔
دہلیز بہت پریشان نظر آ رہی تھی وہ کچھ پریشان یا ہستی
تھی غمور اور راست نہیں کسی کے ذریعے وردہ فریادی اہمال
تیسرے تھا۔

سلطان نے دہلیز سے کہا: متبہ خاتون! تو میری دہلیز
ہے، میں امیر المومنین کو مطلع کرے بارگاہ میں اپنی بوی
کے ساتھ آج یا کل رات دروازہ سو عاؤں کا اور سیزوں کا حکم دے
گا کہ وہ رخت سفر باندھ لیں۔

سیدہ اور زیادہ سیدہ میں نظر آ رہی تھی وہ کچھ کہنے لگا ہستی
تھی کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن کوئی ذریعہ تیسرے نہیں تھا۔
سلطان چپ گیا تو سیدہ نے ایک کنیز کو طلب کیا اور
نشتے میں کہا: سلطان سے کہو کہ میں رات سے نہیں جاؤں گی۔
کنیز نے جواب دیا: مقررہ سیدہ! ہمیں منع کیا گیا ہے
کہ ہم بات چیت میں واسطہ نہ بنیں۔

سیدہ نے پوچھا: پھر میں بات کس طرح کروں گی؟
کنیزوں نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔
سیدہ اپنے تخت سے نیچے آگئی اور دو چار قدم
بھر آدھر چل کر سلطان کو تلاش کیا وہ کہاں جا گیا؟
ایک کنیز نے جواب دیا: شاید سفر کی تیاری کے احوال
صادق فرمائے۔

سیدہ نے بے بسی سے کہا: لیکن میں رات سے نہیں
جاؤں گی؟
کنیزوں نے پھر سکوت اختیار کیا جواب نہ ملنے سے
سیدہ کا دم ٹھٹھا ہوا تھا۔

سیدہ نے کہا: تم جواب کیوں نہیں دیتی؟
ایک کنیز نے کہا: کس بات کا جواب؟
سیدہ نے کہا: میں امیر المومنین کے پاس جہاں
جا رہی ہوں۔

کنیز نے جواب دیا: آپ غمور جاؤں گی لیکن سلطان کی
ابانت سے آپ سلطان کو دم موجود میں کہیں نہیں پہنچ سکتی
سیدہ نے بھرتے ہوئے پوچھا: میں جہاں لے جاؤں
دیکھو کہ مجھے کون سا سہ ہے؟

ایک کنیز نے جواب دیا: آپ کو صرف ہاؤس کی لکڑی

سیدہ وازدوں کو متعلق کر دیا ہے۔

سیدہ اصدا یاد گبرائی و سلطان کو ملاؤ میں اس سے پوچھوں گی کہ یہ کیا تماشا ہے؟

لیکن سلطان وہاں تھا ہی نہیں، پھر اس سے یہ سوال کون کرتا؟

کافی دیر بعد سلطان واپس آیا۔ کنیزوں نے سیدہ کو خبر کر دی کہ سلطان واپس آگیا ہے۔

سیدہ نے ایک کنیز سے کہا: جا میری طرف سے سلام سے پوچھ کر یہ سب کیا جہد ہے؟

کنیز نے عرض کیا: لیکن جہنم میں منع کر دیا گیا ہے کہ آپ سے بات چیت کرنے میں ہم ذریعہ نہ بنیں۔

سیدہ نے سختی سے حکم دیا: یہ میں کبھی ہوں۔ میں تجھ کو حکم دے رہی ہوں اور میں حکم عدلی کسی میں بھی برداشت نہیں کر سکتی۔

جب کنیز نے محسوس کیا کہ اس کی جان نہیں چھوٹے گی تو وہ وہاں سے چلی گئی۔

سیدہ دیر تک اس کی واپسی کا انتظار کرتی رہی تب وہ واپس نہیں آئی تو اس نے ایک دوسری کنیز کو یہی حکم دیا: اب

تو جا اور سلطان سے کہہ دے کہ میں رہے نہیں ہاؤں گی۔ اس نے جواب دیا: محترمہ سیدہ! یہاں سے چلی تو

جائزگی لیکن سلطان سے بات نہیں کر سکیں گی۔ سیدہ نے پوچھا: کیوں؟ تو بات کیوں نہیں کر سکے گی؟

اس کی کوئی خاموشی رہی۔

کنیز نے جواب دیا: اس کی وجہ یہی ہے کہ سلطان نے ہم سب کو ایسا کرنے سے منع کر دیا ہے۔

سیدہ نے اس کو بھی ڈانٹ دیا: لیکن تجھ کو میرا یہ کام برمال میں کرنا ہو گا؟

وہ کنیز بھی وہاں سے چلی گئی اور پھر واپس نہیں آئی۔

کچھ دیر بعد سیدہ نے کنیز کو آواز دی لیکن اب وہاں ایک کنیز بھی نہیں تھی۔ سیدہ نے بڑبڑاتے ہوئے کہا: یہ

سب کہاں چلی گئیں؟ کہاں سر قشیں آکر رہیں؟ آخر وہ تھک بار کر سہری پر گر گئی۔

وہ کتنی دیر سہری پر پڑی رہی اس کو کچھ پتا نہ تھا لیکن جب بیدار ہوئی تو معلوم ہوا شام ہو چکی تھی اور سلطان اس کے پاس ہی بیٹھا تھکا تھکا ہوا تھا۔

وہ سلطان کو اپنے قریب دیکھ کر سمٹ کر ایک طرف بیٹھ گئی۔

سلطان نے کہا: محترمہ سیدہ! میں نے امیر المومنین کو

دیا ہے کہ میں تجھ کو دسے لیے بار بار ہوں۔

سیدہ خلیفہ کا جواب مننا چاہتی تھی لیکن وہ یہ سوال کس سے کرتی۔

سلطان نے پوچھا: کیا تو میری بات سن رہی ہے ہماری آواز تیرے کانوں تک پہنچ رہی ہے؟

سیدہ نے ہاں نہیں اپنا سر ہلا دیا، یہی اس کا جواب بھی تھا۔

سلطان اپنی بات کرتا رہا: امیر المومنین نے مجھ سے وہی کہا جو تو کہہ سکتی ہے؟

اس نے سیدہ کی طرف دیکھ کر سیدہ تامل کر لی۔ سلطان نے کہا: ہر حال میں شہ ہے کہ ہم دسے جا رہے ہیں۔

سیدہ نے نفی میں سر ہلا دیا کہ میں نہیں جائزگی۔ سلطان نے کہا: تو کیا کہہ رہی ہے میری تو سمجھ میں کوئی

بات بھی نہیں آ رہی۔

سیدہ نقاب کے پیچھے سے سلطان کو دیکھ رہی تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سلطان سے کس طرح بات کرے۔

سلطان وہاں سے جانے لگا۔ سفر کی تیاریاں ختم ہو رہی ہیں ہم کسی بھی وقت یہاں سے چل دیں گے۔

سیدہ نے آہستہ سے کہا: لیکن میں نہیں جاؤں گی۔ سلطان نے یہ مترنم آواز سن کر جیسے اس کے ہوش و

حواس ہی ہاتھ سے اٹھ گئے۔ اس نے بڑی کھٹک تھی، بہت دس تھا ہٹا اس تھی۔

سلطان نے پوچھا: تو کیوں نہیں جاسکتی؟

سیدہ نے اسی دھیمے لہجے میں جواب دیا: معاہدے میں یہ بات نہیں ہے۔

سلطان نے کہا: میں نے امیر المومنین سے بھی یہی بات کہی تھی کہ آپ ہمیں دسے جانے سے نہیں روک سکتے، کیوں کہ معاہدے میں یہ بات نہیں ہے۔

سیدہ نے پوچھا: کیا امیر المومنین نے سلطان کی بات من لی؟

سلطان نے جواب دیا: امیر المومنین کوئی بھی بات کہنی سے نہیں مانتے، ان سے تو بات منوانا پڑتی ہے۔

سیدہ نے کہا: پھر امیر المومنین نے کیا کہا؟

سلطان نے جواب دیا: وہ سب میں نے امیر المومنین کو بتایا کہ اپنے معاہدے کی مدد سے آپ ہم دونوں کو دسے جانے سے نہیں روک سکتے تو وہ خاموش ہو گئے۔ خاموشی کے سوا اور

کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

پاس پہاڑ ہی کیا تھا؟

ستیدہ نے کہا: لیکن میں در سے نہیں ہواؤں گی۔
سلطان نے جواب دیا: میں تجھ کو جبراً در سے لے جاؤں
گا کیوں کہ تیر میری بیوی ہے اور میں اپنی بیوی پر در سے
بلکائے حقوق رکھتا ہوں۔

ستیدہ اس وقت جس پریشانی میں مبتلا تھی زندگی میں
ایسی مشکل اور دشواری سے کبھی اس کا واسطہ نہیں پڑا تھا۔
سلطان نے کہا: امیر المومنین نے سادہ سے کیا آزمائشیں
جو کچھ میرے ساتھ کیا یہ بڑا ہی ہشک امیر اور پریشانی کن
نہایت برا ہے۔

ستیدہ نے پوچھا: تو تم اس ہشک کا بدلہ مجھ سے لے
رہے ہو؟

سلطان نے جواب دیا: میں امیر المومنین کی زیادتیوں اور
بے عزتیوں کا بدلہ تجھ سے کیا لوں گا؟ اس کے بعد کچھ دیر
سہت اختیار کیا اور آخر میں کہا: اور تو نے مجھ سے جو سلوک
کیا ہے اس کا بدلہ بھی میں خزانوں کا ٹھکانے سے کسی ایک
کو بھی نہیں کر دوں گا۔

ستیدہ نے کہا: میں نے تجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ میں
نے کوئی زیادتی نہیں کی یہ تہمت لگا رہے ہو تو تم مجھ پر
سلطان نے جواب دیا: میں... میں تجھ کو بتاؤں گا
کہ تو نے مجھے کس کس طرح ذلیل و خوار کیا ہے۔
ستیدہ نے کہا: وہ میں غور نہ کر سکتی تھی۔

سلطان نے پوچھا: یہیں بنداد میں اپنے قصر میں یا
میں پہنچ کر؟ کس نے کی تو؟

ستیدہ نے جواب دیا: جنب میں سے جاؤں گی ہی
نہیں تو وہاں کس طرح سنوں گی، جو کچھ سنانا یا یاد دلانا ہے
یہیں سنا دو یا یہیں بتا دو۔

سلطان نے کہا: میں نے سات دن ستر تیر سے در
نہ میری فرسائی کی سب سے تو نے مجھ سے براہ راست پلٹ نہیں
کی ورنہ تو وہاں سے سلطان خاتون کو ذرا عیب نہ یا کیا یہ عزت افزائی
کی باتیں تھیں؟

ستیدہ نے جواب دیا: میں نے جو کچھ کیا انہوں نے
مدد نہ کیا۔

سلطان نے کہا: اور میں جو کچھ کر رہا ہوں وہاں سے
مدد نہ کر رہا ہوں۔

ستیدہ نے پوچھا: کیا میں جسے ہانسنے سے پہچان کر امیر المومنین
سے منگتی ہوں؟

سلطان جواب دیا: تو بہ روز ہی سلطان سے ملتی رہی ہے۔

اب مل کر کیا کر سہی گی؟

ستیدہ نے اصرار کیا: لیکن میں نے بغیر نہیں ہاؤں گی۔
سلطان نے جواب دیا: میں چند ماہ بعد تجھ کو بدلہ دے
دیں گا۔

ستیدہ کو اپنے باپ کی حیثیت پر بڑا ناز تھا، لیکن...
امیر المومنین مجھ کو یوں نہیں ہانسنے دیں گے۔

سلطان ہنسنے لگا: تو کس امیر المومنین سے بات کر رہی ہے
اگر ان میں اتنی ہی طاقت ہوتی تو وہ اپنی نوجوان بیٹی کو ستر سالہ
بڑے سے کیوں وابستہ کر دیتے؟

ستیدہ کو اپنی محبوبی اور بے بسی کا احساس شدید تر ہو گیا
وہ نے امیر المومنین کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا کہ اس کی
بیٹی کبھی کے برابر ہوں۔

سلطان نے اسے یاد دلایا: اور میری بیٹی یا سلطان
خاتون بھی امیر المومنین کی بیٹی کے برابر ہے۔

ستیدہ لا جواب دیتی جا رہی تھی لیکن میں نے تو سنا
ہے کہ تم نے سلطان خاتون کی شادی اپنی مرضی سے امیر المومنین
سے کر دی تھی؟

سلطان نے جواب دیا: ہاں یہ کام میں نے اپنی
مرضی سے کیا تھا اس طرح میں نے امیر المومنین کے دل اور
عمل میں اپنے لیے جگہ پیدا کی تھی اور اس طرح میں اپنے قصد
میں کامیاب ہو گئی تھی۔

ستیدہ نے کہا: اب تم مجھ کو آزاد کر دو کیوں کہ ہم دونوں
کی عمر کا فرق یوں بھی زیادہ ہو کہ ایک جا نہیں رہے۔
سلطان نے تیوریوں پر ہل ڈالنے اور پوچھا: کیا تو یہ کہتی
ہے کہ میں جلدی مر جاؤں گا تجھ سے بھی پہلے؟ یہ تو کس طرح
کہہ سکتی ہے؟

ستیدہ نے جواب دیا: یہ میں کبھی نہیں کہہ رہی ہوں اور میں کچھ
کہہ رہی ہوں۔ اس سے نفش کا کچھ سمجھیں۔

سلطان نے اس کے لیے مختلف بات چیت سے خوش ہو
کر بڑی عزت دی اور کہا: ستیدہ خاتون! تو نے مجھے بڑی
اذیتیں دی ہیں بڑے دکھ پہنچائے ہیں جب وہ دکھ اور رنج
اذیتیں مجھ کو یاد آتی ہیں تو میں شرب جاتا ہوں اور پیوے۔
ایک انتہائی مذہب پیدا ہو جاتا ہے، جیسے میں ایک آتش فشاں
جیو کہ آتش ہے ایک دھواں ہے۔

ستیدہ سلطان کے سامنے سے ہٹ گئی تو تم بگھتے
ہو کر میں خوش کروں گی تو اسے اپنے دل سے نکال دو۔

سلطان نے ستیدہ کی تازہ ترسائی کی لیکن شکل ابھی
تک نہیں دیکھ سکا تھا اور اب صورت دیکھنے کے لیے

سلطان نے جواب دیا: اگر یہ بات ہے تو میرے ساتھ چل، کیا خلیفہ نے مجھے جاننے کی اجازت دے دی ہے؟ اس نے جواب دیا: میں نے اجازت لی تو نہیں لیکن اب لے لوں گی؟

سلطان کے در میں اضافہ ہو چکا تھا اب وہ کہہ رہے تھے بھی لگا اور سلطان خاتون نے اس سے پوچھا: کیا حبیب بوا لیا جائے؟

سلطان نے جواب دیا: اس کی ابھی ضرورت نہیں۔ حبیب ہوگی میں خود بتا دوں گا۔

وہ زور زور سے کراہ رہا تھا۔

تیسرے پیر تک اس کی حالت اور زیادہ خراب ہو گئی۔ کنیزوں کے ادھر ادھر بھاگنے دوڑنے سے سیدہ نے یہ اندازہ لگایا کہ وہاں کسی قسم کی گڑبڑ ضرور ہے۔ وہ سلطان سے ذرا دور ہو گئی تھی پھر اس نے اور سلطان خاتون کو بھی اپنے آس پاس آتے ہاتھ دیکھا۔ آخر اور سلطان خاتون کو اس نے ہونک لیا اور پوچھا: یہ کیا ہو رہا ہے؟ خیریت تو ہے؟

اور سلطان کہہ دیر سیدہ کو دیکھتی رہی اور پوچھا: تو آپ کچھ نہیں جانتیں؟

سیدہ نے جواب دیا: نہیں، میں کچھ نہیں جانتی، کیا ہوا؟

اور سلطان خاتون نے منہ بنایا، سلطان کی طبیعت بہت خراب ہے۔

سیدہ اور سلطان خاتون کے ساتھ ہی سلطان کو دیکھنے چلی گئی۔ سیدہ کے چہرے پر اس وقت بھی نقاب تھی۔ اور سلطان خاتون نے چہرے کی نقاب نوچ دینا چاہی: اب تو اسے اتار دیں؟

سیدہ نے نقاب کو دوبارہ درست کیا اور منع کیا۔ نیچے ٹھک نہ کر۔

سلطان نے سیدہ کو اپنے قریب کھڑے دیکھا تو اٹھنے کی کوشش کی مگر سیدہ نے اسے منع کر دیا۔ لیکن وہ اب طبیعت کیسی ہے؟

سلطان نے جواب دیا: اب تو آگئی ہے تو بہت جلد اچھا ہو جاؤں گا۔

اور سلطان خاتون نے کہا: میں نے امیر المومنین کو آپ کی عیادت کی خبر کر دی ہے اور وہ پریشان ہیں اور اپنا خاص حبیب آپ کے علاج کے لیے بھیج دیا ہے؟

سلطان نے پوچھا: تو نے امیر المومنین سے سے جاننے کی اجازت حاصل کر لی؟

سبے میں تھا۔ ابو نصر، شہزادہ سلیمان اور اس کی ماں سے جا چکے تھے۔ سلطان بھی سفر کی تیاری کر چکا تھا۔

سیدہ نے کسی کینسر کے ذریعے خلیفہ کو پیغام بھیجا۔ سلطان مجھے مجھے مجھے لے جا رہا ہے آپ اس کو روکیں؟ سلطان کو اس نامزد پیام کی کوئی خبر نہ تھی۔ خلیفہ نے جواب میں منظوری ظاہر کر دی: سلطان نہیں مانگے گا کیوں کہ معاہدے میں مجھے نہ جاننے کی پابندی کا کوئی ذکر نہیں۔ سلطان کا دل کسی قدر سہیا جاتا ہے لیکن اس نے ضرورت سے کام نہیں لیا۔

ابھی یہ لوگ بندہ اسے روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ سلطان کا سر چکرانے لگا، درد نے شدت اختیار کی اور اس تکلیف نے آنکھیں سُرخ کر دیں۔

سلطان کی غلالت کی خبر مشہور ہوئی تو اور سلطان خاتون بھی اپنے چچا کو دیکھنے آئی۔ سلطان بہت پریشان ہو رہا تھا۔ سلطان کے امرا بھی اس کو دیکھنے آئے اور سلطان کو مشورہ دیا کہ فی الحال سفر سے گریز کیا جائے۔

لیکن سلطان ہر کام اپنی مرضی سے کرنا تھا اس نے مزید روکنے سے انکار کر دیا۔

اور سلطان خاتون نے ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی تو بھی آپ کے ساتھ چلوں گی؟

سلطان سے آنکھیں نہیں کھولی جا رہی تھیں اور ہر بات جو کان میں پڑ رہی تھی ناگوار بلکہ گراں گذر رہی تھی۔ سلطان کو اور سلطان خاتون کی باتیں بھی گراں گذر رہی تھیں مگر اس نے ضبط سے کام لیا اور اس ضبط و برداشت کی کوشش میں اس کا دل ڈوبنے لگا۔ آہستہ سے پوچھا: کیا بات ہے۔ اور سلطان خاتون؟ خیریت تو ہے؟

اور سلطان خاتون ان حالات میں اپنے چچا کو کچھ بھی نہیں بتانا چاہتی تھی، جواب دیا: میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ کوئی خاص بات نہیں۔

سلطان نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا: تو مت گھبرا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، اک ذرا میں ٹھیک ہو جاؤں سب کچھ ٹھیک کر دوں گا۔

اور سلطان خاتون پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی: سیدہ کی شادی کے بعد میں امیر المومنین کی نظروں سے گر گئی اس لیے اب میں قعر غلالت میں نہیں رہوں گی۔

اس سلطان خاتون نے سیدہ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا: امیر المومنین نے ساتھ باسنے کی اجازت سے دیکھا ہے سلطان نے سیدہ کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا: تو بھی امیر المومنین سے ملاقات کر لے۔

سیدہ نے جواب دیا: میں اب میں امیر المومنین سے چند ماہ بعد ہی ملوں گی۔ مجھے میں چند ماہ رہ کر سلطان کی آنکھوں کے پاس کی نہیں بچٹی جا رہی تھیں۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ گراہ نہیں سکتا تھا۔

خداوند کا حبیب خاص جو ایک یودی تھا سلطان کا چھوٹا بھائی دیکھتا رہا اور مرض فشا و خون تجویز کیا۔ اس نے سلطان کو مشورہ دیا کہ اس شدید گرم موسم میں وہ رستے کا سفر نہ کرے تو بہتر ہے۔

لیکن سلطان نے حبیب کا مشورہ نہیں مانا اور کہا: "تو دوامیں تجویز کر رہے ہیں کیا مانا ہوا چلا جاؤں گا؟" حبیب نے دعا میں تجویز کر دیں اور سلطان نے انھیں ساتھ لے کر سفر شروع کر دیا۔

اس سفر میں سرنگ سارنگین نے سلطان کا سب سے زیادہ قرب حاصل کیا، پس یہ خمارنگین کا نائب تھا لیکن خمارنگین کے قتل کر دینے کے بعد خمارنگین کا مرتبہ اسے حاصل ہو گیا۔ سلطان اسے ہر وقت اپنے قریب رکھتا تھا۔

ابھی یہ لوگ دو منزل گئے ہوں گے کہ گرمی نے سلطان کو پریشان کر دیا۔ اس کو حبیب کا مشورہ قبول نہ کر سنے کا بغور ہو رہا تھا۔

سلطان نے دوسری منزل میں قیام کیا اور اپنے خیمے کو ذرا بندی پر درختوں کے سائے میں نصب کرایا۔ سیدہ اور سلطان خاتون کے ساتھ سلطان کو اس کے خیمے میں دیکھنے گئی اور اس کی مذاق پر سی کی۔

سلطان سفارہ مذاق جواب دیا: سیدہ خاتون! اگر تو سنبیلے ہی میرا خیال رکھا ہوتا تو آج میں تیار نہ ہوتا۔ سیدہ نے جواب دیا: میں اسے بندہ سے کی پابند ہوں جو ابو خرا اور امیر المومنین کے ماہرین طے پایا تھا۔

اسلام خاتون نے اپنے چچا کی توہین شروع کر دی۔ "اتنا شریف انسان! و منہ دار و بہادر، مکتبہ اور دروازہ انسان! بعد کی اور جیت بھی جہ کو نہیں دے گا۔"

سیدہ نے جواب دیا: مجھ سے ساتھ ہونا پڑی ہوئی ہے میں اسے کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ سلطان نے کہا: "تو جس جہل نئی تمہارا نہیں دیکھ"۔

ہی ہیں؟

سیدہ کچھ در سلطان کے پاس کھڑی رہی اس کے بعد واپس چلی آئی۔

خیمے کے سامنے ذرا فاصلے پر خانہ بدوشوں نے اپنے روتھ کے ساتھ پراؤ ڈال رکھا تھا، سلطان نے حکم دیا: خیمے کا درگاہ رکھا جائے۔ خانہ بدوشوں اور ان کے روتھ کا فاصلہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

سلطان نے اپنے اس پاس کا جائزہ لیا وہ اسے سرنگ سارنگین کے سوا کوئی بھی نہ تھا سلطان نے سارنگین سے کہا: تو یہ دیکھ رہا ہے یہ خانہ بدوش ہیں ان کے مویشیوں کے غیموں کے اس پاس میں ان کے مویشیوں کا روتھ جنگلی میں مشغول تھا، بکریاں، بھیڑ اور دوسرے۔

سلطان کو یہ منظر بہت عجیب لگا رہا تھا، اس کا ماضی اس میں موجود تھا کبھی وہ بھی اپنے مویشیوں کو اسی طرح دیکھا ہوا پھرتا تھا۔ مویشیوں کی مخصوص بسانہ فضا میں رہی ہی تھی۔ سلطان نے ایک بار پھر کہا: اس منظر کو دیکھ کیا خوب نظر آ رہا ہے؟

سارنگین کو شبہ گزرا کہ شاید سلطان کو یہ لوگ اپنے نہیں لگ رہے۔ پھر چلا گیا ان لوگوں کو یہاں سے بھٹا دیا جائے؟ سلطان نے جواب دیا: نہیں مجھے یہ لوگ اور ان کے مویشی اپنے لگ رہے ہیں، میں ان کو قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں؟

سارنگین نے پوچھا: کیا گھوڑا لایا جائے؟ سلطان نے جواب دیا: ان میں خیمے قریب سے دیکھا چاہتا ہوں؟

لیکن سارنگین کو سلطان کی بیماری کا خیال تھا اور وہ سلطان کو کسی پریشانی میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ سلطان نے سارنگین کو فکر مند دیکھا تو پوچھا: کیا بات ہے؟ تو کیا سوچ رہا ہے؟

سارنگین نے جواب دیا: میں سوچ رہا تھا کہ کیا سلطان ان خانہ بدوشوں اور مویشیوں کو قریب سے دیکھیں گے؟ سلطان اٹھ کر بیٹھ گیا: میرا گھوڑا ہے اور تو بھی میرے ساتھ چل۔

سارنگین نے عرض کیا: اور کھ میری ناچیز رستہ میں سلطان کا دل تنہا جائے کسی طور مناسب نہیں لپٹے ساتھ چار سو سپاہیوں کا جانا بھی ضروری ہے؟

سلطان نے اجازت دے دی۔ درست جیسے ساتھ لپکے جانا چاہتا ہوں ساتھ لے چلو۔

سارنگین وہاں سے چلا گیا اور ایک ساعت کے اندر ہی وہ اپنے دو گھوڑوں اور دو سواروں کے ساتھ خیمے کے در پر آگیا۔ سلطان ان کا بے عینی سے انتظار کر رہا تھا۔

سارنگین نے سلطان کو سہارا دینا چاہا لیکن سلطان نے دونوں کمینوں کے اشارے سے انہیں روک دیا۔ پھر سلطان اور سارنگین ایک ساتھ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

سلطان نے سارنگین سے پوچھا: ہماری اس بے اثر بھاڑ کو دیکھ کر کیا وہ لوگ پریشان نہیں ہو جائیں گے؟

سارنگین نے جواب دیا: اگر آپ اجازت دیں تو میں ان خانہ بدوشوں کو آپ کی طرف سے عرض و غایت بتاؤں گا؟ سلطان نے پوچھا: تو کیا عرض و غایت بتانے کا ہے؟

سارنگین نے سادہ لوحی سے عرض کر دیا: یہ ہمارا اہلکار نسب بھی خانہ بدوشوں سے مل جاتا ہے اور ہم اپنے مامی کی پادشاهان کو اس کے لیے چند ساتھیوں ان کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں۔

سلطان نے اجازت دے دی: بہت مناسب تجویز ہے میری۔ اب تو بھائی آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھتا ہوں گا۔

سارنگین اپنے گھوڑے سے اتر کر اس طرح ہنسا ہنسا کر خانہ بدوشوں میں پہنچ گیا اور ان کو اپنی آمد کی عرض و غایت سے مطلع کر دیا۔

خانہ بدوش پہلے حد خوش ہوئے کہ انہی جیسا انسان اپنے خشم و خمد کے ساتھ ان سے ملاقات کر سنے والا ہے۔

سلطان نے سارنگین کی دلیلی سے پہلے ہی خانہ بدوشوں کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ سلطان سمجھ گیا کہ وہ لوگ اس کی پیشوائی کی خاطر آگے بڑھ رہے ہیں۔

سارنگین سلطان کے پاس واپس آگیا اور بتایا خانہ بدوش آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے گئے۔

سلطان کو اس کے سپاہیوں نے درمیان میں لینا چاہا لیکن سلطان نے منع کر دیا۔

خانہ بدوشوں کے عمر رسیدہ سرور نے آگے بڑھ کر سلطان کی رکاب کو بوسہ دیا اور اپنی خوش قسمتی پر فخر کیا۔

سلطان کی نگاہیں انہیں دھندلا دھندلا سا دیکھ رہی تھیں۔ وہ اپنے دکھوں کا کسی پرانہ رشتہ نہیں کر رہا تھا۔

خانہ بدوشوں کی عورتیں اور بچے بھی اپنے اپنے خیموں سے نکل کر سلطان اور اس کے سپاہیوں کو دیکھ رہے تھے۔

دس گیارہ سالہ ایک لڑکا سلطان کے لیے ایک بڑے

پالنے میں بھیڑ کا دودھ بھرا لایا اور سلطان سے درخواست کی کہ اسے بی کر مزید شکر گزار فرمایا جائے۔

سپاہیوں میں سلطان کا ایک حبیب بھی موجود تھا۔ سلطان نے اس کی طرف دیکھا۔

حبیب نے آگے بڑھ کر دودھ کا پیالہ سلطان کے ہاتھ سے لینا چاہا اور کہا: جناب والا! آپ یہ دودھ ہرگز نہیں کاؤں نہ نقصان اٹھائیں گے۔

خانہ بدوش لڑکے کا چہرہ اتر گیا بڑھا سوار بھی کمیا یا ہوا نظر آ رہا تھا۔

سلطان انہیں حبیب سی نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر گھوڑے سے اتر کر دودھ کا پیالہ لڑکے کے ہاتھ سے لے کر غصہ بڑھا گیا اور اپنے ہاتھ کی آستین سے منہ پونچھ ڈالا۔

حبیب نے تشویش ظاہر کی: یہ مناسب نہیں ہوا۔ سلطان نے جواب دیا: اس میں شفا ہے۔

حبیب نے درخواست کی: حضور پر والا! آپ اپنی قوم کی مانت میں اور آپ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی بھی طرح خود کو نقصان پہنچائیں۔

سلطان نے جواب دیا: یہ بالکل اپنے جیسے لوگ ہیں خود کو ان کے درمیان دیکھ کر مجھے خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ اس لیے اسے حبیب! تو اس خوشی سے مجھے محروم نہ کر۔

بڑھا سوار اور اس کے لگام پکڑ کے سلطان کے ساتھ چلنے لگا۔ سلطان کے سپاہیوں نے بھی سلطان کا ساتھ دینا چاہا لیکن سلطان نے ان سب کو منع کر دیا اور کہا: ملنگین اور حبیب میرے ساتھ رہیں گے۔ تم لوگ یہیں ٹھہراؤ اور انتظار کرو۔

بڑھا سوار اور اس کے بچے ساتھی سلطان کے ساتھ چلنے لگے۔ ساتھی خانہ بدوش عورتیں بولشیوں کا دودھ دے رہی تھیں۔

سلطان انہیں بڑے اطمینان سے کچھ دیر دیکھتا رہا۔ اس کو اپنا وہ زمانہ یاد آ رہا تھا جب اس کے قبیلے کی عورتیں اسی طرح بولشیوں کا دودھ دے کر رہتی تھیں۔

ایک طرف کچھ عورتیں ریتیں بٹاتے تھیں اسی طرح تیسری جگہ عورتیں بولشیوں کو دانا گھاس کھلا رہی تھیں۔

سلطان ہر جگہ کچھ دیر ٹھہرتا اور غور سے دیکھ کر کہہ کر بڑھ جاتا۔

ایک جگہ چند خانہ بدوش بچہڑوں کا اعلان تار رہے

سازتگین سلطان کی باتوں کو فصول اور سب سے معنی سمجھ رہا تھا جواب دیا: میری کوتاہ عقل ان باریکیوں کو سمجھنے سے قاصر ہے:

سلطان نے جواب دیا: یہ اُون اُتری بھیڑی ہیں جب ان کا اُنک اُتارا جا رہا تھا تو ذبح کیے جانے کے وہم میں گرفتار مزاحمت کر رہی تھیں لیکن جب یہ ذبح ہونے سے بچ گئیں اور ان کو دوبارہ ذبح کرنے کی خبر سے سزا میں پرگرا دیا گیا تو یہ اس مصیبت کو بھی اُنک اُتارنے والی مصیبت سمجھ کر مطمئن اور خوش ہو گئیں:

سلطان خاموش ہو گیا اور سازتگین سوچنے لگا کہ سلطان اس طرح کتنا کیا چاہتا ہے آخر؟

سلطان کو اچانک یہ احساس ہوا کہ اس کی بات بھی نہیں بھاری تو اس نے ان سب کو سمجھانے کی کوشش کی۔ بالکل ان بھیڑیوں کی طرح جب میں بیماری سے نجات حاصل کر کے صحت یاب ہو جاؤں گا اور کسی موت کی بیماری میں مبتلا ہو جاؤں گا تو ساقی بھاری کی روشنی میں یہ سوچ کر پُرسکون اور مطمئن ہو جاؤں گا کہ صحت یابی تو لازمی ہے۔ شاید وہی بیماری مرض موت ثابت ہو اور اس طرح ان جانے میں میری موت واقع ہو جائے گی:

سازتگین کا یہ شبہ یقین میں بدل گیا کہ سلطان کسی نہ کسی حد تک پاگل ضرور ہو چکا ہے۔

سلطان کو احساس ہو رہا تھا کہ سازتگین اس کی باتیں نہیں سمجھ رہا ہے اس نے سردار بھڑکے چلا کاش کہ آج اب انصاف سازتگین کی طرح میرے قریب ہوتا تو وہ میری ہر بات سمجھ جاتا لیکن یہ سازتگین۔ اس کو جس لطیف ترجمہ کر بھی نہیں گئی:

سلطان نے خانہ بدوش عورتوں کو کھانا پکانے دیکھا تو ایک بار بھڑاس کو اُٹھاتا مٹی بڑی طرح یاد آئے لگا۔ اس کی عمدہ مزہ بھی اسی طرح کی تپک یا کٹی تھیں۔

سلطان نے خانہ بدوش سردار سے کہا: میں تھک گیا ہوں، ذرا آرام کرنا چاہتا ہوں:

سازتگین نے عرض کیا: اگر آپ پسند فرمائیں تو نیچ کر چنی فرج اور اپنے لوگوں میں واپس ملے چلوں:

سلطان نے جواب دیا: نہیں، میں تھوٹا سا دھک میں ان خانہ بدوشوں میں گزارنا چاہتا ہوں:

خانہ بدوش سردار نے سازتگین کو منع کیا: تو ان معاملات میں نہ چڑھو۔ سلطان کو ہمارے درمیان آرام کرنے دے:

بڑے عاشقان کے لیے ایک خیمے میں قیام اور آرام کی خاطر نہ دست کر کے جایا گیا۔ سازتگین نے عرض کیا: ہر

تھکے اور بھیڑی سخت مزاحمت کر رہی تھیں یہ سلطان کو خوب معلوم تھا کہ بھیڑی مزاحمت کیوں کر رہی ہیں۔ سازتگین نے عرض کیا: جناب والا! بھیڑیوں کو خبیث ہے کہ انہیں ذبح کیا جائے گا اور جان بچانے کے خیال سے وہ مزاحمت میں مشغول ہیں:

سلطان نے جواب دیا: یہی حال انسانوں کا ہے۔ میں اپنے دل میں کچھ اسی قسم کے احساسات رکھتا ہوں۔ میں بیمار ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ میرا وقت اچکا ہے اور میں مزاجاً گا، مچھے مار دیا جائے گا:

سلطان بھرکچھ کہہ رہا تھا سازتگین اس سے نہ بیان سمجھ رہا تھا کیوں کہ ایسی بے سرو پا باتیں کیفیت نہ بیان ہی میں کی جا سکتی ہیں۔

خانہ بدوشوں کا سردار سلطان کو وہاں لے گیا جہاں سلطان کی ضیانت کی خاطر بھیڑی ذبح کی جا رہی تھیں۔ سلطان کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہاں بھیڑی کسی قسم کی مزاحمت نہیں کر رہی تھیں اُنک کے گلوں پر چھریاں بے تکلفی اور کساتی سے پھیری جا رہی تھیں۔ سلطان اس منظر کو نہایت اٹھاک اور توجہ سے دیکھتا رہا۔

کچھ دیر بعد پوچھا: یہ اتنے بہت سارے جانور کیوں ذبح کیے جا رہے ہیں؟

عمر رسیدہ سردار نے جواب دیا: آپ کے لیے، آپ کے سپاہیوں کے لیے:

سلطان نے جواب دیا: اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے دو سو سپاہیوں کے لیے تم لوگ کیوں زحمت کرو؟ سردار نے اصرار کیا: یہ ہماری روایات کا ایک حصہ ہیں۔ آپ اپنی ضیانت کے اعزاز سے محروم نہ کریں:

سلطان نے اپنی مجبوری کا ذکر کیا: میں یہاں زیادہ دیر کے لیے نہیں آیا، جلد ہی واپس چلا جاؤں گا اس لیے اتنا بہتنام بے کار ہے:

بڑے سردار نے کہا: ضیانت قبول نہ کرنے میں ہماری بے عزتی ہے:

سلطان نے جواب دیا: تب پھر تو میرے سپاہیوں کی ضیانت کر دے اور مجھے معاف کر دے:

سردار خاموش ہو گیا۔ سلطان ذبح ہوتی ہوئی بھڑک کر مڑی تو جیسے دیکھ رہا تھا مطمئن اور سکون سے ذبح ہوتی ہوئی بھیڑی۔

سلطان نے سازتگین سے پوچھا: کیا تو بتا سکتا ہے کہ ان بھیڑیوں کے مقابلے میں یہ مطمئن اور پرسکون کیوں ہیں؟

سلطان نامیں کتابی کم عقل اور بے وقوف سی لیکن میں آپ کو یہاں قیام اور آرام نہیں کرنے دلا گیا۔

سلطان نے پوچھا وہ کیوں؟ اس کی کوئی خاص وجہ؟
سارنگین نے جواب دیا: آپ اپنی فوج اور اپنے لوگوں میں واپس چلیں۔ ان خانہ بدوشوں کا کوئی بھروسہ نہیں کسی لالچ میں آپ کو قاتل دیکھ کر کوئی نقصان پہنچاویں۔

سلطان نے بے پروائی سے کہا: یہ کیا نقصان پہنچاؤ گے مجھے۔

بڑھا سردار واپس آگیا اور سلطان کو اپنے خیمے میں لے گیا۔ اس خیمے کو خاص کر سلطان کے لیے نصب کیا گیا تھا۔

سلطان کسی قاتل اور تشویش کے بغیر منہ کوٹ خیمے میں داخل ہو گیا اس میں سلطان کے شاہین شان تو سامان نہیں تھا ایک بزرگچہ تھا وہ صاف ستھرا ہنر مند تھا۔

بڑھے سردار نے لیٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: آپ حبیب ملک جا رہے ہیں آپ کو ہر سولت دینا کر دیں گے۔

سلطان بے اختیار بستر پر گر گیا۔ سارنگین کو مستقل حالت تشویش میں رکھا ہمارا تھکوان سلطان کو بالکل تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا اور ان خیموں میں زیادہ دیر گزارنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ سلطان کے قریب ہی بیٹھ گیا سلطان آنکھیں کھولے خیمے کی چھت کو دیکھ رہا تھا۔ سارنگین نے آہستہ سے پوچھا: آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

سلطان نے کوئی جواب نہیں دیا۔
سارنگین نے خانہ بدوش سردار سے کہا: میرا خیال ہے سلطان پر مکان نے غلبہ پالیا ہے براہ کرم ہمارے دین سپاہیوں کو بلوا دیا جائے۔

بڑھا سردار خیمے سے نکل گیا اور کچھ دیر بعد اپنے ہی تین جوانوں کو لے کر آگیا اور سارنگین سے کہا: یہ اپنے قبیلے کے جوان ہیں ان سے جو کام چاہو لیتے رہو۔

سارنگین نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا: میں اپنے سپاہیوں سے کچھ کام لینا چاہتا ہوں ان کو بلوا دے یہ میرے کیا کام آئیں گے؟

تینوں جوانوں سلطان کا بازو لینے لگے۔ بڑھا سردار خیمے سے باہر نکل گیا۔

سارنگین نے تینوں جوانوں سے کہا: تم بھی جا سکتے ہو۔ ایک جوان نے کہا: ہمیں یہاں ہمارا سردار لایا تھا اور ہم اسی کے حکم سے واپس بھی جاتے گے۔

سلطان بہ طور چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سارنگین نے سلطان سے پوچھا: کیا آپ میری باتیں، میری آواز سن رہے ہیں؟
سلطان نے سر کو ذرا سی جنبش دی اور سارنگین کی طرف دیکھتے ہوئے ثبات میں سر ہلادیا۔

سارنگین نے عرض کیا: میں آپ کی آواز سننا چاہتا ہوں۔ آپ بولتے کیوں نہیں؟

سلطان نے اپنے سر پر ہتھ رکھ کر انگشت شہادت کو جگر میں گھمانا شروع کر دیا۔ شاید سلطان کا سر چکر رہا تھا۔

ایک سارنگین کو احساس ہوا کہ حبیب وہاں نہیں ہے۔ یہ کہاں چلا گیا؟ اس نے سوچا۔

تینوں جوانوں سلطان کو بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ شاید وہ اس مشہور زمانہ ہستی کو اپنے درمیان دیکھ کر حیرت زدہ تھے۔

سارنگین نے خطرہ مول لیا اور حبیب کی تلاش میں باہر چلا گیا۔ حبیب وہاں کھڑا تھا جہاں سلطان کی ضیافت کا کھانا تیار ہو چکا تھا۔

سارنگین نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہاں کیا کر رہا ہے تو؟ وہاں سلطان خیمے میں بے دم اور بے مددھ پڑا ہے۔

حبیب نے جواب دیا: میری یہاں موجودگی بھی بے مددھ ضروری ہے۔ کھانے میں کیوں؟

سارنگین نے کہا: میں جانتا ہوں کہ سلطان یہاں کا کھانا نہیں کھائے گا پھر کھانے کی ٹرائی کے کیا معنی؟

حبیب نے پوچھا: کیا سلطان کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی ہے؟

سارنگین نے جواب دیا: ہاں، شاید سلطان کا سر چکر رہا ہے۔

حبیب اور سارنگین حبیب سلطان کے خیمے میں داخل ہوئے تو تینوں جوانوں کی اس حال میں دیکھا کہ وہ سلطان پر جھکے ہوئے اس کے گلے میں پڑے ہوئے قیمتی ہار کا ہار لے رہے تھے۔

سارنگین نے اپنی تلوار نیا مہ سے باہر نکال لی۔ سلطان پر جھکے کیا کر رہے ہو؟ چلے جاؤ یہاں سے۔ دفن ہو جاؤ؟

تینوں جوان بھی برہم ہوئے۔ پوچھا: یہ تلوار کس کے لیے نیا مہ سے باہر آئی ہے؟

سارنگین نے جواب دیا: ان کے لیے جن کی میتوں میں دفن کیا جا رہا ہے۔

تینوں جوان ہست فستے میں تھے لیکن وہ خالی ہاتھ تھے۔

اس لیے سارے تگین سے تلخ کلامی نہیں کی۔ ترش ہنسے میں کہا: تو نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا ہے۔

استخفی میں بڑھا سہرا رہی پارسیا ہیوں کے ساتھ خیمے میں
دہل جو ادریاں جو منتظر دیکھا اس سے مجھرا گیا۔

سدا تخمین کے ہاتھ میں برہنہ ہوا رہتی اور قبیلے کے مینوں
نوجوان غشتے اور اشتعال کی حالت میں خیمے سے نکلی کر باہر
جہاں رہتے تھے۔

چاروں سپاہیوں نے نیچے میں داخل ہوتے ہی سلطان کو سلام کیا اور پوچھا: ”اب کیسی ہے آپ کی طبیعت؟“

ساتھ سے گزرتا ہوں اور میں جواب دیتا ہوں، میں میرا
جو بھی اندر موجود تھا ایک دوسرے سے کھینچ لیتا۔

ساتھ لیکن نے کہا : سلطان کی جمیعت کو زیادہ خراب نہیں ہے۔ اپنے شیخے میں سلطان کو زیادہ آرام ہے گا اس لیے

ن کو یہاں سے لے عید جلسے!"

لیکن طبیب اور سپاہی سلطان کی مرضی کے خلاف
کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتے تھے۔ طبیب نے کہا: یہ تو تم کہہ

روپے ہوا اس سلسلے میں سلطان کا کیا حکم ہے ؟
ساترچین نے جواب دیا : سلطان کی کج حالت ہے مہم

سب کے سامنے بنے میرے خیال میں سلطنت کی اس حالت کا دوروں کو غم نہیں ہوتا چاہیے۔ اگر سلطنت اپنے ہوش و حواس

میں ہوتے تو خود حکم دیتے لیکن ان حالات میں ہمیں خود ہی قدم اٹھانا ہوں گے۔

ان لوگوں نے دیکھا اب سلطان نے اپنی آنکھیں بھی
بند کر لی تھیں۔

خانہ بدوش بوڑھا ان کی باتیں سن رہا تھا اور کچھ سوچ رہا تھا۔ ساتھ چھین کو خانہ بدوش سردار کی نیت پر شبہ ہو رہا تھا۔

اس نے سیاہیوں سے کہا: تم لوگ یہیں موجود رہو، اس وقت تک جب تک میں واپس نہ آؤں۔

سارے چین فرما سکی ویر میں سلطان کے تہہ نیا ہیوں کو
سلطان کے پاس سے آیا، در طلبیب سے کہات یہ ہم سلطان

کویاں سے ملے جائیں گے۔"

خاندانِ روشن سرور نے کہا: "تو نے میرے منِ خلص

لو جو اہول پر چوری کا شبہ کیا اور ہم سب کی فیتوں پر شبہ کر رہا
 تھا تو ان دنوں یہ سب سے زیادہ

سارے تین سہ ماہیوں کو کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے آدمیوں سے کہا کہ یہاں کو بعد از بعد اپنے قافلے میں یہ چھوٹے چھوٹے کشتیوں کو لے کر آتے ہیں۔

خاندانِ پورس میرپور کی کارستانی روک کر کھتر اچھوڑ دیا۔
تم لوگوں کو اس تاجِ توغ نہیں مہاںستہ دل پائی

سائیکین نے پوچھا: "پھر تو کس طرح جانتے ہو گے گا؟"
 سردار نے جواب دیا: "تم لوگوں نے ہم پر شہ کر کے بدوی

تذلیس کی ہے۔ ہم نے بحیرہ رومی ذبیح نہیں اور تمہاری حنیافت کا
استقام کیا، لیکن تم چہاری حنیافت کو بھی ٹھکرا رہے ہو اب تو ہم

تم سے تاوان وصول کرے گا۔

تاوان کیسے تاوان ہے؟

خانہ بدوش سر دار سے جواب دیا کہ یہ بھیڑیہ جو تیرے

کر دی گئیں، تمہا سے باپ دادا کی ہتھیں،
ساتر تین سنے پر بھاء اور موات میں ہمیں، دنیا یا بھوکہ؟

لوٹتے ہوئے سواروں نے جواب دیا: ”بھیس ہزار دینار“
سارنگین نے ہنستے ہوئے کہا: ”اے بھیس ہزار“

دنیار یا کچھ اور بھی؟“

پوچھا سرور رات، پیسے لگاؤ میرا مذاق شاعر اور نہ

میں...؟
سارنگین نے بے لوجھاؤ درنہ تو بھ کیا کرے گا درنہ تو ہے۔

بوجہ تخریب کر دینا یہ حد نہ میں وہ کروں گا کہ جو جسے گنا
حیرت یک طرح سے گنا

ساترچین مسکرائے جا رہا تھا کیوں کہ وہ بالکل مطمئن
تھا کہ دوسرے شیر بچھڑ جائیں اس وقت بھی سلطان کی مخالفت

کے لیے موجود ہیں جو ختمِ زمان میں بوڑھے کے ٹکڑے آزادی کے
بوڑھے سردار نے پوچھا: تم بچپن بڑا دینار ادا کرتے ہو

یامک گردن اپنی کارروائی ہے۔
سازگین نے طیب سے کہا: سلطان کو اس کے چھوٹے

پہنچا اور وہ سراسر طاقت ور شخص سلطان کے ساتھ ہی بیٹھ جائے
اس طرح سلطان باستانی انہوں میں پہنچ جائے گا۔

بوترھے سردار نے ان کو لکھا راز میں جو کچھ کہہ رہا ہوں
 پیسے وہ کرو، پچیس ہزار دینا، وہی کو حاصل کیے بغیر میں تم

ساتھ لیکن سنہ سپاہیوں کی مدد سے سلطان کو ایک

خالی گھوڑے پر چلنے کی کوشش کی لیکن بوڑھے سردار نے گھوڑے کو چابک مار کر جھکا دینے کی کوشش کی۔

ایک سیاہی نے اس کا یا کب اس سے تحقیق کیا۔
 بڑے سے سوار نے پیچھنا چلا تا آخر روک کر دیا۔

مذہب میں سے بڑھتے سے کہا: تو شرافت کے ماہر ہیں
 روکر بات کیوں نہیں کرتا؟

نہم پیچھے ہٹ گیا اس کو رستے بڑا خوفناک لڑو کہا یا۔

آس پاس کے سیوں سے مسلح نوجوان نمودار ہونے لگے۔
یہ سوچا جس سے ہزاروں کی شکل اختیار کریں گے۔

ساتھ تین اور سپاہیوں کے حواس ہی جلتے رہے
ساتھ تین تہ کہ "او بڑھتے شیطاں تو نے ہم سے دھوکا
کیا ہے"

پھر مسکرا رہے تھے: سلطان کو ساری تحریکیں میں دسے
دور اور پھر ہزاروں دیکھ کر کے سلطان کو سہلے جانے

ساتھ تین اور سپاہیوں پریشان تھے وہ خانہ بدوشوں
میں بڑی طرح گہرے تھے۔

ساتھ تین انگلیں گول دینے پر پشیمان ہو کر
دیکھ کر حیران رہ گئے۔ یہ کون سا کونسا دیکھتا ہے؟

پھر وہی خانہ بدوش بدلتا بدلتا گول کی موت کیوں
یہ ہی بات کہ جب یوں تیرے ساتھ رہے سلطان کو ہار کی گولی

میں سے دو گولیاں تیرے زور سے مار گئی تھیں وہ تیرے
ساتھ تین اور سپاہیوں کے ساتھ تھے۔ انہوں نے ہوش

انسان کا حوصلہ بڑھ گیا۔
سلطان نے ساتھ تین سے پوچھا: "کیا یہ سب تیرے بڑے

سردار ہیں؟"
ساتھ تین نے پوچھی: "تو کونسا خانہ بدوش ہے؟"

گولیوں کے ساتھ ساتھ سلطان نے پوچھا: "تو کونسا خانہ بدوش ہے؟"

سلطان نے پوچھا: "تو کونسا خانہ بدوش ہے؟"

سلطان نے پوچھا: "تو کونسا خانہ بدوش ہے؟"

سلطان نے پوچھا: "تو کونسا خانہ بدوش ہے؟"

سلطان نے پوچھا: "تو کونسا خانہ بدوش ہے؟"

سلطان نے پوچھا: "تو کونسا خانہ بدوش ہے؟"

سلطان نے پوچھا: "تو کونسا خانہ بدوش ہے؟"

سلطان نے پوچھا: "تو کونسا خانہ بدوش ہے؟"

سلطان نے پوچھا: "تو کونسا خانہ بدوش ہے؟"

سلطان نے پوچھا: "تو کونسا خانہ بدوش ہے؟"

دن میں نقارہ یا ڈھول بجا کر اس پاس خبر کر دی جاتی تھی کہ
مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ ورنہ دشمن قریب آچکا ہے۔

سلطان نے دیدبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
ساتھ تین کو حکم دیا: "چند سپاہیوں کو لے کر دیدبان پر چڑھ جاؤ"

وہاں نقارہ یا ڈھول جو بھی موجود ہو اسے زور زور سے بجانا
شروع کر دے۔ جب میری فوج کے لوگ یہ آواز سنیں گے

تو خطرے کا احساس کر کے خانہ بدوشوں پر بیخود کر دیں گے
وہ چشم بزدل میں انہیں کاٹ کر رکھ دیں گے۔

ساتھ تین تین سپاہیوں کو ساتھ لے کر دیدبان پر چڑھ
کیا انہوں نے ڈھول پٹینا شروع کر دیا۔

اس اچانک آواز نے خانہ بدوش سردار کو بھی دھلا کے
رکھ دیا۔ اس کا خواب چٹا چٹا ہو چکا تھا۔ اس کے نوجوان اب

سپینہ قصبہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔
سلطان کی فوج ڈھول کی آواز سن کر حرکت میں آگئی۔

اور وہ ٹھوڑوں پر سوار ہو کر خانہ بدوشوں پر ٹوٹ پڑے۔
دوسرے سلطان نے حملے کا حکم دے دیا اور یہ لوگ

بھی ہار کاٹ میں مشغول ہو گئے۔
خانہ بدوشوں میں چل پھل مچ گیا۔ عورتیں اور بچے تیزی سے

گھومنے لگے۔ خانہ بدوش سردار سے پوچھ رہی تھیں: "سردار!
یہ کونسا خانہ بدوش ہے؟"

خانہ بدوش سردار نے اعلان کر دیا: "سلطان محترم! میرے
آدمیوں کو خوف کر دیں۔ میں خود کو آپ کے حوالے کرتا ہوں۔"

سلطان نے ساتھ تین کو حکم دیا: "اس بوڑھے کو قید کر لے
اور ان نوجوانوں کو بھی جو سرکشی، غرور پر آمادہ ہوں۔"

ساتھ تین بوڑھے سردار کی طرف بڑھا اور اسے متا کر
کے قید کر دیا۔ چند نوجوانوں نے اسے بھیج دیا۔ بوڑھے سردار کی

نزدکاری سے باز رکھنا چاہا۔ انہیں زخمی کر کے گرفتار کر
لیا گیا۔

اس وقت سے جتنی جلدی سراٹھایا تھا اتنی ہی جلدی
اسے کچل دیا گیا۔

اب سلطان میں با آبی پھرتی اور جیتی آچکی تھی وہ ہمارے
معلوم ہی نہ ہوتا تھا وہ بوڑھے سردار سمیت ڈیڑھ سو میل

کے ساتھ اپنی فوج سے مل گیا اور پھر یہ لوگ اپنے خیموں کی
بستی میں چلے گئے۔ فوج کا ہر آدمی یہ جانتا تھا کہ ایسا کیوں

ہوا؟ اور سلطان یا اس کے آدمی ہزاروں سو روپے کو فروا
ساری تفصیل کس طرح جلتے تھے لیکن زبان میں اپنا فرض انجام

دے رہی تھیں اور جس کو جو کچھ معلوم تھا اس سے زیادہ جتنے
میں مشغول تھا۔

سلطان حیران تھا اور اپنی عقل پر افسوس کر رہا تھا کہ اس نے خانہ بدوشوں پر اعتماد کیوں کیا؟
ارسلان خاتون نے اپنے چچا کو مبارکباد دی کہ وہ ان خطرناک اور بد بخت لمحوں کو شکست دینے میں کامیاب رہا تھا۔

سلطان نے سستیدہ کی خیریت معلوم کی تو ارسلان خاتون نے بتایا کہ سستیدہ کا خیال ہے کہ سلطان کو تین ریت سننے مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس میں سستیدہ کی بد دعاؤں کا ہاتھ ہے۔ سلطان سستیدہ کو دکھ پہنچا کر کبھی خوش نہیں رہے گا۔ سلطان کو سستیدہ پر غصہ بھی آیا اور دکھ بھی ہوا۔۔۔۔۔
کریم بد بخت نوجوان عورت اس کے بارے میں اس طرح سوچ رہی ہے۔

سلطان کے غیموں سے ذرا قاصدے پر خانہ بدوشوں کی عورتیں اور بچے جمع ہو رہے تھے۔ وہ اجتماعی طور سے اپنے بوڑھے سردار اور ڈیڑھ سو اسیروں کے لیے رو دھو رہے تھے۔ سلطان کی فوج کا خیال تھا کہ ان کو مار مار کر وہاں سے بھگا دیا جائے لیکن سلطان نے فوج کو ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

سارنگین کے دل میں ان کے لیے ذرا سا بھی رحم کا جذبہ نہ تھا۔ اس نے سلطان کو درغلا یا۔ ان لوگوں نے آپ کے ساتھ ہم سب کے ساتھ کتنا برا سلوک کیا تھا؟
سلطان نے بھی اس کی تائید کی اور کہا: انہوں نے اپنے ہانوں کو دھوکا دیا اور ان سے دولت کمانا پاپا ہی بیان کا بدترین جرم ہے لیکن اس کے باوجود تو یہ کیوں نہیں سوچتا کہ یہ خانہ بدوش ہیں اور پہلے ہم بھی یہی تھے اس کی کچھ رعایت تو ان کو مہنی ہی پاسبی ہے۔

سارنگین نے کہا: سلطان مہترم! ہم آپ کو سمجھ ہی نہ سکے۔ آپ اپنے دشمنوں سے وہ سلوک کر رہے ہیں کہ۔۔۔۔۔
سلطان نے بوڑھے سردار کو اپنے غیے میں طلب کیا۔ حبیب پابز نجیر اس کو سلطان کے سامنے لایا گیا تو سلطان اسے کچھ دیر نہایت اہمک سے دیکھا رہا جب کہ بوڑھا سردار انہیں تک نہیں اٹھ رہا تھا۔

سلطان نے سارنگین سے کہا: اس بوڑھے کو پابز نجیر کس نے کیا؟
سارنگین اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ سلطان نے کہا: اس کو کھول دیا جائے۔
سارنگین نے عرض کیا: اس نے سلطان کو یہ خیال بتا کر بدترین ٹیڈم کیل ہے۔

سلطان نے کہا: اس کے بارہو اس کو کھول دیا جائے۔ سلطان نے بوڑھے سے پوچھا: میرے آدھوں نے تیرے ساتھ زیادتی تو نہیں کی؟
بوڑھے سردار نے جواب دیا: بہت برا سلوک کیا۔ انہوں نے مجھے مار پیٹ کر رسیوں سے جکڑ دیا۔
سلطان نے پوچھا: اور تو نے ہمارے ساتھ کیا کیا تھا؟ کچھ یاد ہے؟

بوڑھے نے جواب دیا: بڑی زیادتی کی تھی، میں اس پر شرمندہ ہوں۔
سلطان نے پوچھا: تو نے میری یہ خیالی کے عرض ہم سے کیا مانگا تھا؟

بوڑھے نے شرمندگی سے جواب دیا: صرف بچپن ہزار دینار۔
سلطان نے پوچھا: اور اگر یہ دینار تجھ کو نہ دیے جاتے تو تو کیا کرتا؟
بوڑھے نے جواب دیا: یہ میں نے سوچا ہی نہ تھا۔
سلطان نے جواب پر اصرار کیا: پھر بھی کچھ تو جوگا تیرے ذہن میں؟

بوڑھے نے جواب دیا: شاید میں سلطان کو اس کے کسی دشمن کے حوالے کر کے زیادہ دولت کما لیتا۔
سلطان نے کہا: اب یہی کام میں کر سکتا ہوں۔ تیرے بھی تو دشمن ہوں گے اور وہ تیرے عرض کچھ توڑے ہی دیں گے مجھے۔
بوڑھے سردار نے رحم کی درخواست کی۔ سلطان رحم ہو میں کو ناپا پاتا تھا رہی آپ کریں، پھر ہم دونوں میں فسق کیا ہوا؟

سلطان نے کہا: میں کیا کروں گا کوئی نہیں جانتا، میں تو میں صرف باتیں کر رہا ہوں۔
سلطان بوڑھے کے ساتھ وہاں چلا گیا جہاں خانہ بدوش عورتیں اور بچے داویلا مچائے ہوئے تھے۔
سلطان نے کہا: اس جرم سے لطف اندوز ہونے کا بہترین طریقہ تو یہ ہے کہ میں ان سب کے سامنے جھک کر تسلی کروں اور تیرا عزت کی طرف چینک دیا جائے اور پھر جو تو شاہوگا اس سے لطف اندوز ہوا جائے۔

بوڑھے سردار نے پھر رحم کی درخواست کی: آپ بھی ہیں کر سکتے ہیں لیکن غفور و مہم ان سب سے بہتر ہے۔
سلطان نے سارنگین کے کہانی میں کچھ کہا۔
سارنگین نے آہستہ سے کہا: میں سلطان مہترم! ایسا

نہ کریں:

سلطان نے کہا: میں جو کہ رہا ہوں کہ بھت مت کر۔
سازتگین سے دل سے جدا گیا۔

بڑا حسد دار کچھ جانتے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔
اس کا خیال تھا سازتگین جلاؤ کر جانے گیا ہے۔

کچھ دیر بعد سازتگین ایک دوسرے شخص کو اپنے ساتھ
ایسے موٹے آیا اور عرض کیا: یہ ماضی ہے۔

یہ نیا شخص سلطان کا خزانچی تھا۔ سلطان نے حکم دیا۔
بڑا حسد سے سردار کو شاید ابھی تک کچھ کھانے کو نہیں دیا گیا۔

بڑا حسد سردار نے جواب دیا: ہاں میں بھوکا ہوں۔
کھانے کو کچھ بھی نہیں دیا گیا۔

سلطان نے خزانچی کو حکم دیا: اس کو دینا کی بھوک لگی
ہوئی ہے اس کے منہ میں دینا۔ ٹھوس دے دے جائیں۔

سازتگین نے سلطان کو کیا پر بڑا حسد سردار کو زمین پر
گرا دیا اور پھر خزانچی کی مدد سے دینار اس کے منہ میں ٹھونس
شروع کیے۔

بڑا حسد نے اپنا منہ بند کر لیا تھا لیکن اس کے منہ کو
بربردستی کھول گیا اور اس میں دینار بھر دیا۔ بقیہ دینار اس کی
غور میں ڈال دیے پھر سلطان نے اسے حکم دیا: جا، اپنی غورتوں
اور بچوں میں دالیں جا اور آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا۔

بڑا حسد سردار کے پاؤں جواب دے رہے تھے لیکن
اس کے باوجود بجا آوار رہا اور اپنی غورتوں اور بچوں میں پہنچ
لید ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہ رہے تھے۔

اس کے بعد سلطان نے ڈیڑھ سو سیروں کو بھی رہا
کر دیا۔ وہ کسی خانہ بدوش کو ستانا نہیں چاہتا تھا۔

کچھ دیر سلطان ان کو جانتے ہوئے دیکھتا رہا اور پھر فری
ادب کا حکم دے دیا۔

پھیلی ہوئی فوج اور غیر فوجیوں نے سٹنا شروع کر دیا۔
اور یہ لوگ اجمال کی طرف روانہ ہو گئے، کبھی آہستہ

ہستہ کبھی تیز تیز۔
سلطان کی طبیعت پھر خراب ہونے لگی لیکن اب سلطان

یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ اس بیماری سے مر نہیں سکتا۔
سازتگین، علیل اور دوسرے سردار سلطان کی بیماری

سے تنگ آ گئے ہوئے تھے۔
اجمال کے قریب اور اس کے باہر سلطان نے اجمال

کا منصوبہ بدل دیا اور اس نے کہا: میری طبیعت ٹھیک نہیں
ہے اور اسے میں سخت گرمی پڑ رہی ہے اس لیے میں روانہ

پہاڑوں میں آرام کرنے گیا۔

سازتگین نے عرض کیا: حضور والا! اسے ہمارے سامنے
ہے وہیں چل کر آرام کریں۔

لیکن سلطان نے اس کی بات نہیں مانی اور جواب دیا۔
رودان کے شہر طبرستان چور۔ میں چند دن طبرستان میں رہوں گا۔

سازتگین نے پوچھا: کیا اسے میں آپ کی تشریف آوری
کی خبر بھی دی جائے؟

سلطان کا کسی بات میں دل نہیں لگا رہا تھا۔ بے دل
سے جواب دیا: اسے والوں کو خبر کر دیا نہ کرو خبر تو ان کو ہوتی

جائے گی۔
سلطان نے فوج کے بیشتر حصے کو اسے روانہ کر دیا اور

اپنے ساتھ اسی نہیں رکھی۔
ستیدہ کو جب سلطان کے منصوبے کا علم ہوا تو اس

نے اسلطان خاتون سے کہا: آپ بھی سلطان سے ملے جانے
کی اہازت لے لیں۔

اسلطان خاتون نے جواب دیا: لیکن میں اپنے چچا کے
قریب رہنا چاہتی ہوں۔

ستیدہ نے کہا: لیکن میں سلطان کے قریب نہیں رہنا
چاہتی۔ سلطان سے کہیں کہ وہ مجھے بھی اسے بھجوا دے۔

اسلطان خاتون کو ستیدہ کی تنگ دلی پر حیرت تھی تو
آپ کا دل ابھی تک نہیں پسچا۔

ستیدہ نے جواب دیا: اسلطان خاتون کی تم نے سلطان
کے چہرے، لگے اور ہاتھوں کی تجھریاں نہیں دیکھیں اب وہ بڑھا

ہو چکا ہے۔ میں اس کے لیے اپنے دل میں ذرا سی بھی گرمی نہیں
محسوس کرتی۔ سلطان نے اپنی آنا اور قوت کے اظہار کی خاطر

امیر المومنین کی نوجوان بیٹی سے شادی کر لی۔ میں اس کا نورزدہ
جسم کو کیسے قبول کروں؟

اسلطان خاتون کو ستیدہ کی باتوں نے طیش تو دلایا تھا
لیکن دونوں میں رشتہ کچھ ایسا تھا کہ دونوں ہی بیک وقت ایک

دوسرے کی بزرگ بھی تھیں اور خور و بھی۔ اسلطان خاتون خلیفہ
کی بیوی تھی اور اس طرح ستیدہ کی ماں ہو گئی تھی اور دوسری طرف

اسلطان خاتون سلطان کی بھتیجی تھی لہذا ستیدہ سلطان کی بیوی۔
اس رشتے سے ستیدہ اسلطان خاتون کی ماں بھی تھی اور

چچی بھی۔
اسلطان خاتون نے ستیدہ سے درخواست کی ان

نازک لمحات میں آپ سلطان کا خیال کریں آپ کا یہ فعل
اللہ کو بھی پسند آئے گا۔

ستیدہ نے جواب دیا: میں دل سے جبر نہیں کر سکتی۔
میں مجبور ہوں۔

اوسان خاتون سب ہو گئی اور سلطان ان سب کے ساتھ مباشرت چلا گیا۔ پانچویں میں گھر سے ہوئے شہر طبراشت میں؟

سلطان نے اس چھوٹے سے منساں شہر میں زندگی کی چل پھل پیدا کر دی۔ یہاں کے لوگ سلطان کی تشریف آوری سے بہت خوش تھے۔

رات کو جب سلطان کے خیمے کو روشنی سے بھرا دیا گیا تو یہ روشنی سلطان کی آنکھوں کو گراں گزرنے لگی اور اس کے پورے وجود میں چراغوں کی گئی برایت کو سننے لگی۔ اس نے حکم دیا کہ پورے خیمے میں صرف دو شمعیں روشن رکھی جائیں بقیہ بجادی جائیں۔

میر سائل نے عرض کیا: اس طرح تو اندھیرے میں آپ کلام گھٹنے لگے گا؟

سلطان نے جواب دیا: نہیں! کم روشنی میں میرا دم نہیں گھٹنے گا؟

سلطان کے خیمے کی ساری شمعیں بوند کے سوا گھل کر دی گئیں۔ اس کم روشنی میں سلطان اپنے ماضی حال اور مستقبل کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس نے اپنے اس دُور کو دیکھا جب اس کا کوئی دھن نہ تھا اور غزنی اس کو تنگ کر رہا تھا۔ اور وہ اپنے قبائل کو اپنے بھائیوں کے ساتھ سریشیوں کے ریز کی طرح ادھر ادھر ہٹاتا پھرتا تھا۔ پھر تخت سے یاہری کی اور اقبال مندی اس پر مہربان ہو گئی۔

وہ اپنے خیالوں میں گم معلوم نہیں کیا کچھ سوچ رہا تھا کہ طبیب نرائج پرسی کو حاضر ہو گیا۔ سلطان کا جی خراب نہ تھا۔ طبیب کو اندر بلا لیا۔

طبیب کا دم گھٹنے لگا، پوچھا: کیا سلطان کی طبیعت نہیں گجرا ہے اس اندھیرے میں؟

سلطان نے جواب دیا: میرا دل روشنی میں تیر تیر کر رہا ہے۔ اس لیے وہ کے سوا ساری شمعیں گل کرادیں۔

طبیب نے عرض کیا: آپ اگر پسند کریں تو آپ کے لیے نفل طرب منعقد کرادی جاوے۔ اس سے آپ کا دل بہل جائے گا؟

سلطان راضی ہو گیا: یہ اچھی چیز ہے جتنا کہ میں ساز و آواز کی دل میں تحلیل ہو جاؤں۔ ساتتین سے سو نوے یہ جشن کا اہتمام کئے؟

طبیب نے باز نفل کر ساتتین کو تشریف کیا اور جب دل

گیا تو طبیب نے کہا: سندن کے بارے میں تم سب کو غرتی تھی کہ شکار نہیں ہونا چاہیے؟ ساتتین نے پوچھا: کیوں کیا بہت سہرا صاف صاف بتائیں؟

طبیب نے جواب دیا: میں نے سندن کے نفل طرب کو بہت زیادہ بڑھا ہوا دیکھا ہے جس کا مشعب یہ ہوا کہ کسی وقت بھی کچھ ہو سکتا ہے؟ ساتتین طبیب کے ساتھ سندن کو نفل طرب سے ساتتین کو حکم دیا: ایک شہر انھیں طرب منعقد کرانی جائے؟

ساتتین نے سندن کے حکم پر محفل طرب منعقد کر دی۔ پانچ گھنٹے دایوں اور پانچ گھنٹے دایوں نے اپنے اپنے فن کا مظاہرہ شروع کر دیا۔

سلطان کا ڈٹکیے کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ ساتتین نے گانے دایوں کو بہایت کر دی تھی کہ آج جو گیت بھی سنایا جائے اس میں حزن و ملال کا عنصر نہ ہو۔

سلطان نے سادوں کی لہر کی چوٹ اپنے دل پر محسوس کی اور گانے والیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کی طبیعت بڑھ رہی تھی لیکن وہ اس پر توجہ پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی کشمکش اور پریشانی میں اس نے طبیب کو اپنے پاس بلا لیا۔

طبیب سلطان کے پاس بیٹھ گیا اور پوچھا: کیا طبیعت زیادہ غمگین ہو رہی ہے؟

سلطان سے بول نہیں جا رہا تھا، جواب دیا: میں ڈوبتا چلا جا رہا ہوں۔ ایسا تنگ رہا ہے جیسے میں تہذیب میں سفر کر رہا ہوں؟

طبیب نے اپنی جیب سے ایک پٹریا نکال کر سلطان کے حواس کی اور کہا: نصرت بیانی پانی میں یہ سفوف کھول کر پی لی جائے، اند شفا ملے گا؟

اسی وقت سندن کو بیانی بھی فراہم کر دیا گیا۔ سندن نے وہی کیا جس کا طبیب نے مشورہ دیا تھا۔ سندن نے آنکھیں بند کر لیں اور جیب سے جسے بیٹھا رہا سندن سے در

گاہنے دایوں سلطان کی ساز کی جیت کو محسوس کر رہا تھا۔ جیت کا شہر ہو گئے۔ طبیب نے اُن کے اشارے سے سندن کو

دیار جو کچھ مر رہا تھا ساتھ جاری رہنا چاہیے۔

بعد دیر بعد سلطان نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ بہت سے طبیب کے کال میں تھا۔ اسی وقت کسی کو سندن نے

کھٹے دو ہونٹ کو جیتی جہد کی لہ کے اپنے ساتھ لے گئے۔ طبیب نے پوچھا: کیا میں ساتتین کو یہ عرض سونپ دوں؟

سلطان نے جواب دیا: "نہیں اس کو کسی بات کا علم نہیں ہوتا چاہیے۔"

سازتگین دونوں کی کھڑی پچیس کو شک اور خوف کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سبب حبیب وہاں سے باہر جانے لگا تو سازتگین نے اس کو ایک طرف لے جاتے ہوئے پوچھا: "تم دونوں کیا باتیں کر رہے تھے؟"

حبیب نے جواب دیا: "سلطان کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ میں تسلیاں دے رہا تھا اور اب وہ لینے جا رہا ہوں۔ سازتگین مطمئن ہو گیا۔"

سبب سلطان کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو سببوں نے محض غریب کو برخواست کر دیا۔ اندر اپنے پاس تنگی میں ملنے خاتون و بیوی سیدہ کو بلوایا۔ سیدہ اس وقت بھی نقاب میں تھی۔ سلطان نے دو شعروں کی روشنی میں سیدہ کی طرف دیکھ کر پوچھا: "تیری یہ نقاب کب اتارے گی چہرے سے؟"

سیدہ نے بے مروتی سے جواب دیا: "کبھی نہیں۔" سلطان نے کہا: "سیدہ! میں تجھ کو بے نقاب دیکھنا چاہتا ہوں۔"

سیدہ نے جواب دیا: "اب نامکن ہے۔"

ارسلان خاتون نے سلطان کو مشورہ دیا: "مہم محترم! اب آپ دوسرے کے قریب ظہار شہت میں ہیں۔ مجھے حکم دیں کہ میں اس کی نقاب زور کر چھینک دوں۔"

سیدہ ڈر گئی، پوچھا: "یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟"

ارسلان خاتون نے جواب دیا: "میں وہی کہہ رہی ہوں جو ان حالات میں مجھے کہنا چاہیے۔"

سیدہ نے سلطان سے شکایت کی کہ آپ اس کو منع کریں کہ یہ میرے ساتھ زیادتی نہ کرے۔"

سلطان نے ارسلان خاتون کو منع کر دیا: "لڑکی! سیدہ سے عداوت کے ساتھ پیش آ، اس کو شکایت کا موقع نہ دے۔"

ارسلان خاتون نے منہ لیسوڑتے ہوئے جواب دیا: "مہم محترم! آپ کتنے بڑے انسان ہیں۔ سیدہ کو ایسے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ یہ آپ کے ساتھ زیادتی کرتی چلی جا رہی ہے۔"

سلطان نے کہا: "لیکن یہ میری بیوی ہے اور تو میری بھتیجی۔" پھر پراس کا احترام واجب سمجھا۔

ارسلان خاتون سعادت مند بھتیجی کی طرح وہاں سے چلی گئی۔ اب سلطان سیدہ سے مخاطب ہوا: "تو میری قوت کھردہ بد سے اچھی طرح واقف ہے لیکن میں نے

اسے تیرے سلسلے میں استعمال نہیں کیا۔" سیدہ نے جواب دیا: "سلطان! آپ اسے تسلیم کیوں نہیں کرتے کہ میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے؟ ظلم ہو رہا ہے؟" سلطان کے سر کا درد تیز ہو چکا تھا، اس نے سیدہ سے بحث نہیں کی اور کہا: "اب تو جاسکتی ہے۔"

سیدہ چلی گئی تو اس نے دوبارہ ارسلان خاتون کو بلوایا۔ حبیب وہ آگئی تو سلطان نے ہاسکل تنگی میں اس سے کہا: "ارسلان خاتون! پتا نہیں کیا ہو رہا ہے۔ میں نے بلوافر کو ہوا یا سب سے یکن معلوم نہیں کہ وہ آئے گا بھی یا نہیں؟"

ارسلان خاتون نے سبب کی آواز میں کپکپاہٹ اور تھمر تھراہٹ سی محسوس کی اور جواب دیا: "جب آپ نے بلوافر کو طلب کیا ہے تو وہ ضرور آئے گا۔"

سلطان نے کہا: "انہوں نے کہا اس کا انتظار نہیں کر سکتا۔"

ارسلان خاتون نے سادہ لوحی سے جواب دیا: "جب آپ نے بلوافر کو طلب کیا ہے تو اس کا انتظار بھی کر لیں۔"

سلطان نے اس معصوم اور سادہ دل خاتون کو کچھ دیر محبت بھری نظروں سے دیکھا: "اچھا خیر تو کتنی ہے تو میں اس کا انتظار بھی کر لوں گا۔"

ارسلان خاتون نے کہا: "یہ بات ہوئی کام کی۔ تو اب میں چلوں؟"

سلطان نے اپنے سر ہانپنے سے کاغذات کا ایک پتہ اٹھایا اور ہدایت کی: "یہ کاغذات ان کو تو کہیں چھپا کر رکھ دے۔"

یہ شہزادہ سلیمان اور اس کی بہن کی امانت ہیں۔ یہ راز دھیت نامہ ایک سلطان کا دھیت نامہ۔ تو اس کو کسی بھی طرح شہزادہ سلیمان یا اس کی ماں کو پہنچا دے گی، ورنہ اس کا کسی کو علم بھی نہ ہو۔"

ارسلان خاتون نے دھیت نامہ رکھ لیا اور خطرے کو محسوس کر کے چپکے چپکے آنسو بہانے لگی۔

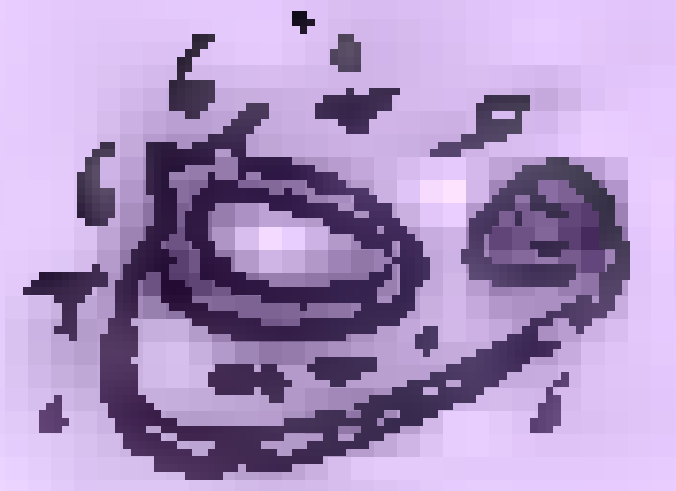
وہ رات بھر سلطان کے پاس ہی موجود رہی۔ دوسرے دن صبح کئی حبیبوں نے سلطان کی بگڑتی ہوئی حالت پر آپس میں مشورہ کیا۔

سازتگین کو کچھ شبہ ہو گیا تھا اس نے حبیبوں سے پوچھا: "کیا کچھ گڑ بڑ ہے؟"

ایک حبیب نے پوچھا: "کس قسم کی گڑ بڑ؟"

سازتگین نے پوچھا: "سلطان کی طبیعت؟ مرض کیا ہے؟" علان سے قائلہ کیوں نہیں ہو رہا؟"

حبیب نے جواب دیا: "گرمی کی شدت نے سلطان کے



بڑی گرم رات تھی۔ ابونصر نے سلطان کی لاش کو ایک ایسی جگہ رکھ دیا جہاں گرمی نہیں تھی جس کے چھتروں کو پانی میں نہر کے سلطان کی میت کے چاروں طرف بکھرا کر دیا گیا۔ بعد جس خیمے میں یہ اہتمام ہوا تھا اس کی چھت کو مٹی سے پاٹ کر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا جس سے چھت کا اندرونی حصہ سرد ہو گیا۔ خیمے کی دیواریں ڈھیری تھیں اور دو دیواروں کے درمیان خلا رکھا گیا تھا جس سے باہر کی پیش خیمے کے اندر نہیں پہنچتی تھی۔

اسلام خاتون اس سیدہ نے ان سرگرمیوں سے کچھ بے خبر سمجھ لیا تھا لیکن یقین نہیں آ رہا تھا۔

جن خدمت گاروں نے سلطان کی لاش کو اس خیمے میں محفوظ کیا تھا انھیں اس خیمے سے ملحق کمرے میں قید کر دیا گیا لیکن ان کو بتایا یہ کہ وہ سلطان کی آخری رسوم کے ادا کیے تاکہ سلطان کے قریب ہی رہیں گے۔ سو قہر خیمے کا ایک دروازہ سلطان کی میت والے خیمے میں کھلا تھا ایک خدمت گار خیمے میں غور و خیر سلگانے کی خدمت انجام دے رہا تھا۔ چند مانتہ ملاقات قرآن پاک میں مشغول تھے۔ خیمے میں اندھیرا دور کوٹنے کے لیے پنج شاخہ شمع روشن تھی۔ جوں کہ سلطان نے زندگی کے آخری لمحوں میں تیز روشنی کو ناپسند کیا تھا اس لیے اس کی موت کے بعد بھی ایک بے پنج شاخہ شمع پر اکتفا کیا گیا۔

ابونصر ان انتظامات سے قانع ہوئے کے بعد اسلام خاتون کے پاس گیا، غور و خیر کی جگہ جگہ خوشبو اپنے خیمے سے سفر کر کے اسلام خاتون تک پہنچ چکی تھی وہ اس کی پینچ پینچ کر خوشبو سونچ رہی تھی اور ہانڈیوں اور دوسروں میں بٹلا ہوئی جبار ہی تھی۔ جب اسے یہ بتایا گیا کہ ابونصر اس سے خانا چاہتا ہے تو اس کا دل کیا رنگی زور سے دھڑکا۔ رڑک رڑک کر دھڑکنے لگا۔ اس نے کنیز سے کہا۔
ابونصر کو فوراً لاؤ میرے پاس۔

ابونصر مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا اور سلطان کا فرلان سنا دیا۔ ابھی ابھی سلطان نے بھی یہ حکم دیا ہے کہ ہم سب اس کے پچھلے کمرے سے روانہ ہو جائیں۔ سلطان کا یہاں تک نہیں رہا۔

اسلام خاتون کا دل بھر آیا، وہ ابونصر کی اداکاری سے بھی متاثر نہ ہوئی، پوچھا: اسے ابونصر تم میرے چچا کے یہ جو؟

ابونصر نے جواب دیا: جی محترم خاتون! یہ کون نہیں جانتا۔

اسلام خاتون نے پوچھا: تم نے یا نہ کام کے پیش تو نہیں؟

ابونصر نے جواب دیا: الحمد للہ کہ میں کئی سال سے تیرے یا نہ کام کا شکار نہیں ہوا۔

اسلام خاتون نے قوت شائد کے بارے میں پوچھا۔
”تمہاری ناک میں ایک سونچھ مکتی ہے؟“

ابونصر اسٹ چٹاٹ سوال سے پریشان ہو رہا تھا کہ: آخر آپ اس طرح کت کیا جانتی ہیں۔

اسلام خاتون نے جواب دیا: کیا آپ کو غور و خیر کی ترشبو نہیں محسوس ہو رہی ہے؟

ابونصر لا جواب ہو گیا: کمرے کہ آپ۔۔۔

اس نے بات بنانے کی کوشش کی لیکن اس کی ساری ذہانت جواب دے گئی۔

اسلام خاتون نے اس کے منہ کھڑی ہو کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مٹا طلب ہوئی، تم مجھ سے کیوں چھپا رہے ہو، تم محترم کا اصل حال بتاؤ۔

ابونصر کا دل بٹھا جبار تھا۔ وہ نظریں نہیں درہا تھا جواب دیا: میں رستہ کے پچھلے پر روانہ ہو جانا چاہیے وہاں نیا سلطان جبارا منتظر ہوگا۔

اسلام خاتون نے اپنے منہ پر دھڑل ٹھونس لیا۔ کیوں کہ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو اس کے منہ سے چیخ نکلی گئی ہوتی۔

ابونصر واپس چلا گیا۔ اسے بہت کچھ کرنا تھا۔ اسلام خاتون کی سوچی ہوئی آنکھوں نے سیدہ کو وہ سب کچھ بتا دیا جسے ابونصر اور اسلام خاتون مسلسل چھپا رہے تھے۔ سیدہ نے ماحول میں اضطراب اور جھنجھکی بھی محسوس کی۔ ہر طرف جل جلاؤ کا سماں تھا اس نے اسلام خاتون سے کچھ پوچھا بھی یا نہ مگر اسلام خاتون سامنے سے ٹل گئی اور سوال جواب کا موقع ہی نہ دیا۔

اسلام خاتون اس کمرے میں چلی گئی جہاں شاہی نو قین کے لباس رکھے جاتے تھے۔ یہ جگہ سب کی نظر سے بچ

بچا کے روئے آنسو بہانے کیلئے بہترین جگہ تھی۔ اسلام خاتون کو ہاسکل ہوش نہ تھا کہ سیدہ اس کا پیچھا کر رہی ہے وہ بلاؤ کے درمیان کپڑوں سے منہ ڈھانپ کر سسکیاں لے لے کر

رہنے لگی۔

تبدہ چپ چاپ کھڑی رہی ہے جس حرکت ارسلان خاتون کو رہی تھی؟ یہ کیا ہو گیا ہم محترمہ؟ آپ نے ہمیں اپنے سامنے سے محروم کر دیا اب کیا ہو گا؟

تبدہ ارسلان خاتون کے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی: یہ کب ہوا؟ کیا سلطان ختم ہو گیا؟ سب کچھ ختم ہو گیا؟

ارسلان خاتون کے وجود میں آگ سناٹکھی۔ بگڑ کر جواب دیا: ہاں سب کچھ ختم ہو گیا اب آپ خوش ہو جائیں کیوں کہ محترمہ کی زندگی نے آپ کو قیدی بنا رکھا تھا اور اب آپ آزاد ہیں۔

تبدہ نے جواب دیا: لڑکی! میرے ساتھ جو کچھ ہوا، ہاتھ دشمن کو بھی اس سے محفوظ رکھے۔

ارسلان خاتون نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا: پس آپ چپ ہو جائیں۔

مات کے پچھلے پیر ابو نصر نے ریسے کا سفر ہی شان ابدان بان سے کیا جس طرح سلطان طفل کیا کرتا تھا، فرج اور اسرا کو یہ بتایا گیا تھا کہ سلطان ریسے بیچ کے چند ہستے آرام کرنا چاہتا ہے۔ سلطان کی نیت ایک گاڑی میں رکھ دی گئی جہاں کو وہ گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ اسی میں ارسلان خاتون کو بٹھایا گیا، ابو نصر کئی بار اس گاڑی میں گیا اور سلطان کی ہدایات سے گزر رہا تھا۔ گویا یہ سفر سلطان کی ہدایات اور نگرانی میں جاری تھا۔

رے میں شہزادہ سلیمان اور دوسرے امرا نے سلطان کا ایک منزل آئے کے استقبال کیا۔ شہزادہ سلیمان گھوڑے سے اتر پڑا، اور ابو نصر سے پوچھا: سلطان کی طبیعت اب کیسی ہے؟

ابو نصر دوسرے سرا کی موجودگی میں جواب ملا: اور شہزادے سے کہا: آپ دلِ عمد ہیں سلطان کے پاس بجائیں اور خود اس سے معلوم کریں کہ اب کیسی طبیعت ہے؟

دوسرے امرا بھی سلطان سے ملنا چاہتے تھے لیکن ابو نصر نے کہا: سلطان آپ لوگوں سے دست کے محل میں ملے گا یہاں وہ ان سفر سے نہ پریشان کریں۔

”شہزادے کو سلطان کی نیت سے پاس لے گیا اور اس کے ہاتھوں کو لپیٹے ہاتھ میں سے کر آنگھوں سے لٹکے ہوسہ دیا اور جہاں آواز میں کہا: سلطان اپنے آخری سفر پر مدافعتی و سلف کی وصیت کے مطابق اب آپ ہی جتنے سلف ہیں۔

شہزادہ سلیمان نے خبر سے خوش ہوا اور کئی نکات

پھر یہ خبر تم چپا کیوں رہے ہو، اسی وقت سلطان کی وفات کا اعلان کر کے میری بارشاہت کی خوش خبری سناؤ۔ ایسے موقعے بار بار نہیں آتے۔

ابو نصر نے شہزادے کو سمجھایا: یہ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ لوگ کیا کہیں گے؟ آپ کی تخت نشینی کے ساتھ ہی سلطان کی وفات کا اعلان کر دیا ماسے کا ایک بادشاہ جاسے کا خود دسرا اس کی جگہ لے گا۔

شہزادہ سلیمان خاموش ہو گیا اور یہ لوگ شام سے پہلے ریسے میں داخل ہو گئے۔ مرحوم سلطان کی گاڑی محل کے اندر وئی جتھے میں پہنچا دی گئی۔

فرج کے ساتھ آئے والے چند امرا نے ابو نصر کو محل کے صدر دروازے ہی پر روک لیا اور ترش بچے میں کہا۔

”عمید الملک! آپ یہ جو کچھ کر رہے ہیں اسے شہزادہ سلیمان کے لیے، سلجوقی سلطنت کے لیے اور پوری ترک روم کے لیے اچھا نہیں کر رہے۔

ابو نصر سمجھ گیا کہ یہ ترک امرا کیا کر رہے ہیں، جواب دیا: میں جو کچھ کر رہا ہوں یہی مناسب اور سلطان کی طبیعت کے مطابق ہے۔

ایک امیر نے کہا: ہمیں معلوم ہے کہ سلطان کا انتقال ہو چکا ہے لیکن ہم اس لیے خاموش رہے کہ وفات کی قبل اندقت شہرت، شورشیں اور ہنگامے کھڑے کر دے گی۔

ابو نصر نے معذرت کی: یہ وقت بہت نازک ہے اگر مناسب سمجھو تو یہ باتیں دوسرے وقت پر اٹھا رکھو۔

دسم تخت نشینی لدا ہو لینے دو، وہ بار ہی میں یہ باتیں ہو سکتی ہیں۔

”نک امیر نے ابو نصر کا مذاق اڑایا: سلطان طفل جیسے ابو نصر اور مدبر سلطان کی جگہ شہزادہ سلیمان جیسے ناخبر کار اور اہل کو سلطان بنادیا اس منصب لحد مقام کی بے غرضی ہے۔ آپ کو اس میں جتنے نہیں لینا چاہیے تھا۔

ابو نصر نے جواب دیا: تمہارے جو کچھ کہا اس کو صواب اور انجام تو جانتے ہی ہو گے۔

امیر نے کہا: خوب اچھی طرح، لیکن ابھی شہزادہ سلیمان سلف نہیں ہے اس کے سلف بننے تک ہم کافی درجا پہنچے ہوں گے۔

ابو نصر نے کہا: میرا مشورہ بھی یہی ہے کہ تمہارے لوگ جتنی دیر کی باتوں کو یہاں سے چپ جائیں۔

مراسنے اپنے گھوڑوں کا رخ مشرق کی طرف کر دیا۔
 "اے سلطان ہر طرح مناسب ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔
 ابو نصر نے جواب دیا: "میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔ لیکن
 مرحوم سلطان کی وصیت بھی تو کوئی چیز ہے۔"

اختلاف رکھنے والے امرانہ حق ہو کر چلے گئے۔ ہر
 امر ابھی رستہ میں سوچ رہے تھے اور شہزادہ سلیمان کے سلطان
 بنانے چاہنے کے خلاف تھے انہیں اس سے بہتر چاہیے
 کہ منصور بن سلیمان مرحوم سلطان کی خواہش تھی اس سے اس
 کے بھائی چغری رڈ کے پسوں میں دفن کیا جائے اور چغری
 داؤد مرد میں دفن تھا۔ چنانچہ باغی امراکر مرحوم سلطان کی
 وصیت کے ساتھ مردانہ کر دیا گیا، اور رستہ میں اس وقت
 شہزادہ سلیمان کو مرحوم سلطان کی جگہ تخت پر بٹھا دیا گیا۔
 نئے سلطان کی ماں خوشی سے بولانی بولانی یہاں سے
 وہاں پورے محل میں گھومتی پھرتی رہی وہ اس اعزاز کو
 کوہیٹ رہی تھی جو بادشاہ سے نئے سلطان کی ماں کی
 حیثیت سے وصول ہو رہا تھا۔

اسلام خاتون کو ابو نصر کی اس بات سے اختلاف
 پیدا ہو گیا اس نے پوچھا تو ابو نصر سلطان کی وصیت کے ساتھ مرد
 کیوں نہیں کیا؟

ابو نصر نے جواب دیا: "ابو نصر کی دوسے سے زیادہ
 مرد کو ضرورت نہیں تھی۔"

پورے محل کو ہیرا غول سے نور کا گوارہ بنا دیا گیا
 خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ خام و کلام کی بارشیں
 ہونے لگیں۔ نیا سلطان ابو نصر کا بیٹا شکر گزار تھا کہ اس
 نے اپنے چچا کی عمر اس سے سلطنت بنا دیا تھا۔

خلیفہ کی بیٹی سیدہ بھی اس دلچسپ تماشے کو بڑے
 شوق سے دیکھ رہی تھی کیوں کہ وہ خوب بھاتی تھی کہ شہزادہ
 اس وقت تک سلطان نہیں بن سکتے کہ جب تک سیدہ
 کا باپ اس سے ملنا نہ دے گا۔

ابو نصر اس کو کوہستان سمجھ رہا تھا اس نے سنے
 سلطان کے پاس سے کہا: "مرد خاتون! اس وقت پورا محل
 آپ کی عزت و احترام میں مشغول ہے لیکن اس محل میں ایک
 ایسی راز دہ بھی موجود ہے جو آپ کی عزت میں کمی لگے گی
 جہاں آپ کو اس کی عزت کرنا ہوگی۔"

سلطان کی ماں پتیلی پر گھسیٹ ڈال کر کھڑکی پر ہنسی نہ
 کس طرح؟ یہاں تک ہے؟

ابو نصر نے سیدہ کو نام یہ وہ میرا موزین کی

ہی ہے جب تک اس کا باپ اس شہزادے کو سلطان
 نہیں مانتے گا شہزادے کی سلطنتی مشکوک رہے گی۔
 شہزادے کی ماں جیسے لگی: "تو یہ کون سا مشکل کام ہے؟
 میں اس کے پاس جاتی ہوں اور اس سے حکم اس کے پاس
 کے نام ایک خط لے لوں گی۔ اس خط میں سیدہ اپنے
 باپ کو کہے گی کہ میرے بیٹے سیدہ کو سلطان تسلیم کر لیا جائے
 ابو نصر نے سے منع کیا: "آپ یہ سب نیکی کا کام
 میں کروں گا سیدہ سے میں بات کروں گا۔"

نئے سلطان کی ماں کو شبہ ہوا کہ ابو نصر اب کوئی اور
 ہی کمین کھیل رہا ہے، اس نے ایک شرط خانہ بندی چلا
 سیدہ سے تو خود بات کر لے لیکن یہ بات بھی اسب
 میرے سامنے ہونا چاہیے۔

ابو نصر نے ذرا تاہل کیا کہا: وہاں آپ کی ضرورت تو
 نہیں ہے لیکن خیر دیکھ کوئی اعتراض نہیں؟
 نئے سلطان کی ماں نے پوچھا: پھر بات کب
 ہوگی؟

ابو نصر نے جواب دیا: "آج رات کھانے کے ترخان
 پر۔ لیکن آپ ذرا خاموش رہیے گا۔"

سلطان کی ماں ضرورت سے زیادہ عقل و شعور کا مظاہرہ
 کر رہی تھی کہنے لگی: "میں کیوں خاموش رہوں گی۔ آخر یہ سلطان
 کی ماں ہوں؟"

ابو نصر نے عرض کیا: "محترمہ خاتون! ہر روز مکت سے
 آپ اتنی دقت نہیں جتنا میں دقت ہوں اس لیے وہاں
 آپ کا چھپ رہا بہت ضروری ہے۔"

اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا: "اچھا یوں ہی ہے؟"
 ابو نصر اس کے پاس سے اٹھ کر نئے سلطان کے
 پانچ چوڑیاں جو اپنے دوستوں میں کھاتا تھا راز نہ بدوش
 ترک جو سپاہی بھی سمجھا اور نئے سلطان سے ساتھی اور دوست
 بھی، نئے سلطان سنہ ان میں سے کئی کا درباری ایسے کہ
 حیثیت سے انتخاب بھی کر لیا تھا۔

ابو نصر ایک گوشے میں چھپ کر کھڑا ہو گیا وہ نئے
 سلطان کی حرکات و سکنات کا شاہد بننا چاہتا تھا۔

یہ ارباب ترک نور جوان نئے سلطان سے جشن برپا
 کرنے کی درخواست کر رہے تھے ایک شاہدار جشن تعمید
 موسیقی۔

نیا سلطان ابو نصر کا نام لے رہا تھا اس نے خاموشی سے
 ذمے داری ابو نصر کو سونپ رکھی ہے۔ اس جشن کا اہتمام

ابو نصر ہی کہنے لگا؟
ایک ترک نوجوان نے پوچھا: ابو نصر! خربہ کیا آپ
اس کو اپنے سر پر مستطہ نہ کریں؟

سنے سلطان نے جواب دیا: میں نے اسے اپنے
سر پر مستطہ نہیں کیا، وہ مرحوم سلطان کا بھی در پر مستطہ ہے حد
عقل نہ ہے؟

لیکن ترک نوجوان کا اس سے اختلاف تھا: لیکن اس
وقت سب سے زیادہ عقل مند ہم ہو کیوں کہ تم سلطان ہوا اور
سلطان جس کو جو چاہے بنا دے جب کہ کسی وزیر کو یہ اختیار
نہیں ہوتا، وہ اپنی مرضی سے جس کو جو چاہے بنا دے۔

سنے سلطان کو اپنے ترک دوست کی یہ بات، بھیجی گئی
۔ پرت رہا، باتیں کرتا رہا، تیسری باتیں اچھی تک رہی ہیں۔

ترک نوجوان نے کہا: اگر تیری باتیں اچھی تک رہی
ہیں تو مجھے اپنا مشیر کیوں نہیں بنا لیتے؟

سنے سلطان نے اسے فوراً اپنا مشیر بنا لیا، آج سے
تو میرا مشیر ہے، اسی وقت سے ابھی ہے؟

ترک نوجوان اپنی جگہ سے اٹھا اور سنے سلطان
کے گلے لگنے لگا لیکن ابو نصر نے پھرتی سے آگے بڑھ کر
ترک نوجوان کو گڈی سے پکڑ لیا: کیا تم تائب ہو رہے ہو؟ اب
شہزادہ سلیمان سلطان میں تیرے دوست یا ساتھی نہیں،
اب تو فاصلے سے رہے گا؟

ترک نوجوان نے اپنے دوست سلطان کی طرف
مدد طلب نہ کی ہوں سنے دیکھا۔

سلطان نے ابو نصر سے کہا: ابو نصر! یہ میرا دوست
ہے لہذا میں سنہ ابھی ابھی اسے اپنا مشیر نامزد کر دیا ہے؟

ابو نصر نے جواب دیا: محترم سلطان! آپ خود کو ان
کسان اور رشتہ داروں سے اب آپ سلطان ہیں اور ایک
سلطان کسی کو اتنی آسانی سے اتنا بڑا منصب نہیں دے

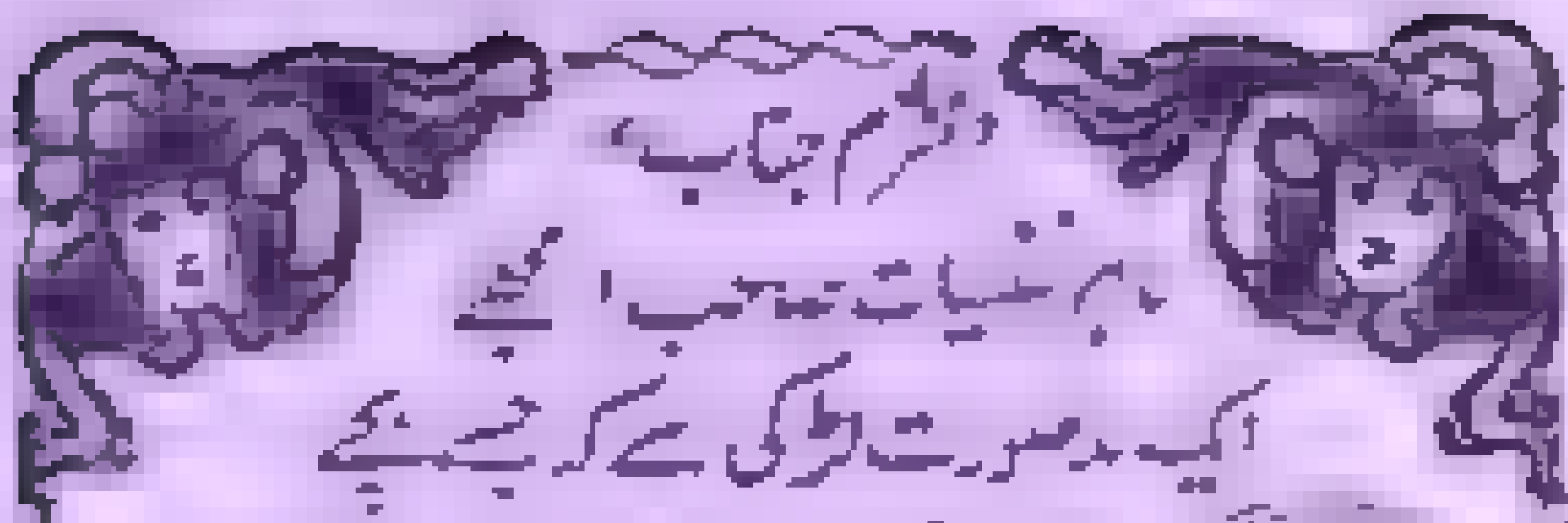
سکتا کہ یہ نوجوان ترک آپ کا مشیر بننے کا اہل ہے؟

سنے سلطان نے جواب دیا: یہ اس کا اہل ہے اور یہ
اس کیلئے اہل ہے کہ یہ میرا دوست ہے میرا ساتھی ہے۔

ابو نصر نے کہا: یہ کوئی قابلیت نہیں آپ اسے
دوست کو مل دوست سے ناز دیں لیکن یہ نامناسب

عملہ ہے، تب دانت اور قابلیت چاہتے ہیں آپ نہیں
سمجھتے؟

یہ سلطان نے اسے دیکھ کر ہنس دیا۔
نوجوان ترک نے کہا: یہ بھی خوب رہی کہ وزیر سلطان



ماہ خلیات صاحب! مجھے
ایک بد صورت لڑکی سے کہ جسے مجھے

بھی دینی کر ڈر جاتے ہیں، سچی بہت
ہے جبکہ ایک خوب صورت لڑکی کہ

میں نے بھی بہت کرتی ہوں، میں آپ کے
پہ پہنا پاتا ہوں کہ مجھے کس سے

تادی کرنا چاہیے۔
نقطہ ایک پریشان حال

جناب پریشان حال صاحب! آپ اپنی سچی
عفت کا گلا ہرگز ہرگز نہ گھونٹیں اور میں نے

شادی کیجیے جسے آپ دل سے چاہتے ہوں، یہی
دوسری لڑکی تو اس کے نام دیتے سے مجھے آہا،
کیجیے، شکریہ!

کو بے بس کرے؟
سنے سلطان کو غصہ آ رہا تھا: لیکن ابو نصر! سلطان

کی زبان بھی تو کوئی چیز ہے، میں نے اسے اپنا مشیر نام کیا ہے
میں یہ فیصلہ کس طرف واپس لوں؟

ابو نصر نے جواب دیا: شہزادے، آپ میری بات
سمجھ نہیں رہے، جب تک دربار خلعت سے آپ کو

سلطان کی سند نہ مل جائے آپ سلطان نہیں کہہ سکتے
سلطان ڈر گیا کہ ابو نصر اب بھی کہہ رہے تو شہزادہ سلیمان

کو سلطان نہ بنے، اس نے اپنے دوست سے وعدہ
کر لیا: خوس کو ابھی میں کسی کو کچھ نہیں بتا سکتا، ابھی چند دن

یا چند روز تجھ کا انتظار کرنا ہوگا۔

ترک نوجوان نے سننے میں پہلے ترک ابو نصر کو دیکھا اس
کے بعد سلطان کو: جب تک یہ سوڈی تیرے آگے آپ کو

موجود ہے تو سلطان نہیں بن سکتا؟
ابو نصر نے ترک نوجوان کو پکڑ لیا، ہلستہ دربار میں، بڑے

خدمت کاروں کے حوضہ کر یا اسے اس کے کتار کو تیار کر
دیا جاتے۔

وہی کا حکم تھا ترک نوجوان کو اور شہزادہ جو اس نے
پہن کر فٹ میں لایا ترک نوجوان نے ہنس کر ہنس کر ہنس کر

مائل کر رہے لیکن ناگہان اس نے اپنے دوست سلطان

کو درد کے لیے آواز دی: "سلطان! تو دیکھ رہا ہے کہ تیرے غلام میرے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں؟"

ابو نصر نے نئے سلطان کو جھکی دی: "سلطان محترم! آپ اس معاملے میں نہ فرمیں، اس نے آداب شاہی کو بڑے عمدے رکھ دیا، اس لیے اسے منزل مٹی ہی چاہیے۔"

سلطان نے منہ پھیر لیا، گویا یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ ترک نوجوان کو قید کر دیا جائے۔

دوسرے ترک نوجوان جو ابھی تک خاموش تھے دربار کا نظرناک رنگ دیکھ کر جانے لگے۔

نوجوان سلطان نے انھیں بھی نہیں روکا۔

ابو نصر نے سلطان کو سمجھا دیا: "سلطان محترم! اب آپ سلطان ہیں اس احساس کو شدید کریں کہ دربار میں انھی کو تمام امور مرتبہ ملنا چاہیے جو اس کے اہل ہوں۔"

سلطان نے جواب دیا: "میں آپ کی باتیں سمجھ رہا ہوں اور یہ بھی کہ میں اس وقت تک سلطان نہیں ہوں۔"

جب تک دربار خلافت سے سلطانی کی سند نہیں مل جاتی: ابو نصر نے سلطان کو اندر بلائے کہ مشورہ دیا: آپ

ہاں کے پاس جائیں امدان سے کہیں کہ وہ سیدہ کو راضی کریں کہ وہ آپ کو اپنے باپ سے سلطان کی سند ملا دیں۔

سلطان نے جواب دیا: "میں ابھی بات کر دے گا۔ ابو نصر نے کہا: "سلطان! آپ ہی کو یہ بات کہنا ہے۔"

میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔"

دوسرے دن ابو نصر نے سبھی دن میں نئے سلطان کا نام خطبات میں داخل کر دیا لیکن یہ کام ساجد کے لہاموں نے خوش دل سے نہیں انجام دیا۔

ارسلان خاتون نے پہلے قرآن معاملات میں بڑی دلچسپی لی لیکن پھر آہستہ آہستہ اس کا دل بچھنے لگا۔ اسے احساس ہو

رہا تھا کہ وہ جو کچھ بھی تھی اپنے چچا طفل کے طفیل تھی جو اب منوں مٹی کے نیچے ڈاکی نیند سو رہا تھا۔

چنانچہ جب اس کی ماں نے ارسلان خاتون سے کہا: اب تیرا بندہ اور چاہا ہے حد ضروری ہے۔"

ارسلان خاتون نے جواب دیا: "لیکن اب میں بندہ نہیں جانے گی۔"

ماں نے پوچھنے ہی والی تھیں کہ آخر کیوں۔ دونوں کو بتایا کہ نیا سلطان اپنی مجلس مشاورت میں ان دونوں کی شرکت تجویز

چاہتا ہے۔ اس وقت مجلس مشاورت میں سلطان کے علاوہ

ابو نصر اور چند دوسرے امرا بھی تھے۔ وہ مادر سلطان اور ارسلان خاتون کو اپنی طرف آتے دیکھ کر احتراماً کھڑے ہو گئے لیکن

سلطان نہیں اٹھا، اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ ابو نصر نے سلطان سے درخواست کی: "یہ آپ کی ماں ہیں! آپ ان کا احترام کریں۔"

نوجوان سلطان بہ دستور بیٹھا رہا، لیکن میں سلطان ہوں اپنی محنت کا سب سے محترم اور برتر یہاں اس محل میں

سلطان سے بڑا کوئی نہیں ہو سکتا۔ ابو نصر کو غصہ آ رہا تھا کہ اس نے کس نامعقول کو سلطان

بنادیا لیکن اب تیرے کھانے سے نکل چکا تھا۔ سلطان کی ماں اور ارسلان خاتون بیٹھ گئیں تو ابو نصر اور دیگر

امرا بھی بیٹھ گئے۔ سلطان کی ماں نے بھی بیٹھ کر تمیزی کو محسوس کیا، برتر کیوں بیٹھا رہا، احتراماً اٹھا کیوں نہیں؟"

سلطان نے جواب دیا: "یہ باتیں تو بعد میں بھی ہوں گی۔ اب اس وقت تو وہ باتیں کریں جن کے لیے تم دونوں کو یہاں بلایا

گیا ہے۔"

ماں نے پوچھا: "ہیں یہاں کیوں بلایا گیا ہے؟"

سلطان نے جواب دیا: "مجھ کو بغداد سے حکومت کی سند دے گا سب سے تم لوگ سرحد کے بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ یہ

کام کس طرح کیا جائے؟"

سلطان کی ماں نے ابو نصر کی طرف دیکھا: اس نے کیا مشورہ دیا؟"

سلطان نے جواب دیا: "یہ کہ سیدہ اور ارسلان خاتون کو راضی کیا جائے۔"

ماں نے کہا: "پھر راضی کران دونوں کو، ہیں نا حق زحمت کیوں دی؟"

سلطان نے جواب دیا: "ان دونوں کو بھی تم لوگ راضی کرو۔"

دوسرا گھر میں راضی کروں گا تو بات جڑ جائے گی۔"

ماں نے حکم دیا: "سیدہ کو یہیں بلوایا جائے۔"

ابو نصر کو اس پر اعتراض ہوا: وہ ہم میں سب سے زیادہ محترم ہیں اس لیے انھیں یہاں نہ بلوایا جائے۔"

سلطان نے آنکھیں دکھائیں: "اس کو یہیں بلوایا جائے۔ اس وقت سب سے زیادہ محترم میں ہوں۔"

سبھی کو ناخبر بہ کار سلطان کی خود سری اور غرور کا احساس ہو

رہا تھا۔ ابو نصر کو اپنی عزت کا خیال تھا کہ سلطان کو سمجھانا چاہتا

تھا مگر سلطان کی بد اخلاقی سے خوفزدہ تھا۔

سلطان نے ارسلان خاتون کو حکم دیا: "جاء سیدہ کو یہیں

بکوالا:

اس سلطان خاتون نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔
وہ میں۔۔۔ یعنی میں سیدہ کو بلا سنے جاؤں؟
سلطان نے جواب دیا: ہاں، میں تجھ کو حکم دے
رہا ہوں؟

اس سلطان خاتون سے کہا: تو سلطان کیا بنا کہ دوسروں
کے مراتب اور مقام کا خیال نہیں رہا؟ میں امیر المومنین کی
بیوی ہوں۔

سلطان نے ہونصر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: یہاں
میرے دربار کا ہر شخص مجھے اپنے مرتبے اور مقام سے
آگاہ کرتا رہتا ہے۔ یہ بہت بُری بات ہے؟
ہونصر نے کہا: محترم سلطان! آپ دوڑ کر نہ چلیں،
ورنہ ٹھوکر لگے گی اندازاً۔

سلطان نے بات پوری کر دی: ورنہ ٹھوکر لگے گی اور
میں شہ کے بل ڈھیر ہو جاؤں گا۔

ہونصر نے جواب دیا: میں یہ بات نہیں کہہ سکتا، لیکن
آپ خود بہت سمجھدار ہیں؟

سلطان نے ہونصر سلطان خاتون کو ڈانٹ دیا: تو ابھی تک
یہیں موجود ہے؟ تو ابھی گئی نہیں؟
اس سلطان خاتون پاؤں چبھتی چلی گئی وہ کچھ بڑ بڑاتی ہوئی
جا رہی تھی۔

سلطان نے اپنی ماں سے کہا: تم اس کو سمجھاؤ کہ
یہ سمجھتی خاتون کے دوسرے سلطان کا دربار ہے میں اتنا
نرم دل بھی نہیں ہوں جتنے لوگ مجھے سمجھتے ہیں؟

سلطان کی ماں نے اسے سمجھایا تو اپنے سارے
ملائے بگاڑ لے گا۔ تو بھی کوئی ناراضی کر رہا ہے؟

سلطان نے وحشت بے میں جواب دیا: صورت
کے لیے سختی اور سبب مروتی بہت ضروری ہے؟

ہونصر نے عرض کیا: آپ کو اس قسم کے شوق کون
دیتا ہے؟

سلطان نے جواب دیا: کوئی نہیں میں پیدائشی سلطان
ہوں۔ میرے دل و دماغ ایسی ایسی باتیں سوچ رہے ہیں کہ
دوسرے اس کے متحمل نہیں ہوں گے؟

ہونصر نے عرض کیا: لیکن آپ خوش مزاج اور نرم
ہیں رہیں، اس کے بعد جب آپ باضابطہ اور باکمال سلطان
نہ بنائیں گے تو پھر آپ کی قسمت گیری بھی گوارا کر لی جائے گی؟

سلطان نے بے رخی سے جواب دیا: میں آپ کے

ایک شخص کا اپنے مالک
مکان سے جھگڑا چل رہا
تھا۔ اس کے اپنے دوست
سے ذکر کیا تو دوست نے
کہا میں تمہیں بتاتا ہوں اپنے
مالک مکان کو میں نے کس طرح ٹھیک کیا تھا
تم بھی وہی ترکیب آزماؤ، میں ہفتے بعد دوست
کو اس شخص کی طرف سے یہ خط ملا: میں نے
تمہارے مشورے پر عمل کیا اور اس
جے کہ وہ غبیث مالک مکان اب مجھے کسی
طرح نہیں تاسکتا۔ فقط تمہارا دوست ظفر
مکرجی جیل سے۔

بعد میں باتیں کر کے گلاب سے سیدہ اور اس سلطان خاتون سے
نفاذ ہوئی۔

ہونصر کو اپنے پاؤں تلے کی زمین سرکتی ہوئی محسوس ہو
رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا، شہزادہ سلیمان کسی طرح بھی سلطان
کا اہل نہیں ہے۔

جب سیدہ اور اس سلطان خاتون ہمیں مشاورت میں
آئیں تو سلطان سیدہ کو بڑی محنت سے دیکھنے لگا۔

ہونصر کے خوف میں اندازہ ہوتا ہوا تھا، وہ سیدہ سے
بھی شہزادہ تھا۔

سلطان کی ماں نے اسے ٹوک دیا: تو خاموش کیوں ہو گیا
کام کی بات کو اور سیدہ کو رنجست کر؟

سیدہ نے شکایت کی: بندہ اس سے یہاں تک بڑی ہو
سے عزت ہوئی ہے میں اسے زندگی بھر نہیں بھولوں گی؟

ہونصر نے غور سے اندازہ ریش اختیار کیا: محترم خاتون!
بات احساس کی ہے، ہمارے دلوں میں آپ کی بڑی عزت

ہے آپ۔

لیکن سلطان کی ماں نے ترش لہجہ اختیار کیا: سیدہ!
تم خلیفہ کی بیٹی ہو، ہم نے تمہیں جو عزت دی ہے اس کا
خیال کرو، ایسی بات مت کہو کہ ہم منفی سوچ اختیار

کر بیٹھیں؟

ہونصر نے جب یہ دیکھا کہ سیدہ سے کوئی کام کی
بات نہیں کر رہا اس نے خود بہت سے کام لیا اور سیدہ

شے بنداد روانہ کر دیں گے۔ آپ وہاں سے شہزادہ سلیمان کے نام پر دہائے سلطانی ارسال فرما دیں گی۔
ستیدہ نے کہا: میں اب محترم سے سفارش تو کر سکتی ہوں لیکن انہیں مجبور نہیں کر سکتی۔

سلطان بابر بار پلو بدل رہا تھا اور اس کی ماں ابونصر کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
ابونصر نے عرض کیا: میں آپ سے سفارش سے نیاں کی توقع رکھتا ہوں۔

ارسلان خاتون نے ابونصر کو منع کیا: وزیر محترم! آپ جو کچھ کر سکتے تھے کر چکے، اب آپ کچھ نئے سلطان کو بھی اپنے لیے کر سنے دیں۔

سلطان کی ماں نے اپنی مٹی کو ٹاٹنا شروع کر دیا۔
”تو کیا چاہتی ہے؟ کیا یہ کہ اس تخت اس حکومت پر الپ ارسلان قابض ہو جائے۔ چھ کو تو ہمارا ساتھ دینا چاہیے۔“
ارسلان خاتون نے جواب دیا: ماں! آپ کی منہ اور پیسے جا اصرار نے سلیمان کو بادشاہ بنوا دیا لیکن یہ اس کا اہل نہیں ہے۔ اور کوئی اہل اس سے وہ سب چھین لے گا جو اس کی نااہلی کے باوجود وراثت سے حاصل ہو گیا ہے۔
دعنا ہر طرف سے یہ مائیں گئے لگیں: نااہل کو ہٹا دو! اہل کو بٹھا دو!

سلطان اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور ارسلان خاتون سے پوچھا: تجھ کو زندگی عزیز ہے یا نہیں؟

ارسلان خاتون نے جواب دیا: میرے لیے موت اور زندگی کوئی معنی نہیں رکھتی، تم اپنے بارے میں کسی غلطی یا خوشی میں مبتلا نہ ہو، کل کا انتظار کرو، شاید تمہارا ساتھ نہ دے۔

نوجوان سلطان نے ارسلان خاتون کو مجلس مشاورت سے نکل جانے کا حکم دیا۔ لیکن ابونصر نے مدد لیا اور سلطان کو سمجھایا: سلطان! آپ امیر المومنین کی بیوی کو حکم نہیں دے سکتے اس طرح آپ اپنے کام کو دشوار کر رہے ہیں۔

لیکن سلطان کی ماں نے اپنے بیٹے کا ساتھ دیا۔
”ابونصر! تم یہ بھول رہے ہو کہ ارسلان خاتون خلیفہ کی بیوی بعد میں پہلے میری بیٹی تھیں۔“

ستیدہ نے ارسلان خاتون کی حمایت کی: آپ لوگ میری ماں کی بیٹی عزتی نہ کریں۔

سلطان نے اپنا فیصلہ سنایا: میں تم دونوں کو اس وقت تک بغداد نہیں جانے دوں گا جب تک تم مجھے یقین نہ

کرا پنا مانا انصیر سمجھانے کی کوشش کی: بات دراصل یہ ہے خاتون کہ شہزادہ سلیمان کو سلطان طفعل مرحوم نے اپنی زندگی ہی میں ولی عہد قرار دے دیا تھا اور اپنی بانشینی کے لیے وصیت نامہ تیار کر لیا۔۔۔“

سلطان نے ذبح ہو کر بات کاٹ دی: آپ لوگ متہد میں بڑا وقت ضائع کرتے ہیں، کام کی بات کریں اور چپ ہو جائیں پس میرا خیال ہے یہ کافی ہے۔

ماں نے بھی سلطان ہی کا ساتھ دیا: بالکل ٹھیک۔
ابونصر تم کام کی بات کر دو پس۔ اس لمبی چوڑی تہید کی کوئی ضرورت نہیں۔

ابونصر نے دونوں کو ایک ہی جواب دیا: یہ کام میرا ہے اور اس نوع کے کام میں برسوں سے انجام دے رہا ہوں آپ دونوں میرے کاموں میں دخل انداز نہ ہوں۔

ستیدہ ابونصر سے متاثر ہو رہی تھی۔ چنانچہ ابونصر کو بات کرنے کی اجازت دے دی: محترم وزیر! آپ بات کر سکتے رہیں، میں سنوں گی اور وعدہ کرتی ہوں کہ غور بھی کروں گی۔

سلطان اور اس کی ماں نے سکوت اختیار کیا اور ابونصر کو بات کرنے کی اجازت دے دی۔

ماں نے کہا: اچھا تو ہی بات کر لے ہماری طرف سے۔

ستیدہ ابونصر کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ اس عالی دماغ انسان کو شاید پہلی بار اتنے قریب سے دیکھ رہی تھی۔

ابونصر نے کھانکھار کر گلا صاف کیا: تو میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ شہزادہ سلیمان مرحوم سلطان کے حقیقی وارث اور بانشین ہیں۔

ستیدہ نے کہا: پلو میں نے یقین کیا پھر؟ میں کیا کروں اس مسئلے میں؟

ابونصر نے جواب دیا: آپ کے والد فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جب تک وہ

سند حکومت نہ دے دیں شہزادہ سلیمان کی سلطانی فضول ہے بیکار رہے۔ ان کو کوئی بھی سلطان نہیں ملے گا۔

سلطان اور اس کی ماں کو ابونصر کی آخری بات ناگوار گزری۔ دونوں نے ابونصر کو گھور کر دیکھا لیکن ابونصر نظریے نیچے کیے اپنی کتار لے۔

ستیدہ نے پوچھا: پھر میں کیا کروں؟
ابونصر نے جواب دیا: اب ہم آپ کو عزت و احترام

دلا د کہ مجھے امیر المومنین کی طرف سے سند حکومت ضرور مل جائے گی :

ابونصر کی نظریں دھڑک دیکھ رہی تھیں۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے اس سے وقفہ کے لیے یہ سب کیوں کیا تھا۔

سلطان کی ملک سے دونوں کو اپنا فیصلہ سنا دیا تو دونوں بغداد نہیں جاؤ گی۔ یہیں رہیں گے۔ اب اگر پسند کرو تو امیر المومنین کو لکھ دو کہ وہ شہزادہ سیماں کے نام سے حکومت روانہ کر دیں۔ اس کے متھے ہی تم دونوں کو بعد عزت و احترام بغداد روانہ کر دیا جائے گا :

سیدہ نے کہا : تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم دونوں اس وقت تک قید کی ہیں جب تک نیا سلطان سند حکومت نہیں حاصل کر لیتا :

وہ نے جواب دیا : مطلب یہ کہ تیرا کام ہے میں کیا کہہ سکتی ہوں ؟

سلطان نے اس کے فیصلے کی توثیق کر دی : تم دونوں آج ہی امیر المومنین کو خط لکھ دو :

سیدہ نے جواب دیا : میں اپنے باپ کو کوئی خط نہیں لکھوں گی ہاں بغداد پہنچ کر کچھ کر سکتی ہوں :

سلطان نے کہا : شیری مرضی۔ اب تو ہماری مدد مان ہے۔ معلوم نہیں کتنے دنوں کے لیے :

ابونصر اٹھ کر جانے لگا : اب مجھے اجازت دے دے جاسے کیوں کہ میری ضرورت باقی نہیں رہی :

سلطان نے ابونصر کا بھی مذاق اڑایا : یہ آپ کو کسی نے بتایا کہ آپ کی ضرورت نہیں رہی ؟

ابونصر نے جواب دیا : آپ کی باتوں نے، آپ کے رو دینے نے :

سلطان نے سمجھتے ہوئے اختیار کیا : آپ ہر فیصلہ خود کر لیتے ہیں اپنی یہ عادت بدلیں :

ابونصر سے کہا : جب تک سلطان مرحوم ہم میں موجود

تھے، پہلے ہر مسئلہ میں شور سے لیتے تھے اور ن پرکھ لیتے تھے کہ میں آپ سے بہت جلد یہ رسم ختم کر دی اور خود ہی فیصلہ کر سکتا ہوں :

سلطان کی بات سن کر اس نے اختیار کیا کہ نہیں ابونصر اتنی جلدی نہ کر د، مجاہدیت سے کام نہ لو :

ابونصر نے کہا : میں بہت جلد پہلے انسانوں کی طرح نہ دیکھ رہا ہوں کہ یہاں میرے مشوروں کی کوئی ہیئت

ایک سال کے بعد امیر المومنین نے اپنے لیے حکام کو نوکروں کے ساتھ ساتھ ابونصر کے پاس بھیج دیا :
”جنگ دیتے جاؤ“

وہ شخص جس نے کہا : ”جان توشتہ رہا چونکہ“
اور کیا ہوئی ؟

ہی نہیں :

سلطان نے پوچھا : آپ کے کس مشورے پر عمل نہیں کیا گیا ؟

ابونصر نے دونوں خواتین کی طرف اشارہ کیا : میں بار بار یہ درخواست کر رہا ہوں کہ ان دونوں خواتین کی عزت کی جائے لیکن ایسا نہیں ہو رہا :

سلطان نے ہنستے ہوئے جواب دیا : ہم ان دونوں کی بڑی عزت کر رہے ہیں۔ اب یہ دونوں ہماری نہان میں اور کس طرح اور کس قسم کی عزت کی جائے ان دونوں کی ؟
ابونصر نے افسردگی سے کہا : ”آپ جو کچھ کر رہے ہیں اچھا نہیں کر رہے۔ آپ پانی کی سطح پر آرام کر سنے کے خواب دیکھ رہے ہیں“

سلطان نے اسے بھی دھکی دیا : آپ سلطان مرحوم کے وزیر تھے لیکن یہ ضروری نہیں کہ آپ میرے بھی وزیر بنیں :

ابونصر نے خوشی کا اظہار کیا : یہ تو خوش خبری بہت میرے لیے۔ اب میں بھی تھک گیا ہوں کام کر سہ کر سہ۔ اب یہ کام کنا چاہتا ہوں :

سلطان نے ابونصر سے اس کی عمر پوچھی : اس وقت کیا عمر ہوگی آپ کی ؟

ابونصر نے جواب دیا : اسیالیس سال ایک کم پانسیس سال :

سلطان نے اس کا مذاق اڑایا : پانسیس سال سے پہلے ہی آپ تھک گئے، شوق بہت جلد ہی تھک جائے گا : ”بچہ اپنی رات کی طرف دیکھتے ہوئے کہا : کیوں ہاں ! تم خاموش کیوں ہو ؟“

سال سے کہا : تو ابونصر کو موت چھوڑ دے سلطان عادل کا زیر رو چکا ہے۔ اس لیے ہیں اس کا احترام کر لیں : سلطان نے اس کی بات پر کوئی فیصلہ تو نہیں دیا اور ابونصر کو مشہور کیا : آپ کسی بھی معاملے میں مشورہ نہ کرنا

کھتے ہیں لیکن اسے شہر نہیں مانتے۔

برص کی قوت گرانی بیسے چپن گئی۔ وہ ایک لفظ بھی
نہ کہہ سکا۔

اب برص کے حکم کو خوب محسوس کر رہی تھی وہ
کھڑی ہو گئی۔ در برص کو سینے سے لٹے ہوئے تھے۔ اسے سینے
نوم کر کے میں بچ کر سمجھا سنے کی دیکھ نہ جونی کے
برص میں مضمون نہیں کیا کچھ کہہ رہا ہے۔ آپ سمجھ دار اور
تجربہ کار ہیں۔ اپنے بچے سمجھ دانتہ دانتہ کر دیا کریں۔

اب برص نے جواب دیا: "مخزن تو ہے۔ آپ نے جو کچھ
فرمایا درست ہے۔ میں نے نہ تو اس کو کچھ دقت نہ صرف نہیں
کوسے گا۔ آپ دقت کوئی نہ لے سکتے ہیں۔"

اب یہ ثابت ہو رہا تھا کہ برص
کی سب سے بڑی بات میں اپنے بیٹے کو دیکھ کر اس قدر
قوت سے حکومت کوسے لگا ہے۔

شہزادہ میرزا شہنشاہ نے اسے دیکھا۔ اب یہ ثابت
ہو گیا کہ میرزا شہنشاہ نے اسے دیکھا۔ اب یہ ثابت
زیادہ دیکھ کر میرزا شہنشاہ نے اسے دیکھا۔

اب اس نے جواب دیا: "اب برص کی قوت کو خود مجھے
پسند نہیں لیکن یہ دانتہ دانتہ سے میرزا شہنشاہ سے
کہہ سکتے۔"

میرزا شہنشاہ نے اپنی بات پر غور کر کے وہ دست
کھینچ کر اپنے پاس لے لیا۔ وہ شہنشاہ کے پاس سے
اپنے پاس لے لیا۔

میرزا شہنشاہ نے اپنی بات پر غور کر کے وہ دست
کھینچ کر اپنے پاس لے لیا۔ وہ شہنشاہ کے پاس سے
اپنے پاس لے لیا۔

وہ میرزا شہنشاہ نے اپنے مشورے اور میرزا شہنشاہ
کی فکر میں دل و دماغ پرستہ کیے۔ میرزا شہنشاہ نے
میرزا شہنشاہ کے ہاتھ میں لے لیا۔ میرزا شہنشاہ
چند کوسے میرزا شہنشاہ کے خیمہ میں جلی شہنشاہ کی تھیں
کہ شہنشاہ نے میرزا شہنشاہ کو بیشتر کمرہ میں لے لیا۔ میرزا شہنشاہ
منہ سے

دست کے دونوں امیر و خیمات وہ اندر سے
برص کو اس کے کوسے بہرہ رکھ لیا۔ اسے شہنشاہ دیا کہ اب

دستے سلطان سے کنارہ کشی اختیار کر لے۔

اب برص نے جواب دیا: "میں نے جو کچھ کیا، غلط کیا اس
کو سمجھو اس سے ہے لیکن اب میں اس فطرت کو بنا رہا ہوں۔
باقیامان عمر رسیدہ امیر تھا۔ وہ اپنے ہر ٹولہ پر بار
زبان پھیر رہا تھا اس کی نظریں بھی سب سے قریب تھیں اور کسی
جگہ ٹھہر نہیں رہی تھیں۔"

اب برص نے کہا: "وہ سترائے مشرق وہ اب میں کیا
کہتا ہے۔"

باقیامان نے جواب دیا: "میں نے سترائے مشرق کو اس کے
مال پر چھوڑ دی اور اب سترائے مشرق کے پاس ہیں ہیں اب
اس ملک کا ساتھ دینا چاہیے۔"

میرزا شہنشاہ نے جواب دیا: "میں نے سترائے مشرق کو اس کے
مشورہ دیا کہ آپ دونوں سترائے مشرق کے پاس ہیں ہیں اب
میں رہے ہیں میں نے سلطان کو سترائے مشرق کے پاس لے لیا۔"

اب برص کو اسے دیکھا۔ اسے دونوں پر شہنشاہ شہنشاہ
دونوں سے دیکھ کر اسے سترائے مشرق کے پاس لے لیا۔ اسے
اس کی جگہ خود وزیر شہنشاہ کی فکر میں ہیں۔

باقیامان نے پوچھا: "کیا سوچتے ہو؟"
برص نے جواب دیا: "اس سے کوئی کمال میں رہے
نہیں چھوڑ سکتا۔"

میرزا شہنشاہ نے اس کے پاس سے پوچھا: "کیا یہ درست
ہے کہ یہ سترائے مشرق کی اس سے پوچھا: "کیا یہ درست
میں؟"

اب برص نے جواب دیا: "اس سے پوچھا: "کیا یہ درست
اور اس سے کوئی کیا امید کر سکتا ہے؟"

باقیامان نے جواب دیا: "اس کے مال پر چھوڑ دیا وہم
سے آپ کو ایک صاحب مشورہ دیا تھا لیکن آپ نے اس
مشورے کو قبول نہیں کیا۔"

اب برص نے کہا: "وہ سترائے مشرق میں آپ سے اختلاف نہیں کر
رہا تھا۔ میں تو آپ کو یہ یاد کرانا چاہتا ہوں کہ..."

میرزا شہنشاہ نے بات کاٹ دی کہ وہ تھا کہ کھاتا گریبان
سے تو شک سے ہم غیور اپنے اپنے طور پر جو چاہیں کیا
کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

باقیامان نے اسے اندر سے دیکھ کر نظروں ہی نظروں میں کوئی
مشورہ دیا۔ پھر وہ اس نے بہت چیت ختم کر دی۔ وہ یہ کہتے
ہوئے جانے لگے کہ اس میں ہمارا اسے میں قیام نہ لے سکتا
نہیں ہے کیونکہ ہم کسی طور بھی موجود سلطان کے ساتھ ہلاکتی

سب نے کو تیار نہیں یہ

ابو نصر نے پوچھا: یہ آپ دونوں ہر سے چھوڑ کر پہلی جائیں گے؟

اردھ نے جواب دیا: ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے۔

ابو نصر نے کہا: اگر آپ دونوں مرد جائیں تو شہزادہ الپ ارسلان سے کیسے گا کہ وہ جلدی نہ کریں، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

دونوں رے سے نکلی کر قزوین چلے گئے اور وہاں پہلا کام یہ کیا کہ الپ ارسلان کا نام خطبوں میں شامل کر دیا۔ اس خبر نے ابو نصر کو مزید شکست کا احساس دلایا۔ دوسرے امر از یاد ذہن نظر آرہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا: میری ذہانت کہاں پہنچی؟ میری کونسی فیصلہ کو کیا ہو گیا؟

شام سے ذرا پہلے ابو نصر نے نغایں بہت سے پندول شرق کی طرف بلاتے دیکھا اور اس کے دل پر چوٹ سی تھی۔ اب پند سے تک سے مرد کی طرف محور ہوا نہ تھے۔

اس کا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ اسی عالم میں قید خانے کا نگران آگیا۔ اس نے ابو نصر سے معذرت کی۔ "بناپ والا! میں نہیں جانتا کہ آپ اب بھی وزیر ہیں یا نہیں؟"

ابو نصر سوالیہ نشان بن گیا: کیوں کیا ہو گا؟

قید خانے کے نگران نے جواب دیا: ترک نوجوان جس نے آپ سے گستاخی کی تھی آڑو ہو گیا۔

ابو نصر نے پوچھا: اسے کس کے حکم سے آزاد کیا گیا؟ قید خانے کے نگران نے جواب دیا: نئے سلطان کے حکم سے۔ نئے سلطان نے قید خانے میں ترک نوجوان سے ملاقات کی اور میں حکم دیا کہ اسے رہا کر دیا جائے۔

قید خانے کا نگران مسکرا رہا تھا اور اس کی یہ مسکراہٹ ابو نصر کے دل و دماغ میں نشتر کی طرح پیوستہ ہوتی جا رہی تھی۔

اب اس کے لیے نئے سلطان سے تدارک جاری کرنا محال ہو گیا تھا اس کا ڈاؤں کنڈ رہیٹا پور کے اطراف میں تھا۔ وزارت عظمیٰ پر نائن موٹے کے بعد وہ ایک بار وہاں گیا تھا اب ہجوم دایرہ میں اسے اپنا ڈاؤں کنڈ یاد آئے گا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب وہ اپنے گاؤں کنڈ ہی چسلا جائے گا۔

اس نے نئے سلطان کی سالن کو ایک عرضداشت بھیج دی: میں اپنے باقی گاؤں کنڈ رہ جا رہا ہوں۔ سلطان کو سندھ تدارک مشیر میسر آئے ہیں میں ان کی موجودگی سے فائدہ



انہی کے آخر میں مسوینی کی پانچویں زندگی شروع ہو گئی۔ کتاب بہت مشہور ہے۔ مریم کیریا اصل مسوینی کی عیسائی پیش گوئی کی حقیقتی ہیں مگر اس لیے اسے مسوینی کو بہت قریب سے دیکھنے کے مواقع ملے۔ اپنی کتاب میں وہ مسوینی کی عجیب باتیں بیان کرتی ہے: ڈوشے (مسوینی کا مرنے والی انگوٹھی) کوئی پراسرار قوت پر مشتمل تھی جب کہ کسی کی طرف گھور کر دیکھتا تو وہ محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی نظریں دل کے پار ہوئی جاتی ہیں۔ اپنی اس قوت کا وہ بار بار فائدہ اٹھانے سے کبھی نہ ہرکتا تھا۔ کوئی بھی شخص، خواہ اس کی قوت ارادی کتنی ہی مضبوط ہو، ڈوشے سے آنکھ ملانے کی تاب نہ رکھتا تھا جب وہ دوسرے فرد کو اپنی انگوٹھوں سے غروب ہوتے دیکھتا، تو فرط مسرت سے اس کا چہرہ روشن ہو جاتا تھا۔ مسوینی کی نفرت تھی کہ اسے جتنی جلد پیش آتا تھا اتنی ہی سرعت سے وہ بھی ہرجاتا تھا۔ وہ ہمہ مد جذباتی تھا۔ ایسے مواقع پر اس کے قریب جو کوئی بھی ہوتا اسے ڈوشے کے غیظ و غضب کا نشانہ بننا پڑتا تھا۔ وہ یہ نہیں دیکھتا تھا کہ اس کے سامنے کوئی بوٹی ہے یا انسانی شخصیت، بڑی طرح تار تار تھا۔ ہر ایک طرح اسے جی غصے میں لینے کی مادت تھی۔ اچھا لگتا ہوا میں لکھا کرتی کرتا اور جو چیز ہاتھ میں آتی وہی زمین پر پھینک دیتا، مگر حدت بعد کی یہ کیفیت بدل جاتی اور مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوتی، آواز میں وہی پہلی سی نرمی آ جاتی۔ پیشانی کی غنچیں مٹ جاتیں، آنکھوں کی سرخی غائب ہو جاتی اور وہ مخاطب کے کندھوں پر آہستہ آہستہ ہنسی دیتا جس کا مطلب تھا کہ سادہ رنج و غصہ ہو گیا وہ کسی کی صفائی یا معذرت کی درخواست کرتے غصہ نہ کیا گیا۔ خواہ اسے کسی مسئلے میں اپنی غلطی کا احساس ہی کیوں نہ ہو جائے۔

ماں نے سنی اُن سستی کر دی۔ باتیں تو بعد میں بھی ہو جائیں گی۔ میں نے سوچا یہ نادرا مشیاء پہلے دیکھ لوں۔ آپ کے ذوق کی داد دینا پڑتی ہے۔ والدہ کو ذوق پایا ہے آپ نے؟

ابو نصر نے آگے بڑھ کر ایک گلدان اٹھالیا اور اسے سلطان کی ماں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: اسے میں نے کاشغر کے ایک سفیری تاجر سے خریدا تھا۔ ماں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ آپ خریدتے بھی ہیں نادرا مشیاء، خوب؟

ابو نصر بہت پریشان تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس قندہ عورت سے کس طرح بیچنا پڑے گا۔

سلطان کی ماں نے گل دان تو دیکھا نہیں تھا مگر اس نے آٹھ مہینے اور یہ کس سے اور کتنے میں خریدا تھا آپ نے؟ یہ عورت ان بھی سلطان ہی کا دیا ہوا تھا لیکن اس خیال سے کہ عورت اس کی تحفے سمائلت کی باتوں پر یقین نہیں کر رہی، جواب دیا: یہ اصفہان کے ایک ہنرمند نے مجھے دیا تھا اور وہ ہم کے بدلے یہ قیمتی چیز نہیں ہے۔

ماں نے مسکراتے ہوئے کہا: خوب! بالکل ایسا ہی عورتان میں نے سلطان کے پاس بھی دیکھا تھا۔

ابو نصر نے ٹک ٹک کر جواب دیا: دونوں کا کاریگر ایک ہی ہوگا۔

وہ ہنسنے لگی: بالکل بالکل۔ آپ لچھے وزیر ہی نہیں، لچھے حاضر جواب، بھی ہیں؟

اس کے بعد وہ ایک جگہ بیٹھ گئی: یہ چیزیں بعد میں بھی دیکھی جانتی ہیں اور میں ان کو دیکھنے دوبارہ آپ کے محل آؤں گی۔

ابو نصر کی اب جان میں جان آئی: آپ دوبارہ ضرور آئیں، آپ کی تشریف آوری میرے لیے باعث مسرت ہوگی۔

ماں نے کہا: اور ہاں، میری ایک بات ذہن نشین رہے۔ جب میں دوبارہ یہاں آؤں گی تو عمر سے کی ساری چیزیں اسی طرح اور اپنی اپنی جگہ پر دستور منا پائیں، آپ ان کو ہٹا تو نہیں دیں گے؟

ابو نصر نے کہا: یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں میں نہیں کیوں ہٹاؤں گا؟

ماں نے جواب دیا: اس کیوں کا تو میرے پاس کوئی جواب نہیں؟

اٹھا کر کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد تازہ دم ہو کر پھر حاضر ہو جاؤں گا۔

لیکن سلطان کی ماں نے اس کی عرضداشت منظور نہیں کی اور خود اس کے محل میں پہنچ گئی۔

ابو نصر اور سلطان کو غیر متوقع اپنے محل میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ آپ نے ناحق زحمت کی تپ مجھے حکم دتیں، میں خود حاضر ہو جاتا۔

سلطان کی ماں نے مزید کہ جس کمرے میں بیٹھی تھی وہ نادرا مشیاء سے پٹا ہوا تھا۔ دیوار پر جو ہتھیار سجے ہوئے تھے ان میں سلطان حشر کی حطا کردہ ایک عوار بھی تھی اور سلطان کی دل سے اس عوار کو ایک نظر میں پہچان لیا، پوچھا: یہ عوار تیسرے پاس کیسے آئی؟

ابو نصر نے جواب دیا: سلطان نے سیدہ سے متعلق خدمات سے خوش ہو کر یہ عوار تحفے میں بخش دی تھی۔ سلطان کی ماں نے آہستہ سے کہا: سچ! تب تو تم بہت خوش قسمت ہو مالاں کہ مرحوم سلطان کو یہ عوار بہت عزیز تھی۔

اس کے بعد وہ دوسری چیزیں دیکھنے لگی۔ شیشے کا ایک پیالہ جس پر شرابی میں پیالے کے مالک کی ہوازی عمر کی سالکھی تھی، سلطان کی ماں کے لیے خصوصی توجہ سبب بن گیا۔ اس نے پیالہ ہاتھ میں لے لیا: مجھے بھی طرح یاد ہے کہ اسے سلطان مرحوم کو ایک مہری تاجر نے تحفہ دیا تھا اور شاید یہ بھی آپ کو کسی خدمت کے صلے میں بخش دیا گیا ہوگا۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں؟

ابو نصر بہت پریشان تھا اس کا کلا خشک ہو چکا تھا اور آواز بچپن بچپن کر رہی تھی: ہاں جب خلیفہ اور سلطان میں کشیدگی عروج کو پہنچ گئی تھی تو میں نے حسن تدبیر سے دونوں میں ملاپ کر دیا تھا اور پھر مرحوم سلطان نے۔۔۔

بقیہ بات مادر سلطان نے پوری کر دی: یہ پیالہ آپ کو بطور تحفہ بخش دیا۔

ابو نصر کو اس کا زہر پلا بھیجہ بہت بُرا لگ رہا تھا کہ آپ میری باتوں پر یقین نہیں کر رہی ہیں؟

ماں نے جواب دیا: میں نے یہ کب کہا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں؟

ابو نصر نے انہیں نادرا مشیاء کے پاس سے ہٹانے کی کوشش کی: آپ مجھ سے کچھ بات کرنا آئی تھیں پہلے بات ہو جائے پھر یہ چیزیں بھی دیکھ لیجئے گا۔

ابو نصر نے کہا: خاتون! آپ کی اس تشریف آوری سے میں بے حد خوش ہوں۔

ماں نے جواب دیا: خوش یا ناخوش؟ دیکھیے جناب! آپ سچ ضرور بولا کریں۔

ابو نصر نے کرب ناک بیچے میں جواب دیا: تو آپ مجھے چور کے ساتھ ساتھ جھوٹا بھی سمجھتی ہیں؟

ماں نے کہا: نہیں تو، ایسی تو کوئی بات نہیں میں آپ کو نہ چور سمجھتی ہوں اور نہ ہی جھوٹا۔

وہ اتنا گھبرایا ہوا تھا کہ سب اختیار پوچھا: پھر آپ مجھے کیا سمجھتی ہیں؟

اس نے جواب دیا: ایک لائق وزیر و مدبر، ایک بہترین مشیر۔

ابو نصر نے ماں کا شکریہ ادا کیا۔

ماں نے کہا: اس وقت میں یہاں اس لیے آئی ہوں کہ آپ سے پوچھوں کہ یہ آپ اچانک کنہر کیوں جیا رہے ہیں؟

ابو نصر نے جواب دیا: میں کئی سال سے اپنے گاؤں نہیں گیا، وہاں کے گھگھے بہت یاد کرتے ہیں۔ ماں نے پوچھا: کتنے دنوں کے لیے جائیں گے؟ اس نے جواب دیا: مجھے نہیں معلوم کہ میں وہاں کتنے دن رہوں گا۔

ماں نے پوچھا: اور جب آپ اپنے گاؤں کنہر چلے جائیں گے تو یہاں آپ کی دستہ داری کون سنبھالے گا؟

ابو نصر نے جواب دیا: سلطان کو وزیروں، مشیروں کی کیا کمی! کوئی بھی سنبھال لے گا یہ دستہ داریاں۔

ماں نے کہا: لیکن میں اس وقت آپ کو کہیں بھی نہیں بلانے دوں گی۔

ابو نصر نے عرض کیا: محترم خاتون! آپ مجھے جانے دیں صحت رکھیں۔

ماں نے جواب دیا: آپ اپنا متبادل کسے دیں اور شوق سے چلے جائیں میں اعتراض نہیں کروں گی۔

ابو نصر نے کہا: سلطان کے پاس وزیر اور مشیر صحت موجود ہیں۔

ماں نے کہا: اگر یہ بات سب سے توان وزیر یا مشیروں سے میری ملاقات بھی کرادیں۔

بو خسنہ جواب دیا: اب یہ میں کر سکتا ہوں۔

ماں سے کھٹکتے ہوئے ہوئے کہا: پھر میں میرے

ساتھ مجھان سے طواریں اور چلے جائیں اپنے گاؤں۔

ماں نے ابو نصر کو ساتھ لیا اور اپنے محل مداحہ پر گئیں۔ یہ ابو نصر کی خوش قسمتی تھی کہ اس وقت سلطان کے پاس وہ ترکہ نوجوان موجود تھا جس کو ابو نصر کے حکم سے قید اور بادشاہ کی ذاتی دلچسپی سے رہائی حاصل ہوئی تھی۔

سلطان، نوجوان ترکہ اور ابو نصر نے جگہ تک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا: آپ اس کو یہاں میرے پاس دیکھ کر پریشان کیوں ہیں؟

ابو نصر نے جواب دیا: میں ذرا بھی پریشان نہیں۔ یہ آپ نے کس طرح سمجھ لیا کہ میں پریشان ہوں؟

سلطان نے کہا: اس ترکہ نوجوان کو آپ کے حکم سے قید کر دیا گیا تھا۔

ابو نصر نے جواب دیا: شاید۔

ماں نے سلطان کو ڈانٹا: یہ کیا فضول باتیں شروع کر رہی اس وقت میں تیرے پاس۔

سلطان نے ماں کو مطلع کیا: ماں! اس جگہ میں سلطان پہلے آپ مجھ سے اس طرح باتیں نہ کریں۔

ترکہ نوجوان اپنی جگہ سے اٹھ کر ابو نصر کے پاس جا بیٹھا۔ مجھ کو سلطان کے پاس دیکھ کر تم پریشان کیوں نہیں ہوئے؟

ابو نصر نے جواب دیا: اس لیے کہ تو میرا سٹنڈ نہیں ہے جس کا سٹنڈ ہے وہ خوش ہر یا ناخوش مجھے کیا؟

نوجوان ترکہ نے کہا: میں نے سلطان کو پھوپھی سمجھایا ہے کہ یہاں دربار میں جب تک تیرے جیسا سودی موجود ہے میرا دوست سلطان ہی نہیں کر سکتا۔

ابو نصر نے ترکہ نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سلطان کی ماں سے کہا: سلطان کا ایک وزیر یا مشیر یہ بھی ہے۔

ماں نے سلطان سے پوچھا: یہ کون ہے؟

سلطان نے جواب دیا: ابو نصر نے اس کا تعارف کرادیا۔

ماں نے اس نوجوان کو ہزاری اور سب سے دل سے دیکھا۔ ابو نصر نے اپنی درخواست پیش کر دی: اب تو آپ مجھے کدہ بلانے کی اہوازت مرحمت فرمادیں گی۔

ماں نے یہ درخواست پھر ستر و کر دی: نہیں ابھی ترکہ نہیں بلانے گا۔

نئے سلطان کو جب ابو نصر کی درخواست کا علم ہوا تو

اس نے فوراً ایازت سے دی: آپ کدو سپلے جائیں
کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ مجھ میں خود اعتمادی پیدا ہو جائے۔
لیکن میں نے اپنے بیٹے کو آنکھ دکھائی: "تو کیا نامیجہ
اورنا تجھے کارسلطان ہے، میں اب نصر کی محنت ضرورت ہے۔"
سلطان نے اب نصر کو مال کے حوالے کر دیا: اب نصر!
میری مال کو آپ کی ضرورت ہے، آپ میری مال کے ذریعہ
بن جائیں۔

نوجوان ترک زور زور سے ہنسنے لگا: "خوب خوب!
بہت اچھا خیال ہے آپ کا۔"

اب نصر اور سلطان کی مال نوجوان ترک کو بالکل پسند
نہیں کر رہے تھے لیکن فی الحال یہ بے بس تھے۔

جب اب نصر سلطان کی مال سے باتیں کر کے اپنے
محل جارہا تھا تو اس نے ایک گھڑسوار کو اپنی طرف آتے
ہوئے دیکھا لیکن قریب آتے پر پتا چلا کہ اس کے ساتھ تین
سوار اور میں سینئر جوان ترک تھا اور بقیہ تین اس کے
ساتھی۔ اس نے ان پیادوں سے بچ کر محل جانے کی کوشش
کی لیکن ترک نوجوان نے اپنا گھوڑا اب نصر کے پاس روک دیا۔
اب اب نصر بھی رگ جانے پر مجبور ہو گیا۔

ترک نوجوان مسکرا رہا تھا۔ اپنا گھوڑا اب نصر کے گھوڑے
سے ملا کر پوچھا: مجھے نئے سلطان کے پاس دیکھ کر تم حیران
نہیں ہوئے؟

اب نصر نے جواب دیا: "نہیں، میں بالکل حیران نہیں ہوا،
ترک نوجوان نے پوچھا: کیوں؟ حیران کیوں نہیں
ہوئے؟"

اب نصر نے جواب دیا: "نا تجربہ کار سلطان نہیں جانتا
کہ زہ جو کچھ کر رہا ہے کس حد تک معقول ہے، اور کس حد
تک نامعقول ہے۔ اس لیے وہاں سے جو کچھ بھی صادر ہوگا،
میں اس سے پریشان یا حیران نہیں ہوں گا۔ اب میرا راستہ
چھوڑ دو، مجھے یہ انداز بالکل پسند نہیں۔"

ترک نوجوان نے شرمندہ ہونے بغیر کہا: اس وقت
نیک کی عمر کیا ہوگی؟

اب نصر نے جواب دیا: اب عمر جاننے کی ضرورت
بیش آگئی؟

ترک نوجوان کا لہجہ ایک دم بدل گیا: آپ کی عمر سے
مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں، میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ
بہت جلدی زندگی باقی ہے اس کی قدر کریں۔

اب نصر نے پھر وہی بات کی: میرا راستہ چھوڑ دو، مجھے

جاننے دو۔

ترک نوجوان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی: میں کیا کہہ رہا
ہوں، اس کا جواب دیں۔

اب نصر نے اپنا گھوڑا آگے بڑھانا چاہا تو ترک نوجوان
کے ساتھی اپنے گھوڑے اب نصر کے سامنے آئے اب نصر
کو پھر رگ جانا پڑا۔

ترک نوجوان کسی سے باہر مورہا تھا: میں تجھ سے
احترام سے بات کر رہا ہوں اور تو مجھے ذلیل کیے جا رہا ہے۔
ایک ترک گھوڑے سے اتر پڑا: نیچے آ جا، تاکہ ساری
باتیں ہمیں اسی وقت ہو جائیں۔

ترک نوجوان اپنے بالی ساتھیوں سے بہت گھوڑے سے اتر
پڑا اور ایک چبوترے کی طرف بڑھا اب نصر سے کہ: یہ وہاں
چبوترے پر بیٹھ کر باتیں کریں۔

لیکن اب نصر گھوڑے سے نہیں اتر اور کہا: کون سی
باتیں ہیں تو باتیں نہیں کرنا چاہتا۔

نوجوان ترک کو غصہ آ رہا تھا: میں جو کہہ رہا ہوں
تجھ کو مجھ سے بات کرنا ہوگی۔

ایک ترک نے اب نصر کو گھوڑے سے بچنے پر کہنے
آگیا اور کہا: یہ بد تمیزی اور بد تمیزی ہے کہ ہمارا دوست
ہمارا سردار تو گھوڑے سے نیچے آ گیا اور تو گھوڑے کی پشت
سے باتیں کر رہے۔

اب نصر نے جب یہ مسوئی کیا کہ وہ نیچے گرا لیا جائے
گا تو خود نیچے آ گیا۔

ترک نوجوان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا: میں پوچھتا ہوں
کہ اتنا گفت کیوں؟

اب نصر نے جواب دیا: میں محنت نہ کر رہا ہوں
میں میرا راستہ روک کر روک رہی۔

ترک نوجوان اس کو کہنے پر چبوترے تک لے گیا۔
دوسرے ترک سپاہیوں نے اب نصر کو دھتکے دیے۔

اب نصر نے مزاحمت ترک کی اور چبوترے تک
خاموش رہا۔

ترک نوجوان پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا اور اب نصر سے پوچھا:
"میں یہ پوچھتا ہوں کہ تو میری مخالفت کیوں کرتا ہے؟"

اب نصر نے جواب دیا: حکومت تجھوں کا نہیں ہے،
یہ تو جیسی حکمرانی کر رہا ہے۔

ترک نوجوان نے اب نصر کا منہ دبایا: بچوں کا کہیں
ہو یا نہ ہو مگر نوجوانوں کا کہیں ضرور ہے۔

ابو نصر نے اپنا منہ چھڑکنے کی کوشش کی۔
ترک نوجوان بڑا ناروا و ترسنے مجھے قید کر دیا لیکن
میں باہر آ گیا۔

ابو نصر نے کہا: پھر شکایت کیسی؟ بات ختم ہو گئی و
ترک نوجوان نے اس کا منہ چھوڑ دیا اس وقت ترک
میرے قمار میں بیٹے میں چاہوں تو تجھے قتل کر دوں۔
ابو نصر نے جواب دیا: تو جو چاہے کر سکتا ہے لیکن اس
سے تجھ کو حاصل کیا ہو گا؟

ترک نوجوان نے اپنے ساتھیوں سے کہا: دوستو!
کیا خیال ہے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

لیکن دوستوں کی طرف سے ابھی کوئی جواب نہیں ملا تھا
کہ سامنے سے سلطانی فوج کا ایک دستہ آ گیا اس نے ابو نصر کو
اس سال میں دیکھا تو مدد کے لیے آگے بڑھا۔

ترک نوجوان اور اس کے ساتھیوں نے وقت کے
نزاکت محسوس کی اور بھاگ بھاگ کر اپنے گھوڑوں
پر سوار ہوئے اور راہ فرار اختیار کی۔

دستے کے امیر نے پوچھا: وزیر محترم! یہ کیا معاملہ
ہوا؟

ابو نصر نے جواب دیا: کیا بتاؤں یہ کون تھے؟

دستے کے امیر نے پوچھا: یہ کیا پلہ ہوتے تھے؟

ابو نصر نے جواب دیا: مجھے دھمکیاں دے رہے
تھے کہ میں نے سلطان کو ایسے مشورے نہ دوں جن سے
میں کو نقصان پہنچے۔

دستے کے امیر نے وزیر کو اس کے گھوڑے پر بٹھایا
اور پھر اپنی حفاظت میں اس کے محل تک پہنچا دیا۔

ابو نصر نے اس کا شکریہ ادا کیا مگر نے کہا: آج کل
بظلمی عروج کو پہنچی ہوئی ہے آپ ذرا متامل رہیں۔

ابو نصر نے بیٹے سے اس کا اقرار کیا: میں نے ایک
محنت کے باز میں آ کر ایک ناجبر بے گناہ اور نا اہل کو سلطان بنا
دیا یہ اسی کی منشا تھی کہ ہم ہوں؟

فری دستہ چلا گیا اور ابو نصر محل میں بیٹھ کر سوچنے لگا کہ
آخر باب ہو گا کیا؟

چند ساتوں بعد ہی سلطان کی ماں کی طرف سے ابو نصر
کا بلاوا آ گیا اسے فوراً ہی حاضری کا حکم دیا گیا تھا۔

ابو نصر کو یقین ہو گیا کہ ترک نوجوان نے کچھ سے کچھ
لکائی ہوئی، شاید اسی لیے اس کو طلب کیا گیا ہے۔ اس نے
سلطان کی ماں کے ہر کار سے ستہ کہہ دیا کہ میں دربار میں نہیں آؤں

لگا مار محترم کو بتا دو کہ میں وزارت سے مستعفی ہو رہا ہوں۔
ہر کار سے ستہ اصرار کیا مجھے معلوم ہوا ہے کہ بہت
پریشان ہیں آپ اپنا یہ جواب دہاں چل کر دہرا دیں۔

وزیر نے کہا: میں جانتا ہوں کہ وہ کیوں پریشان ہیں اور
یہ بھی جانتا ہوں کہ مجھے کیوں بلایا گیا ہے۔

ہر کار ایک ہی بات کہتا رہا: آپ میرے ساتھ چلیں۔
میں آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا کیوں؟ بعد کو ہی حکم دیا گیا
چھکے ہیں آپ کو اپنے ساتھ لے کر آؤں؟

ابو نصر نے سوچا کہ اگر اس نے مزاحمت کی تو اس کے
نتائج بہت بُرے نکلیں گے مگر یہ ہے کہ ترک نوجوان اپنی
کوششوں میں کامیاب ہو چکا ہو۔

ابو نصر اندر گیا اور سر سے پاؤں تک کفن میں لپیٹ کر
باہر آ گیا اور کہا: چل چل چلے ہوں۔

سلطانی ہر کار سے ستہ وزیر کو اس حال میں حیرت سے
دیکھ کر پوچھا: یہ کیسا ہے؟

ابو نصر نے جواب دیا: تو مجھے بلانے آیا ہے میں تیرے
ساتھ چل رہا ہوں کیا یہ کافی نہیں ہے؟

ہر کار چپ ہو گیا لیکن وہ دم بخود محترم سولہ نشان
بتا رہا تھا۔

شاہی محل تک ابو نصر کو جس نے بھی اس محلے میں
دیکھا وہ حیران بھی ہوا اور مسکرایا بھی۔

سلطانی محل کے دربار اور میرے دار بھی وزیر کو
اس محلے میں دیکھ کر پریشان اور فکر مند ہو گئے۔

اندر سلطان کی ماں کو اس اظہار کی گئی کہ وزیر ابو نصر
کفن میں لپٹا ہوا حاضری کا طالب ہے۔

سلطان کی ماں محل کے باہری دروازے تک وزیر کے
استقبال کو پہنچی اور اسے اپنے ساتھ اندر لے گئی۔

ماں نے وزیر کو اپنے خالی کمرے میں بٹھاتے ہوئے
کفن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ سب کیا ہے؟

اس نے جواب دیا: میرا کفن ساتھ میں سنتے ہی لپٹ کر
ہے کہ انب میں سبب بھی محل سے باہر نکلیں گا اس کفن میں
لیٹ کر نکھول گا؟

سلطان کی ماں سبب پریشان اور گھبرائی ہوئی نظر
لے رہی تھی: میں نے تجھ کو فوراً بلایا تھا اور تو تاخیر سے آیا۔
آخر کیوں؟

ابو نصر نے عرض کیا: پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ نے
مجھے کیوں بلایا ہے؟ اس کے بعد میں بھی سب کچھ بتا دوں گا۔

مادر محترم! الپ ارسلان نے بھی شہزادہ سلیمان کی باوثاہت کو تسلیم نہیں کیا ہے چچا موسیٰ کو بھی مقابلے پر آ رہا ہے۔
مال کے بہنے سے اور سان بھی خطا ہو گئے پھر اب کیا ہوگا؟

ابونصر نے جواب دیا: ان مسائل کا آپ کو اندازہ ہونا چاہیے تھا مجھے تو تھا۔

مال نے درشت لہجے میں پوچھا: میں پوچھتی ہوں کہ اب کیا ہوگا؟

ابونصر نے جواب دیا: مادر محترم! حکومت کچھ بڑی ہوتی ہے۔ قربانیاں مانگتی ہے۔ اب میں اس شرط پر وزارت عظمیٰ کا منصب قبول کروں گا کہ میرے معاملات میں کوئی مداخلت نہ کرے۔ میں سیاہ کروں یا سفید آپ خاموش رہیں۔ سلطان بھی خاموش رہے۔

مال نے جواب دیا: سبھی تیری یہ شرط منظور ہے اور کچھ؟

ابونصر نے کہا: اور یہ کہ ترک فوجوں کو قید کر دیا جائے ورنہ وہ ہمارے کاموں میں دخل ڈے گا۔

مال نے جواب دیا: یہ بھی منظور اس پر بھی عمل ہو جائے گا۔

ابونصر نے درخواست کی: یہ ساری باتیں سلطان کی موجودگی میں ہونی تو بہتر تھا۔

مال نے کہا: میں سلطان کو بھی یہیں بلوا لیتی ہوں تاکہ یہ معاملات اسی وقت طے پا جائیں۔

مال نے اسی وقت سلطان کو بھی وہیں بلا لیا۔ اس نے ابونصر کو سر سے پاؤں تک کفن میں لپٹا ہوا دیکھا تو اسے ہنسی آگئی۔ بے اختیار زور زدہ سے ہنستا رہا۔

مال نے اسے ڈانٹ دیا: کیا پاگلوں کی طرح ہنس رہا ہے۔ کچھ تعجب کو رہتا بھی ہے کہ تیرے اور تیری حکومت کے خلاف کیسے کیسے فتنے سر اٹھا رہے ہیں۔

سلطان نے بمشکل ہنسی پر قابو پایا۔ پوچھا: کیا ہوا؟ کیسے فتنے؟

مال نے جواب دیا: تیرے وہ چچا موسیٰ بیخوار اور قتلش تیرے خلاف فوجیں لے کر آ رہے ہیں۔ وہ تجھ کو سلطان نہیں مانتے۔ تیرا بھائی الپ ارسلان بھی رے پر فوج کشی کرنے والا ہے۔

سلطان ذرا بھی نہ گھبرا یا۔ مال! یہ سب افواہیں ہوں گی اور یہ کفن پوش ان کا راوی ہوگا، یہ بہت چالاک ہے۔

مال نے جواب دیا: ابھی ابھی رے کی شمال سرحدوں سے یہ خبر آئی ہے کہ سلطان کو چچا قتلش اپنے شکر جوار کے ساتھ ہماری طرف آ رہا ہے۔
ابونصر نے پوچھا: آخر کیوں؟

مال نے جواب دیا: اس نے میرے بیٹے سلیمان کو اپنا سلطان نہیں تسلیم کیا۔

وزیر نے اپنے ذہن پر زور دیا اور سوچنے لگا کہ اس کا کس طرح تدارک ہو؟

سلطان کی مال نے اس کی تعریف و ترمیم میں قیید شروع کیا: حق نے محسوس کیا ہے کہ تیرے ساتھ زیادتیاں ہو رہی ہیں۔ میں ان کا انکار کر دیتی ہوں۔

ابونصر نے مشورہ دیا: اگر قتلش نے حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیا ہے تو پھر اس کا مقابلہ کیا جائے۔ جس زبان میں وہ بات کر رہا ہے اسی زبان میں اس سے بات کی جائے۔ میں نے کہا: لیکن میرا بیٹا سلیمان تو جنگ و جدل کا کوئی تجربہ بھی نہیں رکھتا۔ وہ کس طرح مقابلہ کرے گا؟

ابونصر نے جواب دیا: مادر محترم! سلطان کے دوستوں میں ایسے لوگ ہیں جو چچا قتلش کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

مال نے سر دھاک بھری: لیکن میرے علم میں تو ایک بھی ایسا نہیں ہے جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

ابونصر نے جواب دیا: حکومت کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس میں حیرتوں کا مقابلہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ ابھی دھڑکے اٹھ رہی چڑچڑی دھڑکی گئی ان کا بھی مقابلہ کرنا پڑے گا۔

مال نے کہا: ہم نے تجھ کو وزارت کے منصب پر برقرار رکھا کہ جو احسان کیا ہے اس کا کچھ تو بدلہ دے۔

ابونصر نے اپنے کفن کی طرف اشارہ کیا: مادر محترم! یہ کفن میں نے اسی لیے زیب تن کر رکھا ہے آپ مجھ کو قتل کر دیں کیوں کہ اب میں اس منصب کا اہل نہیں رہا۔

مال نے اندازہ کیا وہ تو کھڑی نا کھڑی باتیں کہیں کر رہا ہے۔ تیری باری کا کوئی سبب تو معلوم ہو۔

ابونصر نے ترک فوجوں کا واقعہ منادیا: وہ سلطان کا بچپن کا دوست ہے اور خود کو زیادہ با اختیار اور طاقت مند سمجھتا ہے۔ آپ اس سے کہیں کہ فوج تیار کرے اور چچا قتلش کا مقابلہ کرے۔

قتلش یہاں سے یقین دلایا: میں اسے دوبارہ قید کر دوں گی تو رے کے ذائقہ کی تیاری کر۔

ابونصر نے عرض کیا: آپ کس کس محاذ پر مقابلہ کریں گی؟

لوں گا:

ماں نے کہا: پھر وہی فضول، بے سرو پایا اور بے جکی باتیں۔ اگر تو جس کچھ نہیں سمجھتا تو میں بھی تجھ کو ایسے مل پر چھوڑ دوں گی۔

سلطان نے جواب دیا: عیسیٰ آپ کی مرضی، میں کیا کر سکتا ہوں؟

ماں رونے لگی: میں نے تجھ کو بڑی آوارہلوں سے سلطان بنوایا اور اب تو میری جاں نشانی اور محنت کو خاک میں ملا دینا چاہتا ہے؟

سلطان سنہ جواب دیا: میں نے آپ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی اے آپ ایشہ پریشان کر رہی ہیں؟

ماں نے اسے صاف صاف بتا دیا: میں نے ابوالنضر کو مکہ لے دیا ہے کہ وہ ترک نو جوان اور اس کے ساتھیوں کو قید کرے۔

سلطان تھلاسنے لگا: یہ آپ نے کیا کر دیا؟ اور وہ اسی وقت مل کے پاس سے اٹھ کر ترک نو جوان کے گھر روانہ ہو گیا۔

﴿

اب اسلان مر میں تھا کہ اسے اپنے چچا ملغرل کا تابوت ملحق ہوا ابوالنضر، شہزادہ سلیمان اور اس کی مل کی طرف سے اب اسلان کو مطلع کیا گیا تھا کہ سلطان الملرل کی یہ خواہش تھی کہ اسے بھائی داؤد چغری کے پلو میں دفن کیا جائے۔

اب اسلان نے اپنے مہر چچا کی خواہش پوری کر دی، اور اسے داؤد چغری کی قبر سے منتقل دفن کر دیا۔ جو لوگ میت کا تابوت لے کر آئے تھے وہ بھی اب اسلان کے مکان تھے۔ اب اسلان نے بات کو رسے کے مانند دھندلے کے اعزاز میں دعوت دی اور جب لوگ جمع ہو گئے تو وہاں میسے جیسا سماں بندھ گیا۔

اب اسلان نے وفد کے ایک اچھی عمر سپاہی سے پوچھا: اسے شمس! اللہ تجھے مہربانی اور برکت سے نوازے کیا تو بتا سکتا ہے کہ ابوالنضر رسے میں کیا کر رہا ہے؟ سپاہی نے جواب دیا: جب میں وہاں سے چلے ہوا اس وقت ابوالنضر شہزادہ سلیمان کو سر عدا رے سے سلطنت کرنے کی نگر میں گرفتار تھا۔

اب اسلان سنہ پوچھا: وہ کس طرح؟ شہزادہ سلیمان تو اس منصب کا سزاوارا ہے۔

ابوالنضر نے شاکی نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔ ماں نے غامس اور شست ہیرا اختیار کیا: یہ سب تجھ کو میں بتا رہی ہوں، افواہیں نہیں واقعی اور سچی خبریں ہیں۔ سلطان کو اپنی ماں کی باتیں بھولی لگ رہی تھیں۔ میں کس طرح یقین کروں کہ جس بات کا فیہ لہر چچا ملغرل نے وصیت نامے کی صورت میں کر دیا ہو اس سے میرے چچا اور بھائی اختلاف کریں؟

ماں جھٹلا رہی تھی کہ اس کا بیٹا اتنا احمق کیوں ہے؟ ابوالنضر نے سلطان کی ماں سے کہا: جب ایک بات سلطان کی سمجھ ہی میں نہیں آ رہی تو آپ انھیں کس طرح یقین دلا میں گی؟

ماں نے ابوالنضر کو اپنی طرف سے اختیارات دے دیے: بائیری طرف سے تو خود مختار ہے بھلا اس حکومت سلطان اور میرے لیے مناسب ہو کر میری طرف سے تجھ کو اجازت ہے؟

سلطان سنہ ابوالنضر کو سمجھایا: میری باں تجھ کو جو اختیار دے رہی ہے اس جیٹا اختیار میں میرے دوست احباب بالکل نہیں آتے۔

ماں شیرنی کی طرح بچہ کر کھڑی ہو گئی: اس کے حیلہ اختیار میں تو بھی سہے اور میرے دوست احباب بھی۔ ابوالنضر تیرے دشمنوں سے جنگ کرے گا؟

سلطان سنہ پروائی سے جواب دیا: ابوالنضر میرے دشمنوں سے جنگ کرے گا تو اس میں بحال کیا بات ہوگی یہ مجھ پر حسان تو نہیں کرے گا۔ یہ ہمارا دزیر ہے اور ہمارا دناغہ اور ہماری حفاظت اس کا فرض منصبی ہے۔

ماں کے خستہ اور جھٹلا ہٹ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اس سنہ ابوالنضر کو حکم دیا: اب تو جاسکتا ہے کہ جو مناسب سمجھتا کرارہ، ہماری طرف سے کسی قسم کی مداخلت نہیں ہوتی؟ ابوالنضر نے سلطان کی طرف دیکھا: اور یہ ہیں ان سے ڈرتا ہوں؟

ماں نے جواب دیا: تو اس سے بالکل نہ ڈر میں اسے سنبھال لوں گی؟

جب ابوالنضر چلا گیا تو ماں سلطان کو سمجھانے لگی مجھ کو ڈر ہے کہ تو ایک شاکیک دن اپنی نادانی اور نا تجربہ کاری سے اپنی حکومت ضائع کر دے گا؟

سلطان نے اپنی ماں کا مذاق اڑایا: یہ آپ منفی ہوی کیوں رکھتی ہیں آپ مجھ پر بھروسہ کریں، میں سب ٹھیک کر

خواجہ حسن نے پوچھا: کیا اس دلچسپ کھیل میں
میں بھی حصہ لے سکتا ہوں؟

الپ ارسلان نے جواب دیا: کیوں نہیں آپ بھی
شریک ہو جائیں؟

خواجہ حسن نے دیوار پر پانچ نشانات اور لگائیے۔
نورالدینک شاہ کے آئینہ میں تیر تھان تھے۔

الپ ارسلان نے ملک شاہ سے کہا: بیٹے ان پر
نشانے لگاؤ۔

ملک شاہ نے پوچھا: پہلے کس نشان کو نشانہ بنائوں؟
الپ ارسلان نے جواب دیا: جو جس نشان کو بھی پسے

نشانہ لگاتو۔

ملک شاہ کچھ دیر سوچا رہا اور پھر اس نشان پر نشانہ
لگایا جو دیوار پر سب سے دور تھا۔ نشانہ ٹھیک لگا۔ الپ ارسلان

اور خواجہ حسن نے بالیاں بکرائیں۔

ملک شاہ کا دوسرا نشان وہ نشان تھا جو پہلے نشانہ سے
قریب تھا۔ اس کا یہ نشانہ بھی درست ثابت ہوا۔

ایک بار پھر تالیوں کے شور سے فضا گونج گئی۔
تیسرا نشانہ دوسرے نشان سے قریب نشان پر

ٹھیک ٹھیک لگایا گیا۔ یہ تھا اس سے قریب کے نشان
پر اور پانچواں سب سے قریب نشان پر۔

خیزا دے کا ہر نشانہ بالکل درست تھا۔
الپ ارسلان نے اسے گود میں اٹھالیا لیکن شہزادہ

جیل کر گود سے نیچے آگیا۔

خواجہ حسن بھی شہزادے کی دھڑکنے سے بے ہوش
نوش تھا۔ اس نے الپ ارسلان سے سرگوشی میں کہا۔

”پودے کے چکنے چکنے سے اس بات کی نشاندہی کر رہے
ہیں کہ درخت شاندار ہو گا۔“

الپ ارسلان نے شہزادے سے کہا: بیٹے اتیری
ایک بات تیری سمجھ میں نہیں آتی۔

شہزادے نے معصومیت سے باپ کی طرف دیکھا۔
مکون سی بات؟

الپ ارسلان نے کہا: تو نے جس ترتیب سے
نشانوں پر نشانے لگائے ان کا کوئی خاص مقصد تھا یا نہ

ذہن میں؟

شہزادے نے جواب دیا: باوجود جان! میں جو کام بھی
کرتا ہوں اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔

الپ ارسلان نے پوچھا: اس کا کیا مقصد تھا؟

سپاہی۔ نہ جواب دیا۔ وہ اہل ہویا نہ ہو لیکن میں
نے سنا ہے کہ مرحوم سلطان نے شہزادہ سلیمان ہی کے

حق میں برصیت کر دی تھی؟

الپ ارسلان فرط جوش میں چلا آیا: لیکن دنیا مانتی
ہے کہ اس کا اہل نہیں ہے۔ اب نصر تو سبھ دار اور جہانگیر

سبھ اس نے مرحوم سلطان کی نامعلوم وصیت پر کیوں عمل کیا؟
کیا سلیمان ہی وصیتوں کو مقابلہ کر لے گا جواب اس کے

خلاف بیا ہونے والی ہے؟

ایک سپاہی اس سوال کا جواب دے سکا تھا۔

الپ ارسلان: یعنی شیر دل اور اکتیس سال کی عمر میں
ایک ایسے چور سے پر کھڑا تھا جس کے سامنے اس کا چچا

قتل مش دوسرے راستے سے چھاوڑی دینا تھا ایک سمت
سے اس کا نالائق اور نا اہل بھائی سیول اس کا راستہ روکے

کھڑا تھا۔ الپ ارسلان خوب باتا تھا کہ مرحوم سلطان
سنا اس کی حق تلفی کی ہے۔

خواجہ حسن نے اپنے ولی نعمت کو فکر دار غمگین دیکھا
نہ اس کی وجہ سمجھ گیا لیکن وہ اس وقت تک کوئی مشورہ نہیں

دے سکا تھا جب تک الپ ارسلان خود اس سے مشورہ
نہ چاہتا۔

الپ ارسلان کا بیٹا ملک شاہ اس کے پاس ہی اپنے
چھوٹے سے تیر تھان سے دیوار کے ایک نشان پر نشانے

لے رہا تھا اس کو اپنے باپ کی فکرندی سے کوئی واسطہ
نہ تھا۔

الپ ارسلان کو اپنے بیٹے پر بڑا پیارا رہا تھا اس نے
کئی بڑے کردیوار پر کئی نشان مزید لگوائے اور اپنے نورسل

بیٹے سے کہا: ان نشانوں کے بارے میں تو کیا جانتا ہے؟

ملک شاہ سمجھا اس نشان کے کھیل کو شاید اس کا باپ
بھی بہت پسند کرتا ہے۔ جواب دیا: میں جس نشان پر تیر اندازی

کر رہا تھا اسے اپنا دشمن سمجھ رہا تھا۔

الپ ارسلان اپنے بیٹے کے جواب سے بہت خوش
ہوا۔ خوب خوب؟

اس وقت الپ ارسلان کو مطلع کیا گیا کہ خواجہ حسن ماذنیہ
باریابی چاہتا ہے۔

الپ ارسلان نے خواجہ حسن کو بھی بلوایا۔

جب خواجہ حسن اپنے آقا اور ولی نعمت الپ ارسلان

سے ملا تو انہیں اس حال میں دیکھا کہ اکتیس سالہ باپ اپنے

نورسل بیٹے کے ساتھ تیر اندازی کا کھیل کھیل رہا تھا۔

شہزادہ سے ملنے کے لیے آیا: میں نے ان پانچ نشانوں کو اپنا دشمن تصور کیا تھا؟

اب اس سلطان سے میں تھا شہزادہ کی نفسی کیفیت جاننے کے لیے: پھر پھر، یعنی پھر؟

شہزادہ سے جواب دیا: میں نے سب سے پہلے اپنے دور کے دشمن کو نشانہ بنایا، اس کے بعد اس سے قریب پر پھر اس سے قریب پر اس طرح نشانے لگاتا ہوا قریب کے دشمن تک آگیا۔

اب اس سلطان نے کہا: لیکن میرے خیال میں یہ دشمنوں پر حملہ دہی کی صحیح حکمت عملی نہیں تھی؟

شہزادہ نے ٹھپ کر جواب دیا: بادشاہان! یہی درست حکمت عملی تھی؟

باب نے پوچھا: وہ کیوں کر؟ کس طرح؟

شہزادہ سے جواب دیا: وہ اس طرح کہ اگر تیرے اپنے قریب ترین دشمن کو نشانہ بناتا تو ان اپنے قریب ترین دشمن کے پاس پناہ لے کر مدد کا طالب ہوتا اور دوسری بار مجھے دو دشمنوں کا سامنا کرنا پڑتا، تیسری بار تین دشمنوں کا اور چوتھی بار چار دشمنوں کا۔

اب اس سلطان نے پوچھا: اور آخری بعید ترین دشمن کو نشانہ بنا کر تجھ کو کیا فائدہ حاصل ہوا؟

شہزادہ سے جواب دیا: بعید ترین دشمنوں کو شکست دے کر میں نے یا تو دشمن کو ہلک کر دیا اور اگر ہلک نہیں کر سکا تو اسے شکست دے کر کہیں بہت دور بھیج دیا اور اپنے دوسرے دشمنوں کو خوف زدہ کر دیا، ان خوف زدہ دشمنوں کو شکست دینا نسبتاً آسان کام ہو گیا ان کے راہ فرار بند کر دی گئی اب وہ یا تو میری اطاعت قبول کر لیں گے اور یا پھر قتل ہو کر مر جائیں گے اور آخر میں گئے؟

نوسالہ بیٹے کے شاندار تجربے سے اب اس سلطان اور خواجہ حسن کو یقین مل گیا: واہ، سبحان اللہ! شہزادہ نے کونسا چرچہ کیا؟

خواجہ حسن شہزادہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ چیرتا رہا۔

اب اس سلطان نے شہزادہ کے منہ پر ہوسہ دیا: شہزادہ کے تجربے سے میں نے یہی چھوٹی جہت سے نہیں؟

شہزادہ نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

پھر وہی باب اس سلطان سے شہزادہ کو اندر رکھنے میں بھیج دیا اور خواجہ حسن سے کہا: اللہ اس شخص سے

ترمیم شدہ ہی مل کر دیا:

خواجہ حسن نے پوچھا: وہ کس طرح؟

اب اس سلطان نے جواب دیا: اس وقت میں پانچ بڑے دشمنوں میں گھرا ہوا ہوں؟

خواجہ حسن نے پوچھا: وہ کون کون سے؟ یعنی؟

اب اس سلطان نے جواب دیا: سمرقند کے قریب بہت سی آبادیوں کا بھگت ہے، بخارا، اس کے مال نے خود مختاری کا بھگت ابلند کر دیا ہے، میرا خیا، تھامہ میں پہلے اپنے قریبی دشمنوں کو زیر کر دوں گا اس کے بعد درہندہ کے باغیوں کو لیکن ملک شاہ کے مشورے سے میری تدبیروں اور حکمت عملیوں کا نقشہ ہی بدل کے رکھ دیا، اب میں ختک اور مغانیاں کو پہلے زیر کر دوں گا اور ہرات و اسفہان اور سے کو بعد میں؟

خواجہ حسن بھی ملک شاہ کی ذہانت سے متاثر ہوا تھا کہنے لگا: ملک شاہ کی تربیت میں کروں گا، اہل شالی حکمران بنادوں گا۔

اب اس سلطان کو اس سے کیا انکار ہو سکتا تھا؟ خواجہ حسن کی فراست کا قائل تھا، جب اس نے خواجہ حسن سے پوچھا کہ موجودہ حالات اور مسائل کے پیش نظر میری حکمت عملی کیا ہونا چاہیے تو خواجہ حسن نے شہزادے سے کچھ اختلاف کیا، اس نے کہا: شہزادہ ملک شاہ ابھی بچہ ہے اسے کچھ پتا نہیں کہ آپ کس طرح سلطان بن سکتے ہیں؟

اب اس سلطان اپنے استاد ارمانی کی باتیں گز میں باندھتا بار بار تھا۔

خواجہ حسن متاثر ہوا: آپ لڑ بھڑ کر اپنی قرنت کو نشانہ نہ کریں۔ ہمارا پہلا ہدف ہے ہو کا کیوں کر سے میں سلطان و حرم کا وصیت کردہ سلطان موجود ہے۔ وہ جب پاس ہے بغداد سے سند حکومت حاصل کرے، اس کے بعد آپ کا کام بہت مشکل ہو جائے گا۔

خواجہ حسن کی بات واضح اور روز روشن کی تھی اب اس سلطان بڑی عزت سے خواجہ حسن کے مدلل باتیں سن رہا تھا۔

اور وہ بھی رستہ ہمارے سے بہت اچھے ہیں۔ کچھ پتا نہیں اپنی فوج کو اس کے ساتھ ساتھ کی طرف بڑھانے میں وہ سیکھ کر سیکھ کر کے خواجہ سلطان بن سکتے ہیں۔

اب اسلان کو چکرا آگیا اس نے گھبرا کر پوچھا۔
پھر اب کیا ہوگا؟

خواجہ حسن نے جواب دیا: میں سے جاؤں گا اور انہیں
کو سمجھاؤں گا کہ وہ یہ سب کیا کر رہے ہیں وہ سیماں کو معزول
کر کے آپ کو سلطان بنائے گا۔

اب اسلان شہد یافت کیا؟ کیا ہے آپ تنہا
جائیں گے؟ اور کیا آپ کو یہ یقین ہے کہ اب انہیں آپ کی
بات مان لے گا؟

خواجہ حسن کو اپنی عقل و تدبیر پر اعتماد تھا اب انہیں
میری بات ماننا ہوگی میں اسے قائل کر لوں گا کہ اس سے
غشی ہوئی ہے اور اب وہ اس غشی کا اس طرح ازالہ کر سکا
ہے کہ سیماں کو معزول کر کے آپ کی فرماں برداری کا اسلان
کرے۔

اب اسلان نے دعا کی: خواجہ حسن! آپ ہائیں ملانے
آپ کو کامیاب کرے اس دوران میں چپاقلش کو راستے
میں روک لوں گا۔

خواجہ حسن نے تائید کی: ٹھیک ہے۔

اب اسلان نے خواجہ کو کہہ بتائے بغیر اپنی جنگی
حکمت عملی تیار کی۔ اس نے دو فوجیں اپنے نامی قحطی
فوجی سپہ سالاروں کی سرکردگی میں ننگلان اور صفانیال روانہ
کر دیں اور انہیں ہدایت کر دی کہ وہ اپنے دشمنوں سے
صلح یا مفاہمت نہیں کریں گے۔ ان کو ختمی شکست ناش
دے کر وہاں اپنے نئے عالی مقرر کر دیں گے۔

خواجہ حسن کو اسے روانہ کر کے وہ خود ہرات روانہ
ہو گیا۔ ہرات میں اب اسلان کا چپا موٹی بیغور حکومت
کر رہا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ کسی دن اسے پر حملہ کر کے
خود سلطنت بن جائے گا۔ اس کا اب اسلان سے کوئی
جھگڑا بھی نہ تھا اب اس لیے اب اسلان سے الجھنے کا سول
ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔

اب اسلان ہرات کے سامنے پہنچا تو اپنے چپا
موٹی بنو کر اپنی فوج کے ساتھ صف آرا پایا۔ اس نے
اب اسلان کو سمجھایا کہ ہم دونوں میں کوئی جھگڑا نہیں ہے
یہ تو درپس جا۔

اب اسلان نے جواب میں کہہ دیا: میں آپ کا
انعام کرتا ہوں مگر اسے کی حکومت آپ کا حق نہیں ہے میری
سے اس سے سب بدستور ہرات پر حکومت کرتے رہیں
آپ کو ہرات کی حکومت کا تبدیلہ نہ دیتا ہوں۔

موٹی بنو کر اپنے بھتیجے کی فراخ دلی پر غصہ بھی آیا اور
ندامت بھی محسوس ہوئی۔ اس نے بھتیجے کو اپنے لشکر میں بلایا
کہ اب تیری سہ ہے کہ ہم دونوں آئیں سامنے بیٹھ کر معاملات
حل کریں۔

لیکن اب اسلان نے چپا کو موقع ہی نہیں دیا۔ جو
سامنے ملے شہ ہوا اس کو اب اسلان سے حاصل ہواب یہ معاملہ
خلوت میں نہیں یہ ان جنگ میں ملے پاسے گا۔
بات ختم ہو گئی اور دونوں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار
ہو گئے۔

چپا موٹی بنو نے اپنے بھتیجے کی قوت کا غلط اندازہ
لگایا تھا۔ اب اسلان نے اپنے سپاہیوں کو یہ حکم دے
دیا تھا کہ موٹی بنو کو قتل نہ کیا جائے زندہ گرفتار کر لیا جائے۔
اور موٹی بنو نے اپنے شہسواروں کو حکم دیا: اب
اسلان میرا بھتیجا ہے لیکن کسی دروغ نیت یا مروت کا
ستحق نہیں۔ زندہ یا مرنے میں جس حال میں ہے میری خدمت میں
پیش کیا جائے۔

دو پہر کو اب اسلان کے قلعہ نے موٹی بنو کے
تسلیم کو نوڑ دیا اور انہیں اس میں داخل ہو کر کمانڈ چھانٹ
شروع کر دی۔

دونوں کا سینہ میسرے سے اور میسرہ میسنے سے
جنگ آزمائش قلعہ کی ہزیمت سے سینہ اور میسرہ کو بھی
متاثر کیا۔ اور یہ دونوں ہی بچاؤ کی تلاش میں ادھر ادھر
بھاگنے لگے۔

موٹی بنو نے اپنے گھوڑے کو موڑا اور ایک طرف
بھاگ نکلا۔ اب اسلان کی نظریں اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔
اس نے اپنے ایک امیر کو حکم دیا: چپا کو بھانسنے نہ دیا جائے۔
بس اتنا اشارہ کافی تھا کہ کسی شہسوار موٹی بنو کے
تواقب میں لگے گئے اور ایک سوار کا جب ناحولہ کم ہو گیا تو
اس نے انتہائی ہمارت سے موٹی بنو پر گندہ پھینکی اور سینے
اور بازوؤں کو گرفت میں لے کر اب اسلان شہسوار نے
موٹی بنو کو اپنی طرف کھینچا تو وہ گھوڑے سے نیچے آ گیا اور
قال ہوڑا آئے غل گیا۔

شہسوار نے موٹی بنو پر پھیلانگ لگا دی اور اسے
اپنے قابو میں لینے کی کوشش کی، پھر دوسرے شہسوار نے
اپنے ساتھی کی مدد کی۔

موٹی بنو نے پہلے تو مزاحمت کی لیکن جب بالوں
ہو گیا تو اپنے ہی خیمہ سے اپنا کام تمام کر لینا چاہا۔

ایک شہسوار نے اس کے ہاتھ سے خنجر چھین لیا۔
میں تجھ کو مرے نہیں دوں گا۔

موسیٰ بنو سے پرجوش بیچے میں کما بیچے مر جانے
دو کیوں کہ میں عزت کو موت مرنا چاہتا ہوں؟

سواروں نے کوئی جواب نہیں دیا اور انھوں نے اسے
جکڑ کر گھوڑے پر ڈال دیا۔

جنگ ختم ہو چکی تھی موسیٰ بنو قید ہو کر اپنے بھتیجے
کے پاس لے جایا جارا تھا۔

یہ جنگ اتنی اچانک شروع ہوئی تھی کہ الپ اسان
کا خیمہ تک نصب نہیں ہوا تھا۔ اس وقت وہ ایک کھٹی
جھنگ پر کھڑا تھا اور اس کے آوی اس کا خیمہ نصب کر
رہے تھے۔ یہ جھگڑا بلندی پر تھی۔ چلنے کے دوسری طرف
ایک ندی بہہ رہی تھی۔

موسیٰ بنو اپنی آنکھیں بند کیے کراہ رہا تھا کیوں کہ وہ
بڑی اذیت میں تھا۔

جوشسوار اس گھوڑے کی لگام پکڑے پہلے چل رہا
تھا موسیٰ بنو اس کو لالچ دے رہا تھا تو بعد سے میرے
قیمتی ہار لے لے اور مجھ کو ذرا بوجھانے دے کیوں کہ الپ
ارسلان تجھ کو کچھ نہیں دے گا۔

سوار نے کوئی جواب نہیں دیا۔
موسیٰ بنو نے پوچھا کیا تو نے میری بات نہیں سنی؟
شہسوار نے جواب دیا سن ل ورتیری پیش کش بھی
سن ل؟

موسیٰ بنو نے پوچھا پھر تو کیا سوچ رہا ہے اس سے
نامہ نہ اٹھا۔

اس نے جواب دیا "نہیں میں تیری پیش کش سے
نامہ میں اٹھاتا ہوں" اس نے اپنے آقا سے وعدہ کر رکھا
تھا کہ آپ کے چچا کو زندہ پکڑ سکے لاؤں گا۔

موسیٰ بنو نے جیلا کر بددعا دی: اللہ تجھے برباد کرے
یہاں اتنی سبت تو الپ ارسلان مجھ کو قتل کر دے گا اور تو
چند مہینے اردل سے محروم ہو جائے گا۔

بات نہیں بنی اور موسیٰ بنو کو اسی حال میں الپ اسان
سے بدر پیش کر دیا گیا۔

الپ ارسلان نے اپنے چچا کو بڑے حال میں دیکھا
تو بے چین ہو گیا۔ یہ کس نے میرے چچا کو اس حال میں رکھا
تھا کہ کم باتوں انھیں یاد کروا دے میرے چچا ہیں؟

جس شہسوار نے موسیٰ بنو کو گھوڑے پر ڈالا تھا

وہی اس کی رتی کے بل کھولنے لگا۔

موسیٰ بنو الپ ارسلان کے اضطراب و کرب اور
مفسوؤں کو اس کی اداکاری سمجھ رہا تھا اور وہ یہی سمجھ رہا
تھا کہ باوجود اس کو قتل سے قتل کر دیا جائے گا۔

جب موسیٰ بنو آزاد ہو گیا تو الپ ارسلان نے اس
کو کچھ لکھا۔ یہ مضمون تھا: آپ نے مجھ سے بڑے کیوں کیا؟
آپ نے مجھ پر اعتبار کیوں نہیں کیا؟ ہر دسایوں میں کیا؟

موسیٰ بنو نے جواب دیا: مجھ کو تیری بابت یہ تصور
ہوا تھا کہ تو انتہائی ظالم اور پڑ پڑا ہو گیا ہے اور یہ ہی جواب
تو اپنے کسی بھی دشمن کو معاف ہی نہیں کرتا۔

الپ ارسلان نے کہا: ایسا نہیں ہو سکتا کیوں کہ تیری
شہرت تو سب سے بڑی ہے اس لیے اسے دیکھ کر کسی کا دل
نہیں کر دیتا۔

موسیٰ بنو کو اب بھی اس کی باتیں فخر دلانے والی تھیں۔
وہی تھیں۔

الپ ارسلان نے اپنے چچا موسیٰ بنو کے بے ایک
خیمہ نصب کرایا اور اس کو اس کے اپنے خیمے میں قید کر دیا
تھا اس طرح کہ خیمہ کے باہر ہند چرسے دار بٹھا دیا
تھے۔

بنو خیمے کے در تک آتا اور اس کے باہر جو کچھ
نظر آتا تھا اسے دیکھ واپس چلا جاتا اس کے چرسے دار
بڑے چاق و چوبند تھے وہ موسیٰ بنو کو جب بھی حیر کے
در پر دیکھتا پریشان ہو جاتا اور موسیٰ بنو کو حکم دیتا: درجہ
از یہاں کیوں کھڑا ہے؟

سلطان تغزل کی وفات کے بعد الپ ارسلان کی یہ
پہلی جنگ تھی اور پہلی ہی فتح ہی رہی۔ وہ اس فتح کی خوشی میں
ہوا تھا اور اپنی خیمہ بستی کو جگمگا دینا چاہتا تھا اس نے
حکم دیا کہ رات سے پہلے ہر رات اور خیمہ بستی کو روشن کر
منور کر دیا جائے۔

پہلے ساتوں میں ہر رات اور اس کے قریب رہنے والے
نیل حاصل کر کے چھوٹے چھوٹے دیوں میں بھرتے، دیوں کی
جیاب ڈال دی گئیں یہ دیوں بند یوں اور لٹاؤں کتب سے
نکال لی گئی تھی۔

الپ ارسلان کا خیمہ دیکھنے سے قسرت رکھتا تھا موسیٰ
بنو نے اس کی طرح دشمن خیمے میں اپنے لیے کوفت لٹاؤں
کے سو کچھ بھی نہ پایا۔

موسیٰ بنو کے پاس ہی موسیٰ بنو کے مہرا کو جگہ دی گئی

کی موجودگی میں ہو رہا ہے۔ آج میں سلطان اس لیے ہوں کہ میں
خود کو اس کا اول ثابت کر رہا ہوں۔ میں مخترب سے پہنچ
کے سینہ کی کو سزوں کر دوں گا۔
موسیٰ بنو کا کہتا ہوا تھا۔ پھر مجھے کیوں کر رہا ہے
اپنے پاس ہے۔

اب اسلطان اپنی جگہ سے اٹھ کر موسیٰ بنو کے پاس
گیا اور مورد باندہ عرض کیا: آپ میرے چچا ہیں میں اس نشست کو
ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ لیکن اس وقت اس دہار میں میں سلطان
ہوں آپ سب کا حکمران اور اسی حیثیت سے، میں آپ کو
ہرات کا حاکم بنا رہا ہوں۔ آپ اس وقت بھی ہرات کے حاکم
ہیں۔ اے اس کے ساتھ میرے دربار میں حاضر ہیں میں نے آپ
کو آپ کے امرا کو سابقہ حیثیتوں پر بحال کر دیا ہے۔
موسیٰ بنو اور اس کے امرا اسٹہ ایک جگہ سے
اسٹہ اپنے مہل کو اٹھا دیا اور اب اسلطان کو شک و شبہ
کی نظر دل سے ہٹ گئے۔

اب اسلطان نے مزید دغا دہشت کی باتیں
آپ سے جھگڑنے نہیں کیا تھا لیکن جب آپ کو شک
کے لیے تیار پایا تو میں بھی لڑنے پر مجبور ہو گیا۔ آپ ہمارے
دست و بازو میں پھریں اپنے ہی دست و بازو کو اپنے جسم سے
کیوں جدا کر دے گا؟

موسیٰ بنو نے کمزور آواز میں پوچھا: کیا تو یہ سب پہنچ
کر رہا ہے؟

اب اسلطان نے جواب دیا: میں آپ سے شہر
جھوٹ کیوں بولوں گا؟

موسیٰ بنو روکنے لگا: مرحوم سلطان ہنزل میں
بھی یہ خوبیاں تھیں تو نے سلطان مرحوم کی یاد تازہ کر
دی؟

اب اسلطان موسیٰ بنو کا ہاتھ پکڑ کے اپنی جگہ پر
لے گیا اور اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

موسیٰ بنو بہت شرمندہ تھا۔ کہنے لگا: اے کاش
میں نے تجھ سے جھگڑ نہ کی ہوتی!

اب اسلطان نے جواب دیا: جو میں نے کہا ہے
اس کا ذکر نہ کر میں اور مستقبل کے منصوبے بنائیں۔

موسیٰ بنو نے اب اسلطان سے اجازت چاہی۔
تو اسلطان نے کہا: اب میرے امرا و باذن سے کہ
و تیری دست برداری کریں۔

اب اسلطان نے جواب دیا: اس کی کوئی ضرورت

کیوں کہ انھیں بھی ہوا گئے نہیں دیا گیا تھا۔
اب کے مین مقابل اب اسلطان کی نشست چھی باتیں
تیس سالہ جوان اب اسلطان اپنے چچا موسیٰ بنو اس کے
اترا کر دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

موسیٰ بنو کے کما ایک، میر نے موسیٰ بنو کے آستہ سے
کئی ماری؟ وہ ہنس رہا ہے ہنس ہنس کر مذاق اڑا رہا ہے
ہر ایک اس زندگی سے موت بہتر نہیں ہے!

موسیٰ بنو نے بھی اب اسلطان کی ایک جگہ دھج
و مسکراتی ہوئی جھجک کیوں کر وہ دلی الا صحت فائز بھینچے کی
طرف نہیں دیکھتا یا ہوا تھا موسیٰ بنو نے اپنے فاضل یہ
کو جواب دیا: میں نے تو موت ہی کو زندگی پر ترجیح دے دی تھی
لیکن اب اسلطان کے چند شہسواروں نے مجھے رستہ بھی
نہیں دیا تھا۔

دونوں نظریہ جھجکا کر خاموش ہو گئے انہیں اپنی اپنی
قسمتوں پر مایہ دشت کر ہونا پڑا۔

اب اسلطان نے اپنے امرا اور مہل کی موجودگی
میں موسیٰ بنو کو اپنے پاس بلا لیا لیکن موسیٰ بنو اپنی بندہ سے
بڑا کھ نہیں۔ گرون کر اس کے نظریہ جھجکا کر رہا تھا۔
بک ڈلے بیٹھا رہا۔

اب اسلطان نے جب یہ دیکھ کر وہ اپنی بندہ سے
ہی نہیں رہا تو اس نے اسے غریب محفل کو اپنی دربار میں بیٹھ کر
حیثیتوں کے بارے میں بتایا۔ اسے شک توئی بنو پر چچا
سے لیکن یہاں اس محفل میں میں اس کا سوا ہوں وہ موسیٰ
بنو میرا عتاب زدہ امیر ایک نال ایک امیر اس سے
زیادہ موسیٰ بنو کی کوئی حیثیت نہیں رہا اور اگر موسیٰ بنو کو یہ خیال
ہے کہ وہ اس کے سوا بھی کچھ ہے تو یہ اس کا وہاں فتنہ
موسکا۔ ذمہ داری ہوگی سہرا دینا اور یہ جو نہ تفرق ہوگا۔
موسیٰ بنو نے جواب دیا: بھینچے ہو گیا ہوتا ہے! صرف
تو ہی دست و رسوائی؟ وہ ہوگی اس لیے اب نہیں فصل کرنے
تا کہ ہم اس دیت اندر کرب سے نجات حاصل کریں جس کا آگ
ہیں بڑی طرح جلد ہی ہوگا۔

اب اسلطان نے موسیٰ بنو کو دوبارہ اپنے پاس بلایا
بہ حیثیت سلطان بل رہا ہوں۔

موسیٰ بنو نے جواب دیا: لیکن سلطان تو شہزادہ سیوان
سے درندہ سے یہ ہے۔ تجھ کو کسی نے سزا دی بنایا؟
اب اسلطان نے زبردستی اختیار کی۔ لیکن مرحوم
نے ہمیشہ بھی کو اپنا بائیں ٹھہرا دیا تھا اور یہ سب آپ

تو نہیں:

موسیٰ بنو سہلے کہا: بھتیجے! شکر گزاری اور احسان مندی کو آخر ہم کس طرح کا ہر کریں؟

الپ ارسلان نے اجازت دے دی: آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

موسیٰ بنو سہلے اپنے خاں میں واپس گیا اور ان سے آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگا۔ بھر یہ سب الپ ارسلان کے روبرو پہنچے۔ موسیٰ بنو سہلے اپنے خاں کو حکم دیا: "یہ میرا بھتیجا الپ ارسلان ہے۔ اس نے ہمیں مداف کو سکے اور ہماری بٹائی میں تھوڑی سی کربل کر کے ہم پر ایک ایسا احسان کر دیا ہے کہ اس احسان کے بوجھ سے ہم زندگی بھر سہلے اور سہانہ کر سکتے آگے بڑھو اور اپنے شکر اور احسان مندی کو درست پرسی کی صورت میں ظاہر کر دیں۔"

الپ ارسلان نے اپنا دامنا ہاتھ آگے بڑھا دیا اور اس ہاتھ کو پہلا بوسہ موسیٰ بنو سہلے دیا اس کی دیکھا دیکھی دیکھ کر اس نے بھی بوسہ دینے لگے۔
موسیٰ بنو ایک طرف بیٹھ گیا۔

الپ ارسلان اس وقت جس لذت اور سرخوشی سے سرشار تھا اس کا کسی طور اظہار ناممکن تھا۔ وہ اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ آج دنیا بھر میں مجھ سے زیادہ خوش قسمت کوئی اور نہیں۔ دنیا کا خوش قسمت ترین انسان الپ ارسلان! ابھی کہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ موسیٰ بنو سہلے کے ایک امیر داؤد نے الپ ارسلان کے ہاتھ کو چٹک کر ایک طرف کر دیا اور اس کی گتھی میں اپنا ہاتھ ڈال کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ الپ ارسلان لڑکھڑا کر امیر داؤد کے قدموں میں آگیا۔

امیر داؤد نے ہنستے ہوئے موسیٰ بنو کی طرف دیکھا۔
"یہ سہلے تیرا سلطان الپ ارسلان، غریب ایک بھٹکے میں بیٹے قدموں میں آگیا۔"

الپ ارسلان کے خدمت گاروں نے امیر داؤد پر حملہ کر دیا اور ان کے لڑائی کی ضربات لگاسکے براہ حال فرمایا۔

موسیٰ بنو بہت بریشان اور شرمندہ تھا۔ امیر داؤد نے تو سہلے کیا کر دیا؟ تو سہلے تو ہم سب کو الپ ارسلان کے نظر سے گرا دیا۔

امیر داؤد اب بھی الپ ارسلان کا مذاق اڑا رہا تھا۔
موسیٰ بنو اس کی باتوں پر یقین کر سکتا ہے لیکن میں نہیں کر سکتا۔

اس کی میٹھی میٹھی باتوں پر ممت ہوا:

الپ ارسلان نے امیر داؤد کو کچھ دیر کے لیے اپنے پاس ہی رکھا اور اس سے پوچھا: کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تو مجھ سے کیوں بدگمان ہے؟

موسیٰ بنو نے معاملہ رفع دفع کرنا چاہا: "امیر داؤد بہت شگنی ہے۔ یہ سارا اس کے شکوک و شبہات کا کمرہ ہے۔"

الپ ارسلان نے امیر داؤد سے کہا: تو نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟

امیر داؤد نے جواب دیا: اس قسم کے کشتے دیکھتے میری عمر بیت گئی ہے۔ تم لوگ قصاب کی طرح سپیے تو چمکا رہے ہو اس کے بعد ذبح کر دیتے ہو۔

الپ ارسلان نے موسیٰ بنو سے کہا: تم مجھ پر یہ آپ کا مجرم ہے۔ میں اسے آپ کے حوالے کرنا ہوں۔ آپ جو شکوک مناسب سمجھیں اس کے ساتھ رورار کہیں۔

اس کے بعد الپ ارسلان نے موسیٰ بنو کو وہ ساری نشانیاں دے دیں جو اس دور کے حکام کے لیے ضروری ہوا کرتی تھیں۔ اس کے بعد الپ ارسلان نے اعلان کر دیا: "میں کل صبح یہاں سے پہلا جہاز لگا کیوں کہ میں یہاں جس مقصد سے آیا تھا وہ پورا ہو چکا۔ اب میں دوسری طرف شوق ہو جاؤں گا۔"

وہ رات جشن فتح مندی کی نہیں موسیٰ بنو کو دوبارہ حکومت عطا کرنے کی رات تھی۔

موسیٰ بنو اپنے بھتیجے کا بیٹہ شکر گزار تھا اور اس نے زندگی بھر کی وفاداری کا عہد کیا تھا۔

فوج کا خیال تھا کہ الپ ارسلان مرو جلا عباسی گاہکین اس نے ہرات سے نکل کر مغرب کا رخ کیا، نیشاپور اور رے کے درمیانی جگہ کی طرف پہنچے تو اس کے ساتھی یہ سمجھے کہ وہ رے جا رہا ہے لیکن جب اس نے رے کو جنوب میں چھوڑا اور شمال کو مڑا تو پھر بھی سولہ نشان بن گئے۔

خواجہ حسن اپنے چند رفقاء کے ساتھ رے پہنچ گیا۔ مال شک وہ جانتا تھا کہ رے میں شہزادہ سلیمان کی حکومت ہے اور اسے مرحوم سلطان کی وصیت پر سلطنت بنا دیا ہے۔ خواجہ حسن کا ساتھی فراز بخاری اس سفر سے خوف زدہ تھا۔ خواجہ حسن کی طرح فراز بخاری بھی ابو نصر کی وفات اور شہادت سے اپنی دلچسپی واقف تھا لیکن خواجہ حسن اب زیادہ خوف زدہ

نہیں تھا۔

جیسے کہ دن وہ ریسے میں داخل ہوا اور سیدہ بولنے مسجد میں نماز ادا کر سنے چلا گیا مسجد کے باہر گھوڑے گھاس چرنے کے لیے چھوڑ دیے گئے اور ایک پارسی خدمتہ کو ان کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ دیا گیا خواجہ حسن نہیں چاہتا تھا کہ اسے پھانسیا جائے اس نے اپنے چہرے کو ردال سے چھپا لیا، اس کے ساتھیوں نے بھی یہی کیا مسجد کے دوسرے لوگ انہیں باہر سمجھ رہے تھے۔

یہ لوگ وضو کر کے نمازیوں میں شامل ہو گئے امام خطبہ شروع کر چکا تھا خواجہ حسن جانتا تھا کہ یہاں خطبے میں سلیمان کا نام لیا جائے گا لیکن اس وقت اس کی حیرت میں کٹی گئی اٹھ اٹھ کر گیا جب خطبے میں سلیمان سے پہلے الپ ارسلان کا نام لیا گیا۔

خواجہ حسن نے اپنے برابر واسلے نمازی سے پوچھا۔
”جناب! یہ کیا معاملہ ہے، یہ الپ ارسلان کا نام کس نے شامل کر دیا خطبے میں؟“

یہ نمازی بھی الپ ارسلان سے لاعلم تھا جواب دیا: ”یہ آج ہی شامل ہوا ہے۔ پچھلے جسے خطبے میں صرف سلیمان کا نام لیا گیا تھا۔“

خواجہ حسن نے اصرار کیا: ”مگر کیوں؟ میرے اس سوال کا جواب کون دے سکتا ہے؟“

نمازی نے جواب دیا: ”شاید صرف امام مسجد کا امام ہی آپ کے سوال کا جواب دے سکتا ہے۔“

اس نے جسے کی نماز ادا کر سنے کے بعد امام کو اس کے حجرے میں گھیر لیا امام اپنے حجرے میں کئی اجنبی چہرے دیکھ کر ذرا پریشان ہو گیا: ”پوچھا: آپ سب کون ہیں؟“

خواجہ حسن سے جواب دیا: ”تاجر، پردیسی، مسافر“ امام نے پوچھا: ”میرے پاس کیا لینے آئے ہیں؟“

خواجہ حسن نے جواب دیا: ”مجھے اصفہان میں یہ بتایا گیا تھا کہ سلطان مرحوم نے شہزادہ سلیمان کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہاں شہزادہ سلیمان ہی سلطان ہے اور اسی کا نام خطبے میں شامل کیا گیا پھر یہ آج سلیمان سے پہلے الپ ارسلان کا نام خطبے میں کیوں داخل کیا گیا؟“

امام نے جواب دیا: ”جناب والا! میں تو وزیر البندر کے حکم کا پابند ہوں۔ آج وزیر کی طرف سے مسجد کو یہ حکم موصول ہوا کہ جسے خطبے میں سلیمان سے پہلے الپ ارسلان کا

نام لیا جائے۔ میں نے حکم کی تعمیل کر دی، اب رہا یہ سوال کہ نیا حکم کیوں جاری ہوا۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔“

خواجہ حسن مسجد سے نکلے ابو نصر کے پاس چلا گیا اس وقت ابو نصر اپنے محل میں نہیں تھا سلطان کی ماں کے پاس بیٹھا اسی موضوع پر باتیں کر رہا تھا۔

سلطان کی ماں کو بتایا جا چکا تھا کہ آج جسے خطبے میں اس کے بیٹے سلیمان سے پہلے الپ ارسلان کا نام لیا گیا وہ وزیر سے پوچھ رہی تھی کہ ایسا کیوں اور کس کے حکم سے ہوا ہے؟

ابو نصر نے جواب دیا: ”میرے حکم سے۔ ایسا میں نے کیا ہے۔“

ماں پاگل سی ہو گئی: ”تو نے ایسا کیوں کیا؟“ ابو نصر نے اسے مطمئن کرنا چاہا: ”مادر محترم! اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا۔“

ماں بدستور بڑبڑا رہی تھی: ”یہ الپ ارسلان کہاں سے آ گیا؟“

ابو نصر سے جواب دیا: ”الپ ارسلان ابھی آیا نہیں، اب آ رہا ہے۔ آپ نہیں جانتیں کہ اس حکومت کے کتنے دعوے دار پیدا ہو چکے ہیں، موسیٰ بنحو، قشتاش، الپ ارسلان، مغالیاں اور ختلان کے والی جو سب ایک ساتھ دوسرے پر حملہ آور ہوتے داسے ہیں کیا ہم اتنے مضبوط درہاقت ور ہیں کہ ان سب کا مقابلہ کریں اور ان کے منہ پھیر دیں؟“

ماں ابو نصر کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہی تھیں۔ ابو نصر انہیں سمجھا رہا تھا: ”میں نے الپ ارسلان کا نام خطبے میں پہلے ڈلوا کے ان کے حریفوں کو یہ تاثر دیا ہے کہ ریسے دو سلطانوں کی تحویل میں ہے انہیں یہاں ان دونوں سے جنگ کرنا ہوگی۔“

ماں نے پوچھا: ”اور الپ ارسلان! وہ کیا سوچے گا؟“ ابو نصر نے جواب دیا: ”اب رہ گیا الپ ارسلان تو میں اسے یہ یقین دلاؤں گا کہ ریسے دونوں سلطانوں کا ہے اس لیے اس کی حفاظت بھی دونوں سلطانوں کی ذمہ داری ہے۔“

ماں نے بنیراری سے کہا: ”میری مسجد میں تیری باتیں بالکل نہیں آرہی ہیں تو معلوم نہیں مجھے کیا بتانا چاہتا ہے؟“

کیا سمجھانا چاہتا ہے؟

ابو نصر نے جواب دیا: ”اب اس خطبے کے بعد الپ ارسلان آپ کی طرف سے آپ کے دشمنوں سے جنگ کرے

ابو نصر نے جواب دیا: ”اب اس خطبے کے بعد الپ ارسلان آپ کی طرف سے آپ کے دشمنوں سے جنگ کرے

ابو نصر نے جواب دیا: ”اب اس خطبے کے بعد الپ ارسلان آپ کی طرف سے آپ کے دشمنوں سے جنگ کرے

ابو نصر نے جواب دیا: ”اب اس خطبے کے بعد الپ ارسلان آپ کی طرف سے آپ کے دشمنوں سے جنگ کرے

ابو نصر نے جواب دیا: ”اب اس خطبے کے بعد الپ ارسلان آپ کی طرف سے آپ کے دشمنوں سے جنگ کرے

گناہ جب وہ فتح مال کرے گا تو آپ اسے جہنم میں لے کر کوئی خطرناک قدم اٹھا ڈالیے گا:

میں بہت دل برداشتہ تھی: تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں:

ابونصر اس وحدت کو قائم نہیں کر سکا لیکن جب محل میں اس کو یہ خبر دی گئی کہ خواجہ حسن اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ اہم معاملات طے کرنے آیا ہے تو ابونصر کی زبان میں بھلن آئی۔ ابونصر تھیں کو بیٹھے و ثلوق سے بتایا: افسوس کہ آپ کو نہیں معلوم کہ سلطان کا چچا قلعش اپنے لشکر جبار کے ساتھ دسے کی طرف بڑھا چلا آرہا ہے۔ وہ خود کو سلطان مرحوم کا بھائی کہتا ہے۔ کتا ہے کیا آپ یا آپ کا بیٹا اس کا مقابلہ کر لیں گے؟

میں نے جواب دیا: یہ کام تیرا ہے تو ہی قلعش کا مقابلہ کرے۔

ابونصر نے جواب دیا: یہ میرے ہیں کام میں کیا میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

میں نے کہا: اگر یہ کام تیرے ہیں کا نہیں ہے تو تو وزارت عظمیٰ کے منصب کو چھوڑ دے۔

ابونصر اس کے لیے فوراً تیار ہو گیا: بسم اللہ میں اس کے لیے ہر وقت تیار ہوں کیوں کہ اب وزارت عظمیٰ تاردار تاج کے سوا کچھ بھی نہیں۔

میں کو یہ یقین نہیں تھا کہ ابونصر اتنی آسانی سے وزارت چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اس وقت وزیر کا کوئی متبادل بھی نہ تھا۔

ابونصر ان سے جلسے لگا: میں سنہ وزیر کا انتظار کر رہا ہوں کہ آپ جب چاہیں مجھے وزارت سے سبک دوش کر دیں۔

میں کے سامنے گھبراہٹ کی شکل گئی نہایت نرم لہجے میں جواب دیا: لیکن ایسا ممکن نہیں ہے اس منصب پر فائز رہنے کا جو تیری ہر حکمت عملی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

ابونصر نے جواب دیا: اگر تیرے اچھے بات تو یہ سب کہ اب وزارت نہ رہے دلورے نہیں ہی اٹھ سکتے۔ ہر ضرورتی اسے قبول کر رکھا ہے۔

میں نے کہا: ہر آپ سلطان کا امام خلیفہ میں مثال ہو سکتا ہے ہمارے کسی کام نہ سکتا ہے تو مجھے اس پر کلمے اصرار نہیں لیکن یہ کام نہایت ہوشیاری اور وحدت سے انجام پانا چاہیے۔

ابونصر محل سے چلا آیا۔ محل کے باہر وہاں بعض مذاقی میں مشغول تھے وزیر کے آگے دیکھ کر شہنشاہ نے ابونصر کے نزدیک یہ بڑی عبرت کی بات تھی شہزادہ سلطان کی حکومت کا عجب دورہ ہو کہ ابونصر کا ختم ہو چکا تھا کوئی بھی اسے سلائی نہ کرتا رہا تھا۔

خواجہ حسن اداس کے ساتھ رہا۔ کئی بار اس کے گھروں میں لوگوں سے مل رہے تھے۔ دربار سے شہزادہ کے بارے میں معلومات اکٹھا کر رہے تھے۔

ابونصر اور خواجہ حسن نے جیسے ہی ایک دوسرے کو دیکھا نظریہ جوش سے بدل گیا۔

خواجہ حسن نے شکایت کی: اسے ابونصر! آپ نے ہم پر بڑا ظلم کیا ہے۔

ابونصر نے پوچھا: خواجہ بزرگ وہ کیا؟ کوئی راز نام؟ خواجہ حسن نے جواب دیا: آپ نے شہزادہ سیدون کو سلطان مرحوم کی جگہ دسے دی اور ہمیں اعلان عسکری دیا۔

ابونصر نے معذرت کی: خواجہ بزرگ! آپ معذرت کریں کہ میں نے یہ کام خوش دلی سے نہیں انجام دیا۔ سب سے بھروسہ کر دیا گیا تھا۔

خواجہ حسن نے کہا: آپ نے جو لہجہ کیا، بہت بڑا۔ ابونصر نے جواب دیا: میں اس پر شہزادہ ہوں اور مجھے جب بھی موقع ملے گا میں اس کی غلطی کروں گا۔

خواجہ حسن نے کہا: جب تیرا نیت پر چڑھ جائے اور کمال اُسے چھوڑ دے تب پھر وہ واپس نہیں آتا۔

ابونصر کا غصہ گیا، پوچھا: آپ کیا کیوں آتے ہیں؟ خواجہ حسن نے بڑی سب سے نیازی سے جواب دیا۔ صرف یہ بتائے کہ تم نے سلیمان کو سلطان بنا سکے اچھا نہیں کیا۔

ابونصر نے مجھے کے خلیفہ میں اب اس کے نام کی شہزادہ کا ذکر کیا: میں اس موقع کا فائدہ اٹھا چکا ہوں۔ اسی معاملہ ہوا میں نے اب اس سلطان کا نام خلیفہ میں دیا۔

خواجہ حسن نے کہا: مجھ کو یہاں اس لیے بھیجا ہے کہ میں تیرے تیری زیادتی کا جواب طلب کروں۔

ابونصر کو بھی غصہ آ گیا۔ خواجہ حسن نے اس کی تیوریوں پر دل دیکھے تو اس کا مذاق اڑایا: ابونصر! ابھی تو شاید پچاس سال کا بھی نہیں

ہوا پھر تو سٹھیا کیوں رہا ہے ؟

ابونصر جو اس طرح کبھی کسی نے مناسب نہیں کیا تھا۔
ان خواجہ حسن کے تیور ہی کچھ اور تھے لیکن ابونصر کیا کرتا
جس زمین پر کھڑے ہو کر لوگوں سے باتیں کیا کرتا تھا وہ پلوں
کے نیچے سے کب کی کھسک چکی تھی خواجہ حسن کی باتیں اور
اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ یہ خواجہ حسن کا زمانہ ہے۔

ابونصر خوشامد کے لئے ایک سلطان مرقومہ سلطانیت
میں اس نادان کو سلطان کے لئے ضروریات کے لئے
میں محسوس ہو گیا تھا لیکن اس سے حکومت کی طرف سے اس کو
انعامات کی بجائے پچھلے غلطیوں کی تلافی ہو رہی تھی اور
شہزادہ سلطان کا بعد میں یہ

خواجہ حسن شہنشاہ تھے آقا اور وہ ان کی اہم اہم اہم
صرف اس کے لئے رہتا تھا خواجہ حسن کے لئے حکومت میں اس
کے لئے ایک کمالی کمال نہیں تھی بلکہ ایک کمالی کمال اور
حکومت میں جتنی دلی مشین ہو سکتی تھی

ابونصر نے اس سے سمجھا سنے کی کوشش کی وہ ہرگز
یہ سب کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس کے لئے اس کے لئے
کو اور زیادہ اس کے لئے خود کی غلطیوں کا کمال تھا۔
خواجہ حسن نے کہا کہ ابونصر انہیں تھیں خبردار کہ انہیں
نہیں آگے نہ بڑھ کر آیا ہو۔

ابونصر نے کہا کہ اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے

خواجہ حسن نے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے

اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے

خواجہ حسن نے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے

خواجہ حسن نے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے

بھی سپاہ نامی درخواست کی کہ اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
یہ خبریں شاہی محل میں بھی پہنچ گئیں سلطان کی ملامتوں
تحتی کر رہا تھا اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
ماں سے کہا کہ آپ کا خیال ہے خواجہ حسن کو قید کیوں نہ کر دیا
جاسکے ؟

سلطان نے جواب دیا : خواجہ حسن کو محل میں جواڑ میں اس
سے بات کدوں کی ؟

سلطان نے کہا : یہ کام تو ابونصر کا ہے۔ وہ کمال
دلا گیا ہے۔

ماں نے کہا : یہ کام ہمارا بھی ہے اور ابونصر کا بھی دے
میں اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
سلطان نے کہا : اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اور اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے

ماں نے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے
اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے



مال نے اس تجویز سے اتفاق کیا، خواجہ حسن کو
ابونصر پر ترجیح دے رہی تھی۔

سلطان کے ایک ہرکار سے نے بازار میں خواجہ حسن
کو روک لیا اور اسے یہ خوش خبری سنائی: "سلطان اور مادر
سلطان آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "ان دونوں کا یہ بلاوا اگر
بونصر کے ذریعے ملتا تو میں ضرور ماضی دیتا کیوں کہ میں ابونصر
کا ہمارا ہوں۔"

نئی دن بعد ان دونوں کی یہ دعوت ابونصر کے ذریعے
خواجہ حسن کو پہنچ گئی۔ ابونصر کو اب اپنے سائے تک سے
ڈر لگ رہا تھا۔

دعوت ملنے پر خواجہ حسن نے کہا: لیکن میں ان دونوں
سے تنہا نہیں ملوں گا۔ وہاں تیری موجودگی بھی سب سے ضروری
ہے۔

ابونصر خواجہ حسن کی فراخ دلی سے خوش ہوا اور وہ خود
خواجہ حسن کو ان دونوں کے پاس لے گیا۔ مل بیٹے خواجہ حسن سے
مل کر بہت خوش ہوئے، مال نے سلطان کو سرگوشی میں سے
سمجھا دیا کہ وہ ابونصر کو دوسرے کمرے میں لے جائے تاکہ
وہ ان دونوں سے سب سے معاملات طے کر لے گی۔

جب یہ چاروں آئے سائے بیٹھے تو ابونصر نے خواجہ حسن
کی تعریفیں شروع کر دیں: "ابا اسلوان خوش قسمت ہے کہ
اسے خواجہ حسن جیسا لائق و فائق وزیر مل گیا۔"

سلطان نے ابونصر پر طنز کیا: "اور کیا تو محشی سے کم ہے؟"
راج میں حیران ہوں تم محترم سلطان مغرل نے تجھ سے کیا
اور کس طرح کام لیا ہو گا؟

ابونصر کے دل پر چوٹ مچی۔ اور وہ سر جھبک کے
بیٹھ گیا۔

ابا محکم سلطان اپنی جگہ سے اٹھا، اور ابونصر کا ہاتھ
پھڑکے کہنے لگا: "آؤ ہمہ اس کمرے میں چلیں، مجھے تجھ
سے چند ضروری باتیں سنا ہیں۔"

ابونصر سلطان کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔
ان دونوں کے جاسوسی مال نے سکڑتے ہوئے
خواجہ حسن کی خبر گیری کی: "اس میں تجھ سے، نادانہ باتیں کر سوں
نہ۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا: "ان کی موجودگی سے کیا فرق
پڑتا تھا، ان کے سامنے بھی است ہو سکتی تھی۔"

مال نے جواب دیا: "میں وہ بات جرمی کرنا چاہتی
ہوں۔"

ہوں ان دونوں کے سامنے نہیں ہو سکتی تھی۔"

خواجہ حسن نے حیرت سے پوچھا: "وہ کس قسم کی بات
ہے؟ آپ تجھ میں کرنا چاہتی ہیں؟"

مال نے بازواری سے کہا: "میں وزارت عظمیٰ کا منصب
تیرے حوالے کرنا چاہتی ہوں۔"

خواجہ حسن ہٹکا بکا رہ گیا: "اور یہ ابونصر؟ اس کی کیا
بے گاہ؟"

مال نے جواب دیا: "اس کو کوئی دوسرا منصب دے
دیا جائے گا۔"

خواجہ حسن نے معذرت کر لی: "لیکن میں تو اب اس ملک
کا ملازم ہوں۔ وہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔"

مال نے کہا: "وہ محض عامل ہے ایک مخصوص خطے کا
فرائض ادا کرنے کے لیے جو سلطنت مہرقیہ کی وزارت عظمیٰ رہتا
چاہتی ہوں۔"

خواجہ حسن نے اپنی جمہوری بیان کی: "میں اب اس ملک
کو چھوڑ نہیں دے سکتا۔"

مال نے اپنی پیشانی کھیلستے ہوئے کہا: "دیکھ
خواجہ حسن! یہ بہترین موقع ہے تیری زندگی کا۔ تو سلطان پہلے
کا وزیر بن جائے گا۔"

خواجہ حسن نے ایک تجویز پیش کی: "اگر آپ اجازت
دیں تو میں کچھ عرض کروں۔ ایک تجویز پیش کروں؟"

مال نے اجازت سے دی: "میری طرف سے اجازت
ہے۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا: "سلطان کا چاقو قلمش دے
پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے کیونکہ وہ خود کو سلطان سمجھتا ہے۔
آپ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔"

مال نے کہا: "میں انھی مشکلات کے وسیعہ کے یہ
تیری خدمات کی خواہاں ہوں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "آپ سر دست ہاتھ دی
وزیر رہنے دیں میں اب اسلوان کے پاس واپس جاؤں
گا اور صحت علی ستہ اس کو چاقو قلمش سے شہزادوں کا
بیٹھہ بٹھیں سب کہ اب اسلوان اپنے چاکو قلمش سے
دے گا اس وقت میں آپ کے پاس اجازت کا اور وزارت
عظمیٰ کا منصب قبول کروں گا۔"

مال نے خواجہ حسن کی باتوں پر یقین کر لیا اور اسے
ہدایت کی: "اس منصوبے کا ابونصر کو علم نہیں ہونا چاہیے۔"

خواجہ حسن نے وعدہ کر لیا: "سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

ابونصر کو کچھ پنانہ تھا کہ محل میں کس قسم کی سازش پرورش پا رہی ہے۔

خواجہ ابونصر کے محل میں اس طرح رہا کہ اس کے ساتھ یا اس کے محل کا کھانا ایک وقت بھی نہیں کھایا۔ فرائز ملنے سے یہ نکتہ خاص طور پر محسوس کیا۔

ابونصر بھی اسے محسوس کرتا رہا لیکن شکوہ نہ کر سکا۔ خواجہ حسن جس مقصد سے آیا تھا اس میں امید سے زیادہ کامیاب ہوا تھا۔ ابونصر اور خواجہ حسن میں کتنی اذیتیں پیدا ہو گئی۔ ابونصر خواجہ حسن کے مات نہ انداز کو سمجھ رہا تھا لیکن اس کا کسی سے ذکر بھی نہیں کر سکتا تھا اس کو مادر سلطان کی یہ بات بھی بُری لگتی تھی کہ اس نے خواجہ حسن سے کچھ باتیں تخلیے میں کی تھیں۔ وہ کیا باتیں تھیں؟ یہ سوال نہ تو مان سے کر سکتا تھا اور نہ خواجہ حسن سے اور اپنے طور پر کوئی بتا نہیں رہا تھا۔

واپس جانے سے ایک دن پہلے خواجہ حسن نے ابونصر سے مختصر آمیز روئیہ رکھا۔ شہر کے ایک رئیس نے خواجہ حسن کی دعوت کی تھی اور اس میں ابونصر کو بھی مدعو کرنا چاہا تھا۔ خواجہ حسن نے اس رئیس سے صاف صاف کہہ دیا کہ اس دعوت میں ہم دونوں میں سے کسی ایک کو بلا لے۔ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

رئیس نے جواب دیا: میری نظر میں آپ دونوں برابر ہیں اس لیے دونوں ہی کو میری دعوت میں آنا چاہیے۔ خواجہ حسن کو یہ بات ناگوار گزری۔ ہم دونوں برابر کس طرح ہو گئے؟ میں ابونصر کے برابر نہیں ہوں؟

ابونصر کو اس دعوت کا حال کسی چغل خور نے بتا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ اسے اس دعوت میں کیوں نہیں بلایا گیا تھا۔

ابونصر اس رات انگاروں پر لوٹا۔ وہ خواجہ حسن کا انتظار کرتا رہا۔ اس نے اپنے کمرے میں چند شمعیں جلا رکھی تھیں ان کی تھر تھرائی کا پتی تو میں وہ اپنے ماضی حال اور مستقبل کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی کا ایک غلام کمرے کے باہر چھوٹی سی چوکی پر اونگھ رہا تھا۔ اسی اونگھ میں اس نے ابونصر کی تال کی آواز سنی اور روڑ کر اندر آ گیا۔

ابونصر نے پوچھا: ”تجھ کو کچھ پتا ہے کہ میں خواجہ حسن آیا کہ نہیں؟“

غلام نے جواب دیا: ”نہیں، وہ ابھی نہیں آئے۔“

ابونصر نے حکم دیا: ”دربانوں سے کہو کہ خواجہ حسن

ایک فیکٹری میں
دکانوں کے لیے
زئیس بھیجا گیا۔



’اگر آپ کا اسکرٹ
لمبا ہے تو مشینوں سے پچ کر چلیے
اور اگر آپ کا اسکرٹ چھوٹا ہے
تو مشین میں سے پچ کر چلیے!‘



کے آنے کی اطلاع مجھے ضرور کی جائے۔
غلام چلا گیا اور ابونصر پھر فکروں میں ڈوب گیا۔
اس نے محل کے جملہ افراد اپنے دہن کندہ بھیج دیے
تھے۔ اب وہ محل میں تنہا تھا۔

نات شب میں گھوڑوں کی... ٹاپوں کی آوازیں دور
دور تک گونج رہی تھیں۔ خواجہ حسن محل کے دروازے پر
اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آچکا تھا۔

ابونصر نے خواجہ حسن کو اپنے کمرے میں طلب کر لیا۔
خواجہ حسن کسی قدر تال سے ابونصر کے پاس بیٹھا گیا۔

اس وقت ابونصر ایک لپٹ کتاب اپنے غلام تھا اس کتاب
کے سحر نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا لیکن اس سحر کو
تھوڑی تھوڑی دیر بعد خواجہ حسن اور اس کے شولیشناک
دوست نے بد مزہ کر رکھا تھا۔ خواجہ حسن آیا اور ایک طرف
اکھڑا ہو گیا۔ شمع کی روشنی کو خواجہ حسن کے وجود نے روکا
تو ابونصر نے سر اوپر اٹھایا۔

خواجہ حسن نے پوچھا: آپ نے مجھے بلوایا تھا؟
ابونصر نیم دراز تھا، بیٹھ گیا۔ خواجہ حسن سے بیٹھنے کے
لیے بھی نہیں کہا کتاب کھلی ہوئی اسی رکھ دی گئی۔

خواجہ حسن اپنے آپ ہی بیٹھ گیا، ہاں تو کوئی خاص
ضرورت پیش آگئی تھی آپ کو؟

ابونصر نے نہایت محتاط انداز میں بات کی۔ خواجہ حسن
رہے میں کس کی حکومت ہے؟

خواجہ حسن نے جواب دیا: ”بظاہر سلطان سلیمان کی۔“
ابونصر نے کہا: ”میں سیدھی سیدھی بات کر رہا ہوں۔“

اس لیے میری بات کا جواب بھی سیدھا ہونا چاہیے۔“
خواجہ حسن نے فغانگڑائی کی: ”میں بہت تنہا ہوا ہوں۔“

اس لیے اس وقت آپ بھی آرام کریں اور میں بھی صبح ہم
دونوں سکون سے بات کر سکیں گے۔“

ابونصر نے کہا: ”میرے یہ سلطان سلیمان کی حکومت
ہے اور میں اس کا وزیر ہوں تم ہمارے عمان ہو لیکن تم نے
ہماری عمان نوازی کا نام نہ اٹھایا کیا تم ہمیں اپنی حکومت میں
یہ آزادی دے سکتے ہو؟“

خواجہ حسن نے جواب دیا: ”آپ نے الپ ارسلان
کو نام خطبے میں شامل کر دیا ہے اس طرح یہ الپ ارسلان کا
میرا دوست ہے اور میں الپ ارسلان کا وزیر ہوں آپ مروجی
نیشاپور آئیں اور اپنی مرضی سے گھومیں پھر میں جس سے چاہیں
سے جوابات کرنا چاہیں کریں وہ آپ کو کوئی ہی منع نہیں
کرسکتا“

ابونصر لا جواب ہو چکا تھا کہنے لگا: ”خواجہ حسن! میں
سے یہاں جو کچھ کیا، برہنہ اپنے اہل خانہ اور الپ ارسلان کے
علاقہ کیا ہے لیکن میں آپ یہ محسوس کر رہا ہوں کہ میرے
کا مورخہ توفیر اور وقت نہیں حاصل ہوئی جس کے میرے
کام مستحق تھے“

خواجہ حسن نے جواب دیا: ”آپ دیندار آدمی وقت
اور اقبال آپ سے مدد کر رہے ہیں اگر میرا اندازہ درست
ہے اور آپ بھی اس کا اقرار کر رہے ہیں تو اللہ سے
توبہ استغفار کریں“

ابونصر کے دل و دماغ اشتعال اور بیجان میں مبتلا ہو
گئے وہ کچھ دیر خواجہ حسن کو گھورتا رہا، دیکھتا رہا خواجہ حسن
کا درخشاں مستقبل اسے صاف نظر آ رہا تھا، آہستہ سے
دیر اسد کی: ”اچھا خواجہ حسن! اب آپ آرام کریں“

خواجہ حسن کو ابونصر کی سب سے بڑی سزا دے دی تھی ابونصر
آپ نے آٹھ سال بہت شاندار گزارے ہیں اب دوسروں
کو موقع دیں اور حد سے بچیں جس طرح آگ نڈی کرکھا
جاتی ہے اسی طرح حسد انسان کو کھانا بنا ہے
ابونصر کا سر جھٹکا بار بار تھا، رگڑی پھول رہی تھیں ذرا
اونچی آواز میں کہا: ”میں نے نہ جو دیا کہ اب تم آرام کرو اور
مجھے بھی آرام کرنے دو۔“

خواجہ حسن کو اضعاف شب کو ابونصر نے اپنے کمرے
میں طلب کر کے اس کی انا اور جو تھیں لگائی تھی خواجہ حسن
اس کا حساب، اسی وقت چٹکرتا رہتا تھا، ابونصر آپ
مجھ سے زیادہ تجھ کا دار میں اور میں آپ کی زبان اور وقت
کا معتدب ہوں اسی وقت آپ کو یہ خبر ما مشورہ
دنیا چاہتا ہوں اگر سمجھ میں آجائے تو اس پر عمل کیجیے گا
وہ نہ نہ خد کر دیتی ہے گا۔

ابونصر نے اپنے کان دونوں اوتھوں سے نہ کر لیے
”خدا کے لیے آپ یہاں سے چلے جائیں“

خواجہ حسن نے اپنی بات پوری کر دی: ”یہ رشتہ اچھا
نہیں ہے آپ اپنے لیے جو تدبیر بھی کریں اس پر قدم بھی نہیں
خوب سوچیں جس کے کہیں کہ سب یہ احتمالات یہاں چھوڑنا
سب سے آپ کی تدبیر کو الٹ جائیں وہ آپ کا قدم ہلک
جاسکتا ہے“

ابونصر اور زیادہ زور سے چیخا: ”خواجہ حسن! نہ اس کے
لیے میرا بچا بچوڑ دے!“

خواجہ حسن وہاں سے چلا گیا اور صبح صبح ابونصر بیدار
ہوا تو دروازوں سے بتایا کہ خواجہ حسن اسے سے چلا گیا۔
وہ چلا گیا لیکن ابونصر کو انجن میں ڈال گیا اس کا آخری
مشورہ ابونصر کو بہت پریشان کر رہا تھا۔

سلطان اور اس کی ماں نے خواجہ حسن کے شوہر سے
پر عمل کیا اور ابونصر سے تعلقات ختم کر دیے، دونوں
نے غیر معمولی خوش اخلاقی اور ادب و احترام کا اظہار کیا ابونصر
نے ان کی اس خوش اخلاقی اور احترام کا یہ جواب دیا کہ سلطان
کے جن سفیل اور دکھن لطافت ترک جوانوں کو اس نے
قید خانے میں ڈلوادیا تھا انہیں آزاد کر دیا اور انہیں سلطان
کے دربار میں پہنچانے کے بعد کہا: ”سلطان محترم! میں نے آپ
کے ان دوستوں کے بارے میں بہت غور کیا، اور غور کا اسی
نتیجہ پر پہنچا کہ مجھے ان سے ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے
ان کو نہ ہنسنے کا موقع ملنا چاہیے یہ ہمارے آپ کے کام
آگتے ہیں“

سلطان کو ابونصر کا یہ فعل اچھا لگا لیکن اس وقت وہ
سلطان ظفر مرحوم والا ابونصر نہیں کہہ رہا تھا۔
تو جواب ترک ابونصر چرب زبانی ستہ ذرا بھی متاثر نہ
ہوا وہ ابونصر کی وجہ سے دوبار قید خانے کی سیر کر چکا تھا وہ
اب وہ ابونصر کو اس کی قیمت لاکر لے چکا تھا۔

سلطان کی اس جو ہمیشہ سلطان کے قریب ہی رہے
سب سے بڑی وجہ وہ تھی تھی ابونصر کے اس فعل سے خوش نہیں
ہوئی اس کو نہ بڑا کہ شاید اب ابونصر اس کے بیٹے کی
حکومت ستہ دشمنی کرے اس سے ہر پردہ کے پیچھے سے
ابونصر ستہ چھپا ستہ ابونصر اباب کوئی ایسا آدمی نہ تھی
نظر میں نہیں، انہیں ستہ میسہ بیٹہ اور اس کی سلطنت کو
فراخ انداز میں حاصل ہونا اسیر دل کو کچھ دن اور آرام کرنے

سلطان کی بہن ہیں اس لیے سلطان سے اجازت طلب کریں۔

اور سلطان کو درپردہ یہ شورہ دیا گیا۔ آپ حبیب اللہ اور سلطان خاتون سے ہیں کہ وہ اپنے شوہر امیر المومنین سے آپ کے لیے منہ حکومت حاصل کرے اور جیسے ہی یہ سزا مل جائے آپ اس کو بغداد بھیج دیں، اور اگر یہ یوں ہی چلی گئی تو آپ پھر کبھی بھی بغداد سے سند حکومت حاصل نہیں کر سکیں گے۔

سیدہ کو جواب دیا: آپ عدت کے دن پارے کر لیں اس کے بعد جانے کی بات کریں۔

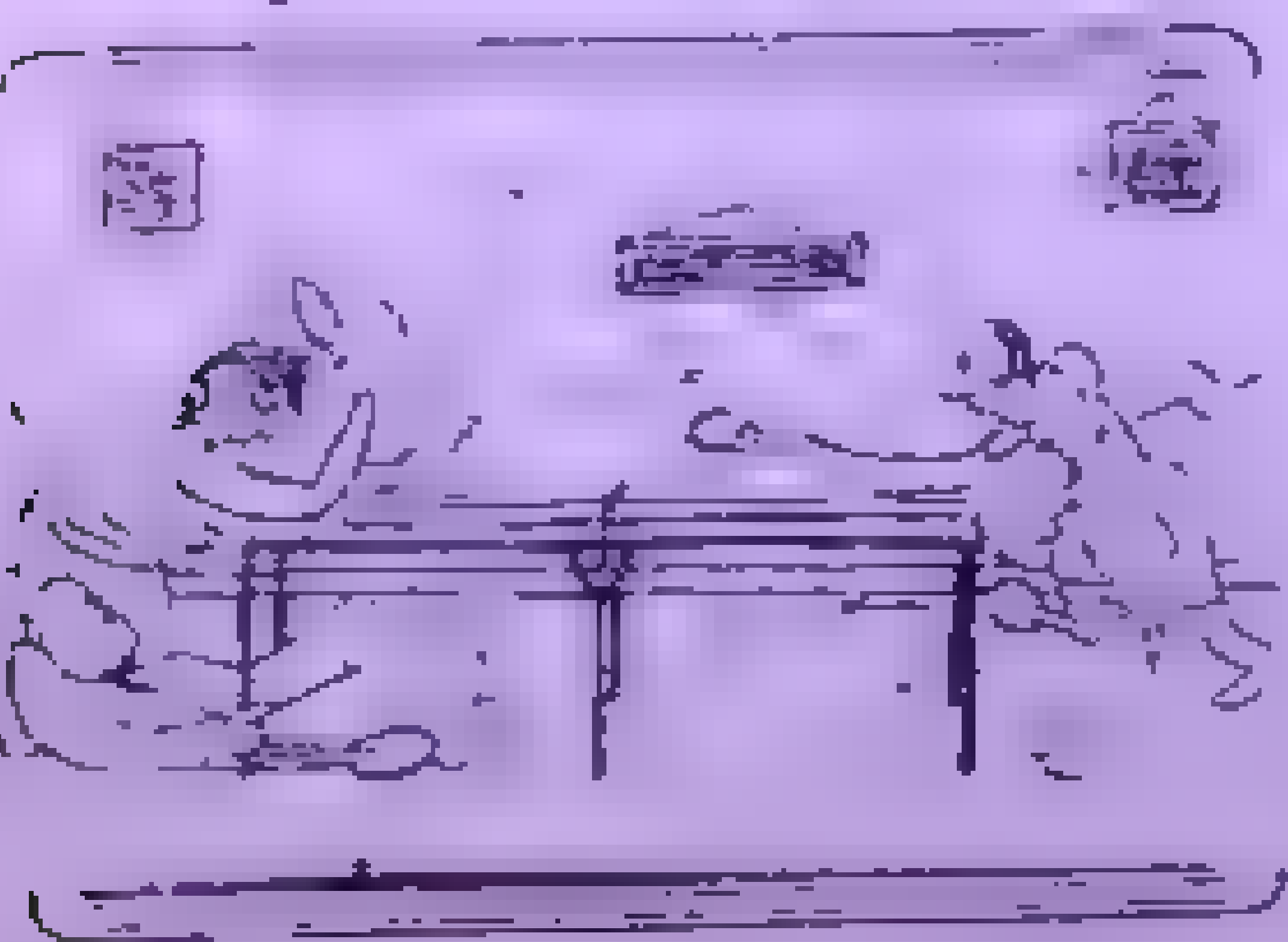
اس طرح ابو نصر نے دونوں ہی کو خاموش کر دیا۔ اور سلطان خاتون اور سیدہ یکساں مصیبت میں مبتلا تھیں اس لیے دونوں ایک دوسرے کی ہمدردی نکلیں۔ وہ دونوں سلطان اور اس کی ماں سے اچھے گئیں۔ یہ وزیر ہانا نصیریوں کو سنا کہ بغداد جانے کی جارت آپ دونوں دیر گئے ہم وزیر کی بات نہیں مانیں گے۔

ماں نے جواب دیا: افسوس کہ میں بے بس ہوں ہم نے جملہ اختیارات ابو نصر ہی کو دے دیے ہیں۔

سلطان کے پاس بھی یہی جواب تھا: میرے پاس اتنا وقت ہی ہیں کہ ان غیر اہم مسائل پر توجہ دوں۔ یہ کام وزیر کے میں اس سے کوئی بات نہیں۔

پورے محل کی فضا گھٹی گھٹی سی تھی ایک کنبیاد ایک بے آنکھی اور ایشی بن سا پایا جاتا تھا۔ محل کی خدمت نگار خواتین ٹہک کر ٹھوکی کیفیت کا شکار تھیں اپنے محل کی سطلانی پرانے قبیلے نہیں آ رہا تھا ان حالات سے سیدہ نے فائدہ اٹھایا۔ اس نے ایک کنیز سے کام لینے کی کوشش کی۔ سیدہ نے اس سے پوچھا: کیا تو بغداد چلنا پسند کرے گی؟

کنیز نے پوچھا: بغداد میں کس کے پاس؟



دیا ہوتا۔

نوجوان ترک نے ڈھائی بلنڈ کی۔ مادر محترم! بلائے بارے میں آپ اس قسم کی باتیں نہ کریں۔

ابو نصر نے ماں کو جواب دیا: مادر محترم! اب میں نے میانہ روی اور صلح جوئی کی روش اختیار کی ہے۔ یہ روش آپ کو بھی پسند آئی چاہیے۔ یہ ترک نوجوان اور اس کے ساتھی اچھے ہیں اور اللہ سنے چاہا تو کسی وقت کام بھی آئیں گے۔ سلطان سنے تا ئیدر کی۔ یہ شک ہے شک۔ یہ ہر سہ بچپن کے ساتھی ہیں۔

ماں نے دیکھے قفلوں میں کہا: جو خود اصلاح طلب ہوں اور حکومت میں کیا اصلاحی امور انجام دیں گے وہ انہیں کہیں چلا گیا جو سلطان داخل مرحوم کا فریاد تھا اور جس کے حسن تدبیر کا ایک زمانہ معروف اور فلیفہ قفل تھا۔ ابو نصر کو بھی اپنے اس اقدام پر شبہ ہونے لگا۔ ترک نوجوان کو درہا کر کے شاید اس نے اچھا نہیں کیا تھا۔

کئی دن بعد سلطان خاتون اور خلیفہ کی بیٹی سیدہ نے سلطان احمد اس کی ماں پر دباؤ ڈالا کہ ان دونوں کو بغداد روانہ کر دیا جائے۔

سلطان نے دونوں کو جواب دیا: اس معاملے میں میری ماں کا فیصلہ ہی اٹل اور قابل عمل ہوگا۔ سیدہ نے کہا: جس کسی کو بھی یہ فیصلہ کرنا ہو وہ جلدی کر دے ورنہ سلطان کو بڑی پریشانیاں اٹھانا پڑیں گی۔

ماں نے یہ مسئلہ ابو نصر کے واسطے کر دیا۔ آنا بلا فیصلہ میں تنہا نہیں کر سکتی ابو نصر کیا کہتا ہے اس مسئلے میں؟

ابو نصر ذہنی طور پر تیار پریشان تھا کہ وہ کسی مسئلے یا مسئلے پر کیسوی سے سوچنے کا اہل نہیں تھا۔ اس نے محل میں بلایا گیا اور سلطان کی ماں نے یہ مسئلہ اس کے سامنے رکھ دیا اور سلطان خاتون اور سیدہ نے وزیر کے سامنے اپنی درخواست پیش کر دی۔

اور سلطان خاتون نے کہا: امیر المومنین میرے شوہر میں اس لیے مجھے بغداد بھیج دیا جائے۔

سیدہ نے کہا: امیر المومنین میرے والد ہیں اور میرے شوہر سلطان طغرل کا انتقال ہو چکا ہے اس لیے مجھے بغداد میرے باپ کے پاس بھیج دیا جائے۔ ابو نصر نے اور سلطان خاتون کو جواب دیا: خاتون! آپ

ستیدہ نے جواب دیا: "تقصیر خلافت میں میرے
اب امیر المومنین کے پاس۔"
کنیز نے حیرت سے جواب دیا: "وہاں کون ہے جو
نہیں جانا چاہتا ہے گا؟"

ستیدہ نے کہا: "میرے عدت کے دن پر سے جو
جائیں پھر میں اپنے ساتھ تجھ کو بھی لے جاؤں گی۔"
کنیز اس موٹائی: "لیکن تجھ کو یہاں سے جانے کون
دے گا؟"

ستیدہ نے جواب دیا: "تجھ کو میں لے جاؤں گی اپنے
ساتھ لیکن اس کے لیے تجھ کو میرا ایک کام کرنا ہوگا۔"
کنیز کو اپنا شاندار مستقبل نظر آ رہا تھا، پرچہ: "کون سا
کام؟"

ستیدہ نے ادھر ادھر دیکھ کر پرچہ: "پہلے یہ بتا کہ
میں جو کچھ تجھ سے کہوں گی تو اسے باز میں رکھنے کی؟"
کنیز نے جواب دیا: "اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔
کام بتائیں۔"

ستیدہ کو تذبذب تھا: "وہ کام آسان نہیں ہے اگر
نہ کر کے تو اسے سزا دے دینا۔"

کنیز نے جواب دیا: "میں سننے کہہ جو دیا کہ اس کی تو
آپ فکر ہی نہ کریں۔"

ستیدہ نے کہا: "میں ایک خط وصول کی میرا یہ خط
مرو یا نیشا پور الپ ارسلان کو پہنچانا ہوگا۔"
کنیز ڈر گئی: "الپ ارسلان تو؟"

ستیدہ سکرستے لگی: "ہاں الپ ارسلان کو ابس ڈر
گئیں! بڑے کام، بڑے فائدے ہیں ہی آسانی سے
نہیں ہو جاتے۔"

کنیز نے کہا: "میں یہ کام کسی نہ کسی طرح کرانہ سکتی
ہوں لیکن اس میں آپ کو کچھ خرچ کرنا پڑے گا۔"
ستیدہ نے جواب دیا: "اس کی تو تو فکر ہی نہ کر لیکن
یہ کام نہایت رازداری سے ہونا چاہیے۔"

کنیز نے ڈرتے ڈرتے کہا: "بس ایک بات ہے
کام ہو جائے گا۔"

ستیدہ نے کہا: "بات صاف کرادہ مختصر بھی۔ ورنہ
اس طرح تو بات پہلے جاسے گی۔"

کنیز نے کسی قدر پس و پیش سے کہا: "میرا ایک
عاشق ہے وہ میرا ہر کام کر سکتا ہے بشرطیکہ اسے یقین
ہو جائے کہ میں اس کی برجاؤں گی۔"

ستیدہ نے دندہ کیا: "تو اس سے وعدہ کر سکتی ہے کہ
اگر اس نے ہمارا کام کر دیا اور میں بند اور پہنچ گئی تو اس کی
خواہش پوری کر دی جائے گی۔"
ستیدہ نے اپنے بارے میں الپ ارسلان کو ایک
مختصر خط لکھوایا:

"چغری داؤد کے سب سے زیادہ لائق بیٹے
الپ ارسلان! دنیا تیری بادشاہت کی فکر
تھی لیکن نا اہلوں اور نالائقوں نے سلیمان کو
سلطان بنا دیا۔ دنیا ایک گدھے کے گلے میں
طوق زریں دیکھ رہی ہے۔ میں ستیدہ تیرے
اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے امیر المومنین کی
بیٹی ہوں۔ البتہ میرے ساتھ بڑی نیابتی
کی ہے پہلے تو اس سننے میرے باپ اور
دنیا بھر کے مسلمانوں کے امیر المومنین کو مجھ پر
کیا کہ میری شادی تیرے چچا ظفر سے کر
دی جائے۔ میں تیرے چچا سے منسوب کر
دی گئی اور پھر البتہ میرے اصرار اور کوششوں
سے میں نے لائی گئی۔ اب میں بیوہ ہوں،
ادھیا اتنی ہوں کہ مجھے بند اور میرے باپ کے
پاس بھیج دیا جائے لیکن معلوم نہیں کیوں پھر
آؤں گے آ رہے ہیں وہ جانتا ہے میں بادشاہان
سے سلیمان کو سند حکومت دلوادوں جبکہ
میں سلیمان کو نا اہل اور حقہ کو اہل سمجھتی ہوں۔
میں تمہارے کی شرط نہیں مانی اور رے
میں قیدیوں جیسی زندگی گزار رہی ہوں اب
میں تجھ سے مدد چاہتی ہوں میری مدد کر اور
مدد میری یہ ہے کہ تو مجھے عزت و آبرو کے
ساتھ بند اور مجھ کو اپنے لب میں رکھوں گی!
یہ خط کنیز کے عاشق کے ذریعے الپ ارسلان کو روانہ
کر دیا گیا۔"

یہ عاشق پہلے تو مرو گیا لیکن وہاں سے معلوم ہوا کہ الپ
ارسلان اپنے چچا ظفر کو رے کی طرف بڑھنے سے روکنے
کے لیے دافغان روانہ ہو چکا ہے۔ دافغان تیشا پور و
رے کے درمیان ایک جگہ تھی، اور میں تڑکے کو دو آنجنے
کہہ کر وہ ایک ناقابل تسخیر پہاڑی قلعہ تھا قلعہ میں
اسی قلعہ کو اپنا مستقر بنایا تھا۔ الپ ارسلان اپنے چچا کو اس
سے آگے نہیں بڑھنے دینا چاہتا تھا۔

سے آتے ہوئے دیکھا، خواجہ حسن نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اور اس نووار کو انتظار کرنے لگا۔

نوجوان گھڑسوار اپنے گھوڑے کو سرسٹ دڑاتا ہوا الپ ارسلان کی فوج کی طرف چلا گیا۔

خواجہ حسن بھی اپنی فوج کی طرف واپس گیا اور نوجوان گھڑسوار کو راستے ہی میں پکڑ لیا۔

خواجہ حسن نے اپنے گھوڑے کو نوجوان کے برابر لے آیا اور پوچھا: تو کون ہے؟

نوجوان نے خواجہ حسن پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالنے اور جواب دے بغیر ہی گھوڑے کو بھاگتا ہوا۔

خواجہ حسن نے اپنی توار کھینچ لی: میرے سوالوں کے جواب دے، ورنہ میں تجھ کو قتل کر دوں گا۔

نوجوان نے سم کر گھوڑے کی رگام کھینچ لی: مگر تو کون ہے؟

خواجہ حسن نے جواب دیا: میں کون ہوں، اس سوال کا جواب بیاں ہو کر ہی دے سکتا ہے مگر یہ بنا کہ تو کون ہے اور کیا تجھ کو قتل کرنے کے لیے بیاں بھیج رہا ہے؟

نوجوان نے کہا: میں الپ ارسلان سے ملنا چاہتا ہوں اور اسے سے چلا آ رہا ہوں۔

خواجہ حسن نے اس کے پیرے وجود کو گردنبار میں آٹا ہوا دیکھا، اس کی پابارہ ناکھ مورچوں کی خنوار کہیں کہیں سے پھٹ گئی تھی اور پنڈلیوں سے خون بہہ رہا تھا۔

خواجہ حسن نے پوچھا: یہ تیری پنڈلیوں سے خون کیوں بہہ رہا ہے؟

نوجوان نے جواب دیا: خاندان جھاریوں نے مجھے زخمی کر دیا۔

پھر اس نے اچانک اپنے گھوڑے کو روک دیا۔

دیکھیں اب خواجہ حسن تو نہیں؟

خواجہ حسن نے جواب دیا: تو نے خوب پہچانا مجھے۔ میں ہی خواجہ حسن ہوں۔

نوجوان نے کہا: میں نے اسے اس وقت آپ کو دیکھا ہے، اس وقت آپ کو پہچاننے میں دیر اس لیے ہوئی کہ آپ نے اپنے چہرے کو دھال میں چھپا رکھا ہے۔

خواجہ حسن نے پوچھا: تجھ کو کس نے بھیجا ہے یہاں؟

نوجوان کسی قدر فکر مند ہو گیا کہ اس سوال کا کیا جواب دے؟

کہہ کر کے نیچے جنوب مشرق میں ریگستان تھا اور جنوب مغرب میں وادی الملح۔ الپ ارسلان اسی وادی سے گزر کر کہہ کر تک پہنچ سکتا تھا۔

خواجہ حسن نے الپ ارسلان کو خوش خبری سنائی کہ آپ رسے، سلیمان اور ابو نصر کی طرف سے بے فکر ہو جائیں ہیں خیلے میں آپ کا نام شامل کر دیا گیا ہے۔

الپ ارسلان نے پوچھا: ایسا کس کے حکم سے ہوا؟

خواجہ حسن نے جھوٹ سے کام نہیں لیا، ابو نصر کندی کے حکم سے۔

الپ ارسلان سوچ میں پڑ گیا: مگر اس نے ایسا کیوں کیا؟

خواجہ حسن نے جواب دیا: اس سوال کا فی الحال کوئی جواب نہیں۔

الپ ارسلان اور خواجہ حسن جیب اپنی فوج کے ساتھ وادی الملح میں داخل ہوئے تو انہیں پوری وادی پانی میں ڈوبی ہوئی نظر آئی۔ قتلش نے ایک ندی کا رخ آں وادی کی طرف کر دیا تھا اب تو کہہ کوں اور الپ ارسلان کے دریاں پانی میں ڈوبی ہوئی وادی الملح مائل تھی۔

الپ ارسلان اس نئی صورت حال سے پریشان ہو گیا۔ اس نے خواجہ حسن سے پوچھا: یہ کیا ہوا؟ اب کیا ہو گا؟

خواجہ حسن بھی پریشان ہو چکا تھا اور الپ ارسلان کی فکر کیا کا کوئی جواب نہیں تھا۔

الپ ارسلان اپنے استاد اور راتالیق کو پریشان دیکھ کر زیادہ پریشان ہو گیا۔

خواجہ حسن نے اسے تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ فوج کو حکم دی کہ یہیں نیچے نصب کر دیے۔

الپ ارسلان نے اسی جگہ نیچے نصب کر دیے۔

خواجہ حسن تھا گھوڑے پر سوار ہو کر وادی الملح کا جائزہ لینے لگا۔ ریگستانی پودوں اور درختوں کی یہ وادی دریاں اور خشک تھی۔ ریت اور خشک درختوں کی ہر طرف بھرا تھا۔

کھنڈار درخت اس طرح کھڑے تھے جیسے زمین سے موٹے موٹے خارزدہ ہاتھ اُگے ہوئے ہیں اور ان ہاتھوں سے بے ترتیب انگلیاں نووار ہو گئی ہیں۔ بعض درختوں کے ٹرسے ٹرسے پتے بھی کانٹوں سے بھرے ہوئے تھے۔

بھڑ بھڑی مٹی میں خواجہ حسن کے گھوڑے کی ٹانگیں دھنسی جا رہی تھیں۔

اس عالم میں خواجہ حسن نے ایک نوجوان کو مغربی سمت

خواجہ حسن نے اندر ار کیا: تو پیغام کیا یا ہے اور کس کے لیے؟

نوجوان نے پوچھا: کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ الپ ارسلان کھڑک کے لیے اچھا آدمی ہے؟

خواجہ حسن نے بول دیا: وہ بھی کے لیے بہت اچھا ہے۔

نوجوان نے کہا: میں الپ ارسلان کے لیے ایک خاص پیغام لایا ہوں۔

اس نے مزید کہا: میں جو خط اپنے ساتھ لایا ہوں، میں اسے کوٹا نہیں چاہتا۔

خواجہ حسن نے اس سے تسلیاں دیں: تجھ کو تو کوئی شخص فوج کے پاس بھی نہیں جانے دے گا۔ الپ ارسلان سے ملنا اتنا آسان نہیں جتنا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔

نوجوان نے اپنی جیب سے ایک خط نکالا اور خواجہ حسن کی طرف بڑھا دیا: میں یہ خط لایا ہوں اور اس کا جواب چاہتا ہوں۔

خواجہ حسن نے خط پڑھ لیا اور خوشی سے اچھل پڑا۔ خوب خوب! اب ہم سب کا کام ہو جائے گا۔

نوجوان حیرت سے خواجہ حسن کا منہ دیکھ رہا تھا۔ خواجہ حسن نے نوجوان کی تعریف کی: واللہ تو خوشیوں اور کامیابیوں کا فرستادہ ہے۔ تیرا جو وہم سب کے لیے نہایت مبارک ثابت ہو گا۔

نوجوان نے عرض کیا: بزرگوار! اگر میں کامیاب ہو گیا ہوں تو واقعی یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔

خواجہ حسن اس نوجوان کو الپ ارسلان کے پاس لے گیا اور نوجوان کو شیشے کے باہر چھوڑ کے خود اندر چلا گیا۔ یہاں الپ ارسلان کے محافظ موجود تھے اس چھوٹے سے حلقے کے آگے الپ ارسلان کا اصل خیمہ تھا۔

الپ ارسلان کو خواجہ حسن کی آمد سے مطلع کیا گیا اسے فوراً اٹھ بٹالیا گیا۔

الپ ارسلان نے پوچھا: آپ یقیناً کوئی اچھی خبر لائے ہیں اس وقت؟

خواجہ حسن نے وہ خط اس کے سامنے رکھ دیا: بت اچھی خبر۔ اس سے اچھی خبر اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

الپ ارسلان نے خط پڑھا اور نہیں، خود بڑھ کر کچھ کی کوشش کی اور کہا: تو سیدہ مجھ سے ملنا چاہتی ہے؟ خواجہ حسن نے جواب دیا: ہاں، خیمہ سے آپ کی

مدد کا سامان ہوا ہے۔

الپ ارسلان نے کہا: یہ ایک نام سا خط ہے اس سے آپ اتنے خوش کیوں ہو رہے ہیں؟

خواجہ حسن نے اس خوشی کی وضاحت کر دی: سیدہ امیر المومنین کی بیٹی آپ سے مدد چاہتی ہے اور سلیمان کو بھی ملک سند حکومت نہیں ملی۔

الپ ارسلان ذہن پر زور دے رہا تھا: پھر پھر؟ خواجہ حسن نے کہا: اور پھر یہ کہ سیدہ ابوالنصر سے ناراض ہے اور آپ سے امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔

الپ ارسلان ان پہیلیوں کو بوجھنا چاہتا تھا لیکن سمجھنے سے قاصر تھا۔

خواجہ حسن اس کو سمجھا رہا تھا: آپ کا نام خطوں میں شامل ہو گیا۔ اب آپ سے میں حاصل ہو کر سلیمان کو قید کر کے ابوالنصر کو قید کر سکیں گے۔

الپ ارسلان نے پوچھا: ابوالنصر کو قید کیوں چاہتے؟ خواجہ حسن نے بول دیا: میں آپ کے ہر سوال کا جواب دوں گا لیکن پہلے آپ میری پوری بات سن لیں۔ الپ ارسلان نے کہا: بہتر ہے، آپ بات پوری کر لیں۔

خواجہ حسن کہہ رہا تھا: اس کے بعد آپ سیدہ کو عزت و احترام کے ساتھ بغداد روانہ کر دیں گے اور خلیفہ برپا کر دیں گے کہ آپ نے سلیمان کو اس لیے قید کر دیا کہ سیدہ کو واپس نہیں بھیج رہا تھا۔ ابوالنصر کو اس لیے قید کر دیا کہ سیدہ کو اس ملک تک پہنچانے والا ابوالنصر تھا۔ اس لیے اس کو اس کے کچھ منافع دیا گیا ہے اور جو کچھ آپ کریں گے اس کے بدلے میں آپ کو سند حکومت بہر مال مل جائے گی۔

الپ ارسلان خواجہ حسن کی وفایت کا پہلے بھی قائل تھا اب ایمان لاسنے کی مدت تک قائل ہو گیا۔

خواجہ حسن کو اس نوجوان کا بھی خیال رہا جو یہ خط لے کر آیا تھا۔ اس نے الپ ارسلان سے اس نوجوان کی سفارش کی: یہ خوش اقبال ہیں جس نوجوان سے حاصل ہوئی ہے۔ وہ آپ کے تمام راز کا حق دار ہے۔

الپ ارسلان نے حکم دیا: اسے میرے ساتھ میرے پاس لایا جائے۔

خواجہ حسن اس نوجوان کے پاس خود گیا: اسے خوش قسمت زمانہ میرے ساتھ آ۔

نوجوان نے عرض کیا: میں تو واپس جانا چاہتا ہوں۔
خواجہ حسن نے جواب دیا: اسے نوجوان پیسے سامنے
تیار آقا موجود ہے۔ اب تو ہمارا آدمی سب سے اس دربار سے
طالب ہے۔

اب اسلان نے کہا: آپ اسے باہر لے جائیں
اس سے بھڑکات کر دیں گا۔

خواجہ حسن اسے پھر واپس لے گیا اور اسے چند
ممانظروں کی تحویل میں دے دیا۔ یہ ہماری امانت ہے اسے
عزت و احترام سے رکھا جائے۔

ممانظروں نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ وہ بھی
جی سمجھ رہے تھے کہ شاید یہ نوجوان کتاب زندہ ہے اور
خواجہ حسن اس کی حفاظت اور نگہبانی کی بات کر رہا ہے۔
ممانظروں نے اسے ایک خالی خیمے میں قید کر کے
پہرا بٹھا دیا۔

نوجوان کی آنکھوں میں اندھیرا پھیل گیا۔ وہ دہلے دہلے
یالہ میں کس مصیبت میں پڑ گیا۔ سونے پر رحم فرما۔
خواجہ حسن اور اب اسلان قتلش تک پہنچنے کی فکر
میں تھے۔

اب اسلان اور خواجہ حسن وادی النخ میں بھجوں
ہو کر رہ گئے۔ ان کے سامنے پانی شٹاٹیں مار رہا تھا۔
اسے فٹ کے ساتھ عبور کر کے تختہ کوہ میں داخل ہونا تھا۔
ستل کا م تھا۔ فوج بھی پریشان اور پست حوصلہ ہو رہی
تھی۔ اب اسلان نے خواجہ حسن سے پوچھا: ہم یہاں
کب تک ٹہرے رہیں گے؟

خواجہ حسن نے جواب دیا: ہمیں یہ نہیں معلوم
کہ یہاں کب تک پابجوں کی طرح ٹہرے رہیں گے۔
لیکن ہمیں یہ ضرور معلوم ہے کہ ہم کو وہی تسخیر اور قتلش
کو تباہ و برباد کیے بغیر واپس نہیں جاسکتے۔

اب اسلان کی نظریں سطح آب پر تھیں۔ سورج
کی کمزور کرنیں اسے چاندی کی طرح چمک رہی تھیں۔ دور کوہ
کوہ کی طرف سے کوئی چیز تیرتی جلی آرہی تھی۔ سطح کی طرح
پڑ سکون سطح کو میدان میں بٹلا کر کے اب اسلان نے
خواجہ حسن سے پوچھا: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے جو
ہماری طرف بڑھتی جلی آرہی ہے؟

خواجہ حسن نے بھی اس شے کو شوق اور تجسس
سے دیکھنا کوئی کشتی ہے شاید۔

نوجوان اپنی زیادہ پڑ پڑائی سے پریشان اور خوف زدہ
تھا۔ پوچھا: کیا میں اس جگہ مناسب نہیں ہوں؟
خواجہ حسن نے جواب دیا: نہیں، تو اس جگہ مناسب
نہیں ہے۔

نوجوان نے گزارش کی: آپ کو جو جواب دینا ہو
دی میں اسے سیدہ تک پہنچا دوں گا۔

خواجہ حسن نے اس کے ٹالنے پر ہاتھ رکھ دیا۔ نوجوان
مت گھبرا میرے ساتھ آ۔

اور اسے خواجہ حسن اندر کھینچ لے گیا۔
ممانظروں نے یہ دلچسپ منظر دیکھا تو انہیں مزہ آیا۔
نوجوان اس ماحول میں گھبرا رہا تھا۔

اب اسلان بھی اس دلچسپ منظر سے خاصا
نکلتا اندر ہوا۔

خواجہ حسن نے اسے اب اسلان کی طرف دھکا
دے کر بڑھا دیا: یہ ہے وہ نوجوان۔

نوجوان کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور اب
اسے یقین ہو گیا تھا کہ خط میں کوئی خطرناک بات ضرور لکھی
ہوگی۔

اب اسلان اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ نوجوان کو ان
آنکھوں میں غصہ اور عتاب کی چمک نظر آ رہی تھی۔ حضور
والا رحم!

اب اسلان نے پوچھا: جسم چم کیوں ہے؟
نوجوان نے عرض کیا: میں نہیں جانتا کہ اس خط
میں کیا لکھا گیا تھا، میں بس پہنچانے کی حد تک گنہگار
ہوں۔

خواجہ حسن نے اسے دلاسا دیا: مگر تو پریشان کیوں
ہے؟ ہم تو خوش ہیں۔

نوجوان نے عرض کیا: میں واپس جانا چاہتا ہوں۔
اب اسلان نے جواب دیا: تو ضرور واپس جاسکے گا۔
میرے بزرگ اور استاذ خواجہ حسن تجھ سے سب سے
خوش ہیں۔

نوجوان کے دل کو قرار نہیں آ رہا تھا۔ وہ ان باتوں
کو غصہ و مزاج پر محمول کر رہا تھا۔

خواجہ حسن اس کی ان کیفیتوں سے لاعلم رہتے ہوئے
اپنی دھن میں باتیں کیے جا رہا تھا۔ تو چار مہمان رہے گا۔
اب اسلان نے مہمان اس وقت تک جب تک
ہم اس مہم سے فارغ نہ ہو جائیں۔

کچھ دیر بعد یہ چیز واضح شکل میں قریب آگئی معمولی
کشتی جو سرٹھے تھے میں غلابیدا کر کے کشتی بنائی گئی تھی۔
کشتی کنارے سے آگئی اور اس میں سے ایک شخص
ساحل پر کود پڑا کشتی سے بندھا ہوا رٹا پتھر کی ایک بل سے
باندھ دیا گیا۔

خواجہ حسن نے الپ ارسلان کو اپنے چچے کیا اور خود
اس شخص کے سامنے جا کھڑا ہوا تو کون ہے تو؟ اور یہاں
کیوں آیا ہے؟

تیس تیس سالہ چوٹ سے چکلے سینے والے اس شخص
نے خواجہ حسن سے پوچھا: تو کون ہے؟ اور پھر الپ ارسلان
کی طرف اشارہ کیا: اندہ یہ کون ہے؟
خواجہ حسن نے پوچھا: تمہے کو کس سے ملنا ہے اور
کس کا بھیجا ہوا ہے؟

اس نے جواب دیا: مجھے سلطان قتلش نے بھیجا
ہے اور میں سلطان کے پیچھے الپ ارسلان کے نام ایک
خاص پیغام لایا ہوں؟

خواجہ حسن اور الپ ارسلان نے ہمانظوں کو اشارہ
کیا جو الپ ارسلان سے زیادہ کھڑے تھے ہمانظوں نے
نودار کو کھڑا کیا۔

الپ ارسلان نے نودار سے پوچھا: تو میرے نام
کیا پیغام لایا ہے؟ میں ہی الپ ارسلان ہوں؟
ہمانظوں نے اس کی تلاش کی تو اس کے پاس سے
اسلم نامہ کی کوئی چیز نہ نکلی۔

نودار نے الپ ارسلان سے عرض کیا: ہوسٹے بغیر
قتلش کا پیغام زبانی سنا دیا۔ سلطان طفل مروج قتلش کے
چچا کا بیٹا تھا اس طرح آپ اور سلطان قتلش کے
بیشوں کی طرح ہیں اور یہ حکومت قتلش کو ملنی چاہیے۔ تم
دونوں اپنے اپنے دعووں سے دستبردار ہو جاؤ ورنہ قتلش
سے اپنے مطلب کے علاقے حاصل کر لو یہ جنگ جہل
تم دونوں کو نقصان تو پہنچا ہے گی ناندہ ہرگز نہیں؟
الپ ارسلان مسکرایا: پس یا اور کچھ؟

نودار نے جواب دیا: آپ نے اپنے چچا کے خلاف
زوج کشتی کی قتلش نے اسے آپ کی بیکانا بغیر سمجھ کر

صاف کر دیا لیکن اب جو غلطی ہوگی وہ ناقابل معافی ہوگی؟
الپ ارسلان نے کہا: اب تو واپس جاسکتا ہے اور
میرے چچا سے کہہ دینا کہ آپ نے جس طرح اپنا حق ثابت
کیا ہے حکومتوں اور مہنتوں میں اس طرح حق نہیں ماننے
جاستے۔ چچا طفل مروج کے بعد میں ان کا معین جانشین
ہوں آپ یعنی چچا قتلش اپنے لیے جو عداوت پسند کریں گے
میں آپ کو دسے دوں گا، سلیمان نام نہاد سلطان ہے جب کہ
اصل سلطان میں ہوں؟

نودار نے پوچھا: تو آپ جنگ کس کے رہیں گے؟
خواجہ حسن نے جواب دیا: بالکل اور ہم یہاں تک آئے
کیوں ہیں؟

نودار نے پانی کی طرف اشارہ کیا: اور یہ پانی اس کو
کس طرح عبور کرونگے؟

خواجہ حسن نے اسے سرزنش کی: جو تیرا کام ہے
وہ کر، ہم اپنا کام کریں گے؟

الپ ارسلان نے کہا: اعلان جنگ۔ چوبیس سے کہہ
کر یہ کہہ کر وہ بھی ہمارا ہے اور جیب تک میں چھپا کے نام
حکومت کی توثیق نہ کر دوں تو یہاں کے حکمران نہیں تسلیم کیے
جائیں گے؟

نودار نے پوچھا: تو اب گویا میں واپس جاسکتا ہوں؟
خواجہ حسن نے جواب دیا: بالکل۔ ہم صرف ایک دن
جواب کا انتظار کریں گے اور پھر سول کہہ کر وہ پر حملہ آور ہو
جائیں گے؟

نودار دھنسنے لگا: تو گویا آپ ابھی تک گڑھ کو نہ سمجھ
ہی نہیں۔ آپ لوگوں کا وہاں تک پہنچنا دشوار عمل ہے جب
آپ کا اس سے واسطہ پڑے گا تب میری باتیں سمجھ میں
آئیں گی؟

خواجہ حسن نے کوئی جواب دینے کے بجائے الپ
ارسلان سے باتیں شروع کر دیں۔ آپ کل تک جواب کا
انتظار کریں چھ برسوں آپ کو تباہی کا میں کس سے مدد
مندی کو کس طرح عبور کریں؟

ہمانظوں نے دھتے دھتے دسے کر نودار کو اس کی
چھوٹی کشتی کے قریب پہنچا دیا۔ وہ وہیں بیٹھا۔

نہی اچھا حکم نے اب ارسلان کو غیے
میں بھیج دیا اور خود وادی الملح میں کرچہ کوڑہیں پہنچنے کا
راستہ تلاش کرتا رہا۔

دو پہر کو جب وہ کھانا کھا رہا تھا تو اسے اچانک سے
 کا فوجیوں یاد آ گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں سے اس کی خیریت
 پوچھی تو اسے بتایا گیا کہ وہ اپنے شہر میں بس روکے جا
 رہے ہیں۔

خواجه حسن نے پوچھا: اس کو کھانا دیا گیا؟
اسے بتایا: کھانا دیا گیا تھا مگر اس نے کھانا

خواجه حسن اپنا کینا چھوڑ کر نوجوان کے پاس گیا۔ اس وقت جیسی رو رہا تھا۔ خواجہ کو دیکھتے ہی اس کے پاؤں پکڑ لیے۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو مجھے معاف فرما دیں۔

خواجه حسن نے پوچھا: تو نے یہ کس طرح سمجھ لیا ہے
کہ تجھے قید کیا گیا ہے اور تجھ کو کسی قسم کی سزا دی جاوے گی؟
نوجوان اپنی بات پر اڑا رہا تھا میں یہاں اس غیصے میں
قید نہیں تو اور کیا ہوں؟

خواجه حسن اس کو اپنے خیمے میں لے آیا تو قید نہیں
ہے تو ہمارا اہمان ہے اب تو ہمارے ساتھ رہو اور تو ہمارے
ساتھ رہے جاوے گا :

نوجوان کو کسی حد تک قرار آ گیا اور اس کے چہرے سے سکون اور طمانیت ظاہر ہونے لگی۔

وہ دن گھبرا، دوسرا دن صبح ہوا، پھر یہ دن بھی گزر گیا اور تیسرا دن شہوار ہوا۔ الپ ارسلان اور شہزادہ حسن نے اپنے امرا اور فوجی سرداروں کو صبح مشورے کے لیے یکجا کیا۔

خوابِ حسن کا خیال تھا کہ مرعومہ مدت گزرے گی۔ اب
قشمش کے خدوف کا رروائی ہونا چاہیے۔

ایک فوجی سردار نے مشورہ دیا کہ مجھے یقین ہے کہ
فدائیں رستے جا سکتے وقت یہیں سے گزرنے کا، لیکن اس کا
میں نہیں انتظار کرنا چاہتا۔

خواجه حسن نے پوچھا: ”مگر کیا تم؟“
اسی مردوار نے جواب دیا: ”جیب تم وہ کرتی تھی
میں نے بھی نہ آجائے۔“

اُنہی ارشاد میں سننے کا ذکر کرتے ہوئے اس کا تعلق ہے اور وہ صحابہ شہید کر سنبھالنے کے لیے کڑا کڑا نہیں بھی رہے تو اس وقت ہمیں کیا کہنا ہو گا؟

خواجہ حسن نے اپنی تجدید پسٹی کر دی : آپ اپنی فرج
کو تیاری کا حکم دیں :

پس یہاں سے اپنے فوجی سرداروں کو تیار ہی کاٹم
دے دیا لیکن اسے کچھ پتا نہ تھا کہ اس کی فوج کروڑوں کو دس طرح
پہنچے گی۔

فوجی سرداروں کے چلے جانے کے بعد آپ اس قدر
سے خواہر حسن سے پریشان ہو گئے کہ آپ نے تلاش تک پہنچنے کا
کوئی راستہ تلاش کر لیا ہے؟“

خواجه حسن نے جواب دیا: نہیں، لیکن ہم اس شہر کو
مبور ضرور کر لیں گے۔

ابھی ارسلان سے پہنچا وہ کس طرح ؟
خواجہ حسن نے ایک عجیب و غریب بات کہی " میں
نے آپ کے لیے اور مصیبت کے ان دنوں کے لیے پہلے
سے ایک ہونج تیار کر رکھی ہے "

آپ ارسلان سے بچتا کہاں ہے آپ کی وہ فون؟
خواجہ حسن نے جواب دیا: "مرد میں نہ پتا پور میں۔"
وہ فوج بہ وقت آپ کے حق میں دعائیں کرتی رہتی ہے۔"
الپ ارسلان اپنے وزیر اور امالیق کی بات تمہیں
سمجھ سکا۔

خواجہ حسن حساس کی وضاحت کر دی۔ میں نے
حافظوں اور عالموں کی بڑی سرپرستی کی ہے اور وہ دن
آت آپ کے حق میں ڈھانٹ کر رہتے ہیں اب آپ
خطرات کی پر داسی کے بغیر اس ممنوعی ندی میں گھوڑے
ڈال دیں اللہ نے چاہا تو ہم اسے بحیرت عبور کر لیں گے۔
اب ارسلان مسکرایا اور سوچنے لگا یہ کیا بات ہوئی
خواجہ حسن کہیں یا کل تو نہیں ہو گیا؟

نہیں آیا گیا۔ اس پر شبہ کیوں کیا گیا، پوچھا کیا آپ کو میری تجویز پسند نہیں آئی؟

آپ ایسلان نے جواب دیا کہ کوئی تجویز ہوتی تو پسند
 یہی آتی۔ اس طرح تو میری فرج ڈوب کہ برباد ہو جائے
 گی۔

خواجہ حسن سے کہہ کیا ایسا نہیں ہوگا حضورِ والا آپ
شبیہ نہ کریں آپ بہت تو عمر میں :

الپ ارسال نہال گیا، لیکن خواجہ حسن اپنی بات پر
جور کیا اور آخر کار الپ ارسال نے اس کی تجویز پر عمل کرنے
کا فیصلہ کر لیا۔

فوج کو میدان میں آراستہ کیا گیا۔ الپ ارسلان اور خواجہ حسن نے ہتھیار لگا لئے اور اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ فوج کو حکم دیا: تم بھی اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔

فوجیوں نے بھی وہی کیا جو یہ دونوں کر رہے تھے۔ پھر الپ ارسلان اور خواجہ حسن مصنوعی ندی کے کنارے کھڑے ہو گئے۔

الپ ارسلان نے اپنے استاد کی طرف دیکھا۔ استاد نے اپنی گردن کی ہلکی سی جنبش سے الپ ارسلان کو اجازت دے دی کہ وہ جہاں چاہے کھڑا ہو۔

الپ ارسلان نے نہ صرف صاف صاف اعلان کر دیا بلکہ میرے استاد اور سابق خواجہ حسن نے یہ بتایا ہے کہ انھوں نے میرے لیے ایک ایسی فوج تیار کر رکھی ہے جس کے قوتے ہوئے ہم سب بڑی سے بڑی مسیت بھی جھیل لیں گے اور ضرور ہوجائیں گے۔

فوج الپ ارسلان کے حکم کی تعمیل کر رہی تھی اور ذرا سی دیر میں وہ مستعد اور چوکس ہو گئی۔

جب یہ فوج بھی مصنوعی ندی کے کنارے پہنچ گئی تو الپ ارسلان نے انھیں بتایا: آج ہم نہ فقط اور غلامانِ دہان کے زیر سایہ اس چھوٹی سی ندی کو عبور کر جائیں گے سب سے پہلے میں اور خواجہ حسن اپنے اپنے گھوڑے ندی میں اتار دے گا۔ تم باہر سے پیچھے آ جاؤ اور ندی عبور کر کے دشمن کو ہراسے کا کوئی موقع نہ دو۔

دونوں نے اپنے اپنے گھوڑے ندی میں اتار دیے۔ فوج نے بھی دیکھا دیکھی وہی کیا جو انھیں نظر آ رہا تھا۔

دوسرے کنارے پر قتلش کی فوج یوں ڈانڈا رہی تھی اور اس کو یقین تھا کہ الپ ارسلان یہی سوچ کر آئے ہیں۔

لیکن جب انھوں نے گھوڑوں اور سواروں کو ندی میں ڈوبایا اٹھائے اور آگے بڑھتے دیکھا تو ان کے سوشا تو اس ہی جیسے رہے۔ وہ یقیناً سوئے قرار ہوئے تھے۔ شاید یہ انھوں کی فوج سے جو بڑی پہل آ رہی تھی، نہ ہی کوئی کرپہ کر رہی تھی۔

جب قتلش کو یہ یقین ہو گیا کہ اپنی فوج کی فوج سے ملتا تھا، گئے بڑھائیں اس کی فوج کی نہ رہی فوج سے خوفزدہ نہ رہے۔

خواجہ حسن نے راستے میں تمنا کی کہ اگر

پہنچتے ہی جنگ شروع کر دیتی ہے۔ دشمن کو کسی قسم کا موقع نہیں دینا ہے۔

قتلش کو بھی یہ امید نہیں تھی کہ اس کا جتیبہ اس عرج اس کے سر پر پہنچے گا۔ وہ بھی خاصا مرعوب ہو چکا تھا۔ الپ ارسلان اور خواجہ حسن نے خشکی پر قدم رکھتے ہی جنگ شروع کر دی۔ اس کا اندازہ غیر معمولی حد تک تھا۔ قتلش کی فوج پیچھے ہٹنے لگی۔

خواجہ حسن سے مدد خواہش تھا کہ اس کی تجویز حیرت انگیز طور پر کامیاب رہی تھی۔ اور ایک ماہ بھی غائب نہیں ہوئی تھی۔

الپ ارسلان فوج کے ایک حصے کو پیادگی کی طرف لے گیا۔ اس طرح اس نے پیادگی پر چڑھنے کا رستہ بند کر دیا۔ قتلش کی فوج ابتری کا شکار تھی۔

الپ ارسلان ایک پیادگی پر چڑھ گیا اور دھان سے اعلان کیا۔

”دیکھو! اس ہنگامے میں میرے چچا قتلش کو کہیں ہلاک نہ کر دیا جائے چچا کو میرے پاس زندہ لانا میرا خاص مسکن کر دوں گا۔“

اس اعلان نے الپ ارسلان کی فوج کے حوصلے بڑھا دیے اور دشمن کی فوج کے حوصلے پست کر دیے۔ خواجہ حسن نے قتلش کو ایک طرف سے جھڑکی سے لڑتے دیکھا تو خود بھی اسی طرف چل گیا۔ قتلش نے بھی خواجہ حسن کو اپنی طرف آتے دیکھ لیا۔

خواجہ حسن نے کہا: قتلش! امت لڑو۔ اپنے حصے سے مفاہمت کرو، اور جہاں ہو وہیں صورت کر دے۔ قتلش نے جواب دیا: تو الپ ارسلان کو سمجھاؤ کہ اس کا بڑگ مول اس کے پاس جو کچھ ہے میں اس سے زیادہ دے سکتا ہوں۔

قتلش کی سپاہ کے پاؤں اکٹھے ہو گئے اس نے زور فرمایا کہ الپ ارسلان کی فوج اس کا چچا کر رہی تھی۔ خواجہ حسن قتلش کو تیار کر رہا تھا۔

الپ ارسلان ایک پیادگی سے اپنے چچا کی سلاست اور ذرا کا مسئلہ دیکھ رہا تھا اور بار بار یہی کہہ رہا تھا کہ میرے چچا کو ہلاک نہ کیا جائے۔

جب ساری فوج سرحد پار ہوئی تو قتلش بھی ترمیم دیا۔ الپ اس کے ساتھ گزرتا وہ دیکھ کر شہر میں دوپٹے لٹائی تھی جو میسٹان پر چاہے کے مقرر ہو جاتی تھی اور یہاں سب رہتے

کے آنسو بہاتے لگا۔

خواجہ حسن نے اس شخص کو دیکھا اور احتراماً ذرا پیچھے کھسک گیا۔ یہ الپ ارسلان تھا جو اپنے چچا کی جستجو میں یہاں تک آگیا تھا۔

الپ ارسلان نے چچا کی لاش کو سیدھا کیا اور کہا۔
”کیا آپ نے میری آواز میرے اعلان نہیں سنی ہے تو آپ سے بد رنجہ مجبوری لڑ رہا تھا۔“

خون قتلش کے منہ اور ناک سے بھی جاری تھا۔

الپ ارسلان اسے اپنی آستین سے پرٹنے لگا۔ ”واٹھ میں یہ پاتا تھا کہ آپ ہمارے پاس بزرگ بن کر رہیں
لیکن آپ میری بات سمجھے ہی نہیں۔ اب میں آپ کو کھال سے لاؤں!“

الپ ارسلان سسکیوں سے رونے لگا اسے اپنے چچا کی موت کا بے حد غم تھا۔

خواجہ حسن نے الپ ارسلان سے درخواست کی کہ آپ اپنے خیمے میں چلیں۔“

الپ ارسلان نے کہا: ”میرے چچا کو میرے ساتھ جلیخے میں لے جایا جائے۔“

خواجہ حسن نے عرض کیا: اب اس جسدِ ناک میں بہا ہی کیا ہے اب اس کو اس کی صحیح جگہ پہنچا دینا چاہیے۔“

الپ ارسلان ناراض ہو گیا: ”کیا آپ میری بات سمجھ نہیں رہے ہیں؟“

خواجہ حسن سنیں گیا: ”میں آپ کی بات خوب سمجھ رہا ہوں، اور آپ کے چچا کو وہیں لے جایا جائے گا جہاں آپ چاہتے ہیں۔“

قتلش کی لاش الپ ارسلان کے خیمے میں پہنچا دی گئی۔ الپ ارسلان نے اپنے امرا اور فوجی سرداروں کو بھیجا کہ وہ اپنے چچا کے سوگ میں آنسو بہاتے رہیں۔ وہ بار بار یہی کہتا رہا کہ میں آپ کو مارنا نہیں چاہتا تھا جو کچھ ہوا آپ کی غلط فہمی اور بے جا اندیشوں سے ہوا۔

الپ ارسلان گڑگڑ میں دو دن پڑا رہا پھر وہاں کا نظم و نسق اپنے ایک ایسے کے توالے کیا اور خواجہ حسن کی تجویز اور مشورے سے بے روانہ ہو گیا۔

میں اس کی فرات سے گرنے والا کوئی نہ تھا۔ اسے کسی نے بھی نہیں روکا۔ اسے کے باہر شہر کے تاجروں نے الپ ارسلان کا شاندار استقبال کیا۔ انہی کے مشورے پر الپ ارسلان نے شہر کے باہر اپنے خیمے نصب کر دیے تاجروں کا خیال تھا کہ اس طرح الپ ارسلان کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ کون اس کی آمد سے خوش

کے خون آشام سیاہی بھی نہیں سمجھے جب قتلش نے اس پگڈنڈی سے فرار ہو جانے کا ارادہ کیا تو اس کے ایک امیر نے اسے مشورہ دیا: ”آپ کیوں بھاگ رہے ہیں آپ کا بھتیجا آپ کو معافی دے چکا ہے اس کے پاس جائیے اور اپنے علاقے پر دوبارہ حکومت شروع کر دیجیے۔“

قتلش کے مایوس چہرے پر ایک ہوا اس سکواہٹ نمودار ہو کر غائب ہو گئی: ”وہ اعلان تو کر رہا ہے لیکن نیچے من و قلب نہیں کرے گا۔ وہ دھوکے سے مجھے فرار کرنا چاہتا ہے۔“

امیر نے کہا: ”میرا خیال ہے ایسا نہیں ہے۔“

اپنا تک ٹھوڑوں کی مایوں کی آوازیں آنے لگیں۔

قتلش کو یقین ہو گیا کہ الپ ارسلان کے تکراری برسرِ نکتہ ہونے

اس کے سر پر پہنچنے ہی والے ہیں۔ اس نے اپنے گھوڑے

کو اڑنے لگائی، گھوڑا ایک چٹان سے ٹکرایا اور قتلش

پشت سے اچھل کر کنبشی کے بل ایک نوک دار پتھر پر جا

گرا۔ پتھر کی نوک کنبشی کے نذر گھس گئی اور قتلش زخمی ہوا۔

جنگ ختم ہو گئی اور الپ ارسلان نے اپنی فوج کو

حکم دیا کہ خیموں کو لوٹ کر ان پر قبضہ کر لیا جائے۔

الپ ارسلان بذاتِ خود اپنے چچا کے خیمے میں چلا

گیا۔

سیاہیوں نے جی پھر کے کوٹ مار کی خواجہ حسن کوٹ

کے عبرتِ شاک مناظر دیکھا ہوا الپ ارسلان کے خیمے میں داخل

ہوا۔ الپ ارسلان نے کھڑے ہو کر اپنے وزیر کا استقبال

کیا اور پوچھا: ”کچھ چچا کا بھی پتا چلا؟“

خواجہ حسن نے جواب دیا: ”ان کو آپ کے جانشین

تلاش کر رہے ہیں۔ شاید وہ بہت جلد آپ کی خدمت

میں پیش کر دیے جائیں گے۔“

استنے میں ایک سیاہی بھاگتا ہوا آیا اور عرض کیا: ”میں

چچا قتلش کو نہیں پہچانتا بلکہ کرم میرے ساتھ ایک ایسا

آدمی کر دیا جسے جوان کو پہچان سکتا ہو۔“

خواجہ حسن اس کے ساتھ ہوا۔ سیاہی نے خواجہ

حسن کو قتلش کی لاش کے پاس لے جا کر کھڑا کر دیا۔

خواجہ حسن نے اس اوندھے منہ پڑی لاش کو پہچان

لیا اور دل ہی دل میں اس کے لیے فاتحہ پڑھنے لگا۔ کنبشی

سے جاری ہونے والا خون سیاہ پڑتا جا رہا تھا۔

خواجہ حسن لاش کے پاس بیٹھ کر رونے لگا۔

خواجہ حسن کے پاس ہی ایک دوسرا شخص بھی بیٹھ

جوں مارنے کی سزا

۱۱۵۹ء میں گجرات کے بادشاہ گدراپال نے جین مت قبول کیا۔ بن زبب قبول کرنے کے بعد وہ ہنساکے اھوہوں پر نہ صرف خود تھی سے کار بند ہوا بلکہ اپنی رعایا کے لیے بھی ان اصولوں کے توڑنے پر سخت سزائیں مقرر کیں۔ اسی دور میں ایک سوداگر نے بد قسمتی سے ایک جوں کو مار ڈالا۔ بادشاہ گدراپال نے اس کا مقدمہ ایک فیصلہ عدالت میں چلایا اور اس جرم کی پاداش میں سودگر کا تمام مال و متاع ضبط کر لیا گیا اور اس رقم سے ایک مندر تعمیر کروایا گیا۔

مولانا امجد احمد صاحب دیکنی کی تالیف "تاریخ حیدر و سزا" سے

سب سے اور کون ناخوش۔ یہ لوگ ابونصر سلطان کی ماں اور سلطان سیماں کے ہاتھ میں اپنی رائے نہیں رکھتے تھے۔ کوئی گھر یہ تینوں مل کر رہا۔ سلطان اور اس کی فوج کے ہاتھ میں کچھ بھی کر سکتے تھے۔

ابن اسلمان نے شہر کے باہر اسی طرح اپنا دربار لگایا جس طرح سلطان طغرل لگایا کرتا تھا۔ یا کوئی بھی خواہ مخواہ سلطان لگا سکتا تھا۔ اس دربار میں اس کے معزز لوگ حاضر رہتے تھے۔ سب سے پہلے اس کا ایک شاعر حاضر ہوا۔ اور اب اس کی شان میں اس نے جو بے پناہ اشعار کا ایک قصیدہ لکھا تھا وہ سنائے گا۔ لیکن چند شعر سننے کے بعد ہی ابن اسلمان نے اس کے اشعار سے اسے روک دیا۔ کہا: "پنا کلام خواجہ حسن کو دے دے وہ اس کا درجہ ہی تدارک پیش کر دے گا۔"

شاعر بہ مزہ ہوا لیکن خواجہ حسن نے اسے کھایا۔ ابن اسلمان کو ابھی بہت سے کام کرنے ہیں اس لیے اس وقت کا انتظار کر جب تیرہ کو دربار میں بلوا کر تیرا کلام سنا جائے گا۔

شاہ عارف نام لے کر چلا گیا۔ اس کے بعد اس کے ماموں نے حاضر ہوں دیں۔

اندر شہر میں سلطان سیماں کی ماں نے ابونصر کو بلوا کر اس کا شروع کر دیے۔ وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔ اس کا چہرہ دھواں سے ڈھواں ہو رہا تھا۔ وہ آنکھوں میں دھواں کے سانے تھے۔ وہ ابونصر سے پوچھ رہی تھی: ہماری فوج کہاں ہے؟ اب اسلمان کو کوئی بھی نہیں مل سکے گا۔

ابونصر نے تھکے تھکے ہیں میں جواب دیا: فوج تو جو رہے گی وہ چنے ماننے اور سب سے آگے پیشہ سالار کو اکھنڈ پڑتی ہے۔

اس نے ہل سے کہا: لیکن سیماں کو تو بیک کا کوئی تجربہ

ہی نہیں۔ تو تو تجربہ کار ہے تو ہی حوصلہ کر اور آگے بڑھو۔ لیکن ابونصر نے سخت کر لی: اب میں کسی مدد نہیں رہا۔ سلطان سے کیسے ہمت کرے؟

سلطان یہ خبر سن کر کہ لپ لپ اسلمان سے کے باہر فوج کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے بہت خوفزدہ ہو چکا تھا اس نے اپنے ترک دوستوں سے مشورہ کیا کہ اب اس کو کیا کرنا چاہیے؟ ادبائش ترک نوجوان نے جواب دیا: آپ فوج کے ساتھ باہر نکلیں۔ ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔

سلطان اس مشورے سے ناراض ہو گیا۔ تم لوگوں کے ساتھ میں کیوں چلوں؟ میں سلطان ہوں۔ فوج لے کر تم باؤ بہ ترک نوجوان نے سلطان کا مذاق اڑایا۔ سلطان کو مل سے باہر تو نکلتا ہی پڑے گا۔

لیکن سلطان مل سے ابونصر کے لیے بائبل تیار تھا۔ اس نے اپنے دو چار ساتھیوں کو آزمائش کی کوشش کی۔ انہیں بھی بلوایا اور مسئلہ ان کے سامنے رکھ دیا۔

وہ بہنے لگے۔ گویا سلطان کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

سلطان نے غصے میں پوچھا: یہ تم نہیں کیوں کہتے ہو؟ ایک نے جواب دیا: صرف اس نے ہمیں اپنی اور نادانی پر کہ ہم یا کوئی اور آپ کی حکومت کے لیے خود کو بہت میں کیوں کہتے؟ سلطان نے اس سے تمام قسمت استہزائیہ کرکے سنا۔ یہی وہی وہ تھا اور جو کہیں تھا، اس کا مکمل غائب واقع سن رہا تھا۔

اس نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا: اب میں کیا کروں؟ اس سے بہت کچھ سننا ہوا۔

یہ دوست نے جواب دیا: منہ بند رہو۔ آپ کا جان لینا نہ کہ دوا نہ پکڑاؤ شک ہے۔ بہت آپ خوف ہے کہ باہر نکلیں ورنہ اس کا مقابلہ کر کے نہ چھوڑیں۔

دوستوں نے ابو نصر کو مسکراتے ہوئے دیکھا، آپ ہی نے اس
سلطنت کو منسوب کیا تھا اور شاید اب آپ ہی اسے منشر کر
دیں گے؟

ابو نصر کے دل پر جو حسرت رہی تھی کچھ وہی جانتا تھا جہلے
والے جو کچھ کہہ گئے تھے بونصر اس سے لرز گیا تھا۔
سلطان نے پوچھا کیا ہیں سلطان بنو ہاؤں، آپ ارسلان
واپس چلا جائے گا؟

ابو نصر نے خوب دیر، واپس کیوں نہیں ہمارے گاہک اس نے
آپ کی خدمت اور عنایات کی باتیں فرمائیں، پھر آپ ہی
کی طرف سے آپ کے چچا موہلی نے خود اور کشمکش سے جنگیں لڑیں
اب وہ آپ کے پاس دو دو حسین درخشاں واکرام حاصل کرنے آیا
ہے، آپ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کیوں نہیں سمجھتے؟

سلطان اب خوش نظر آ رہا تھا، "ہاں آپ ارسلان میرے
پاس آتے ہیں عام دکرہ مست سے نواز دیں گے، میں اس سے بہت
خوش ہوں؟"

ابو نصر نے عرض کیا: اگر آپ اجازت دیں تو کل میں خود
چلا جاؤں، آپ ارسلان کے پاس؟

سلطان نے فوراً ہمت دے دی، "آپ ضرور جائیں اس
کے پاس، آپ اب ارسلان سے کہیں کہ میں اس سے بہت
خوش ہوں، آپ اس سے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خراسان کی حکومت
تو اس کی ہے ہی، میں اس کے عدویں بھی اس کو کچھ دینا چاہتا ہوں؟"
ابو نصر نے کہا: آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں، یہ ساری باتیں
اسپہ سالار کے سامنے گزار دیں گے، ایک ایک بات۔

ابو نصر نے لگا لگا کر سلطان ہی اس کے ساتھ چلنے لگا، وہ
ابو نصر سے کہہ رہا تھا: آپ ارسلان سے کہنا میں خود سن کر دیتے
دیتا تھا، لیکن میری خیر معمولی ضروریات مانع ہیں؟

ابو نصر نے جواب دیا: میں آپ کی ہر بات آپ ارسلان
تک پہنچا دوں گا، مگر وہیں چلنے سے پہلے ایک گزارش کروں گا؟
سلطان نے پوچھا: وہ کیا؟

ابو نصر نے عرض کیا: میں وہاں پہلی بار جاؤں گا، اس لیے
کوئی تحفہ یا نذرانہ تو مجھے بھی ساتھ ضرور لے جانا چاہیے؟

سلطان نے نعل کے اندر جاتے ہوئے کہا: یہیں لیں
کہیں ہوائیں صحت، ایک بھی آتا ہوں؟

اور حبيب وہ کچھ دیر بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ہزار
دیناروں کی ایک تھیلی تھی، اسے ابو نصر کی طرف بڑھا دیا۔
"اے اے! یہ ہزار دینار لے جائیں بعد میں میں اس کو خوب خوب
نوازوں گا، آپ اب ارسلان کو یہ یقین دل سکتے ہیں؟"

سلطان نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا: اسے کاش، یہ بات میرے
بس میں ہوتی۔ اپنی فوج کو لے کر اگر میدان جنگ میں پہنچ بھی
جاؤں تو فوج کو میں لڑاؤں گا کس طرح؟

دوست نے شروع دیا: تب پھر آپ اپنے اس کام کے
لیے ابو نصر کو یاد فرمائیں، وہ اسے خیر و خوبی منہمقت سکتا ہے؟
سلطان نے دوست کی بات مان لی، لیکن اسے ابو نصر
پر عبور سامنے تھا، اس نے ابو نصر کو بلوالیا اور یہ دھمے ملتے
لغظوں میں اسے بتا دیا کہ وہ یہاں کیوں بلایا گیا ہے۔

ابو نصر نے پوچھا: لیکن جب آپ کا بڑا بھائی آپ سے
جنگ نہیں کر رہا ہے تو آپ جنگ کی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟
سلطان نے کہا: وہ اپنی فوج کے ساتھ میرے پاس آیا
ہے اس کے عزائم جنگی ہیں؟

ابو نصر نے اسپہ سالار کی وکالت کی: آپ کو بھائی کے
خلاف دیکھ لیا جا رہا ہے، حالانکہ آپ ارسلان آپ کا پشت پناہ
بن کے آیا ہے؟

سلطان نے اس پر اعتراض نہیں کیا، پوچھا: کیا وہ مجھے سب سے
سلطان رہنے دے گا؟

ابو نصر نے جواب دیا: کیوں نہیں رہنے دے گا، آپ ارسلان
کو راضی رکھنے کے لیے ہی تو میں نے خطبے میں اس کا نام پہلے کہے
دیا تھا، آپ سلطان مرحوم کے مندر کردہ سلطان ہیں، کیا آپ ارسلان
اس کا بھی احترام نہیں کرے گا؟ پھر خود ہی اس کا جواب دیا: اگر وہ
گا اور ضرور کرے گا؟

سلطان کے دوست سلطان کی زبانی پڑھتے پھر کر عرض
کئے تھے، سلطان نے ایک جھک دیکھ لی اور پوچھا: آخر تم سب
لوگ جنس کیوں سمجھ رہے ہو؟

دوست نے جواب دیا: ہم نے آپ جیسا سلطان اور
ابو نصر جیسا وزیر نہ دیکھا نہ سنا، دونوں خوب ہیں؟

ابو نصر ناراض ہو گیا: اچھا اب میں چلتا ہوں، مجھے اور بھی
کئی کام انجام دینا ہیں؟

سلطان نے اس کے گھڑے اکٹھے کر لیے، اس کے اس کی
نذرانی کا اندازہ لگایا تھا، پوچھا: کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟
ابو نصر نے سلطان کے دوستوں کی طرف اشارہ کیا: جہاں
اتنے بہت سے شیر موجود ہیں وہاں میری کیا ضرورت؟ آپ اپنی
فوج کے حوالے کر دیں؟ اب ارسلان کو مار جائیگا نہیں گے؟

سلطان نے اپنے دوستوں پر غم ہو گیا: تم یہاں کیا کر رہے ہو؟
دفعہ بوجہ میری ضرورت کے سامنے سے! مجھے اپنے وزیر سے
مشورے کرنے دور؟

وہ شخص ابونصر کو دیکھ کر رُک گیا۔ جھک کر غومت دیکھ
درحقیقت سے کہا: یہ سب وہ ابونصر وقتاً بوقتے اپنی آنکھوں پر
یقین نہیں آ رہا۔

ابونصر نے بھی اسے پہچان لیا۔ یہ پرویز دستور نامی ایک
پارسی تھا اور دایلوں اور کراہوں کی فزہی، جس کے ذمے رہائی
تھی پر پرویز دستور ابونصر کی خدمات بھی انجام دے رہا تھا۔

ابونصر نے کوئی جواب نہ دیا۔ خواجہ حسن نے اسے استعانت
دیا: "اس کو جیادہ فضول باتوں میں کیوں وقت نہ لے کر رہا ہے؟"
پرویز دستور چاہا کہ وہ خواجہ حسن نہایت بہ ادبی سے جواب
سے مخاطب ہو۔ "ہاں تو یہ بہت وقت کیوں لے رہا ہے؟"
ابونصر نے کرب زورہ جے میں پرچہ کیا یہ سب سے پہلے اس وقت
کی قید ہے یہاں؟

خواجہ حسن نے جواب دیا: "ابونصر تو بہت بڑا ہے کہ قید میں
آنے کے فوراً بعد میرے جیسے نساؤں کی سہ دنیات میں کتنی
اضافہ ہو جاتا ہے؟"

ابونصر دل میں دل میں گڑبڑ رہتا تھا: میں جانتا ہوں خوب
جاننا ہوں، بے شک آپ کے بعد ضرور میں آئندہ میں امتیاز
کراؤں گا۔

اس کے بعد ابونصر نے خواجہ حسن کی خدمت میں پانچ سو
دینار پیش کیے۔

خواجہ حسن نے دیناروں کی پٹلی سے دل سے ایک طرف دیکھ
دی۔ اور پوچھا: اس میں کیا ہے؟

ابونصر نے جواب دیا: "پانچ سو دینار آپ کی خدمت
میں سونے کی طرح غریب ہونے کے ایک ذریعہ کا حق سنا رہا ہے۔"
خواجہ حسن ہنسنے لگا: "کی سچ ہے؟ پانچ سو دینار اور تم کو
یہ حق سنا رہا ہے؟"

ابونصر نے پانچ بولتے سکے لیے کوئی موضوع ہی نہیں تھا
اس لیے خاموش بیٹھا رہا۔

خواجہ حسن بھی عجیب و غریب ترکتیب کر رہے تھے۔
سونا، کبھی شکاری کھجور کے ٹکڑے، وہ بونہ کی وقت دیکھ کر
رہتا تھا۔

مغرب کی طرف سے باریت پڑی ہوئی، اس وقت بھی
حبیب و خیر کو کیا خواجہ حسن نے کہا: "دیکھو دیکھو"
مست مٹا میں ذرا دیر ہی قلم کو ذریعہ جواب یہ کوئی دوست نہیں
نہایت کسی کو چاہا کہ نہیں آتا تھا۔ "میں نے جو کچھ
نہایت رکھ دیا ہے اس پر اس وقت رہا۔"

ابونصر نے جواب دیا: "ابونصر پرچہ میں۔"

ابونصر نے اسے لٹک کر اپنے من کیا۔ وہاں منل کیلہ دوسرا
باس پتا اور پانچ سو دینار اپنے ساتھ سے کرب ارسلان کے
پاس پہنچ گیا۔

دو راستے میں خاصا پریشان رہا۔ اسب وہ یہ فیصلہ نہیں کر
پڑا تھا کہ یہ پانچ سو دینار کس کو دیے جائیں۔ سہارہ ارسلان کو یا
خواجہ حسن کو؟

راستے میں وہ باتیں ترکوں نے اس پر آوائے کسے "اس بعد
کہ حق و ناحق وزیر جو کچھ سے کو گزری ریکو سر جند کرتا ہے۔"

ابونصر میں وہ باتوں کے منہ نہیں سنا پڑتا تھا اس لیے وہ
ان کی اور ان کی باتوں کی پڑ کیے بغیر کی گئے بڑھ گیا۔

وہ باتوں میں شہر زکب بھی شامل تھا وہ شہر ترک
تس کو ابونصر نے قید کر دیا تھا۔

ابونصر نے سے بہ ننگہ توڑ فیصلے پر اسب رس کے
خیمہ سکی خیرتی۔ اس سے وہ باتیں ترکوں کو یہاں بھی دیکھیں۔ وہ بھی
اسب ارسلان کی خیمہ سکی کی طرف چلے جاتے تھے۔ ابونصر اپنے
کی طرف جاتے جاتے خواجہ حسن کی طرف چلے گیا۔ وہاں سے اسے
روک دیا اور اس کا تعارف چاہا۔

ابونصر نے وہاں سے کہا: "اپنے آقا سے کہو۔ میں ان کے
ہمچہ مرقوم طائر کا وزیر ابونصر سے ملاقات کرے یا ہوں؟"
ابونصر کی آواز خواجہ حسن کے کانوں میں پڑی تو وہ ہنسنے لگا
بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد وہاں اندر آیا اور خواجہ حسن کو ابونصر کے پاس
میں بتایا۔

ابونصر کو جب یہ بتایا گیا کہ خواجہ حسن بھی ضرور میں آپ
کو کچھ اختیار کرنا ہوگا تو اسے بڑی اذیت ہوئی۔ اس نے ہستہ
سے کہا: "لیکن میں نے اپنے آٹھ سارے درباریوں میں کسی تعریف
انسان کو یوں رحمت اختیار نہیں دی۔"

وہ کچھ دیر بعد اکتا لیا۔ وہاں سے کہا: "کیا میں واپس چلا
جائوں؟"

وہاں سے جواب دیا: "میں کیا کر سکتا ہوں؟"
حبیب وہ ساگر فتنہ ہی دلاتی تو خواجہ حسن نے سے مذہب
جواں۔ نہ خواجہ حسن سے یہ نفسوں سا آدمی باتیں کر رہا تھا۔
وہ خواجہ حسن سے پوچھ رہا تھا: "سب میں ان وقت ہی بھی دانا آپ
کے پاس؟"

ابونصر نے امداد منل ہوتے ہی وہاں سے کوسو یہ سارے
وہ جو سب راز کے خفیہ سنا سنا دیا۔ لیکن اس وقت
سے کوئی کو دیا: "ہاں اس کی وقت نہیں آ رہی ہے۔"

میں نہیں آؤں گی۔

بونصر نے کرب زورہ لہجہ اختیار کیا: ہاں وہ سب ایک شخص کی ذات سے وابستہ تھا۔ جب وہ چلا گیا تو میں نکلتا اور نعلوں سے انسان رہ گیا۔

اب السلطان نے بونصر کا ہاتھ لپٹے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ آپ نے میرے لیے جو کچھ کیا میں اسے بھی ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ آپ نے میری عدم موجودگی میں شہنشاہ میں میرا نام سلیمان سے پہلے شان کرایا اور اب میں آپ کی وجہ سے اس لائق ہوا ہوں کہ ایک قطرہ خون ہمارے بغیر ملک سے میں داخل ہو جاؤں گا۔

بونصر نے اپنی صفائی کش کی: میں نے سلیمان کو سلطان مرحوم کی وصیت کے مطابق سلطان بنادیا۔ لیکن میں نے ایسا بدیہہ نبیوری کیا تھا اور پھر جیسے ہی مجھے موقع ملا میں نے آپ کا نام بھی غلطی میں شان کرایا۔

اب السلطان نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا: آپ نے میرے لیے جو کچھ کیا میں اس کا آپ کو کوئی صلہ تو نہیں دے سکتا۔ میں اب آپ ہی خواجہ حسن کے ساتھ وزارت میں اس کے شریک رہیں گے۔ اب آپ دونوں میرے وزیر ہیں۔

بونصر نے سر دھو بیٹھ کر: شاید میری قسمت آپ کے تنہا ملک کی منتقل نہ ہو سکے۔

اب السلطان نے کہا: آپ مایوس نہ ہوں میں آپ کی سلطنت سلجوقیہ کا سلطان آپ سے یہ وعدہ کر رہا ہوں۔

اب السلطان نے دیکھا ایک غلام اس کی طرف بٹھا ہوا تھا۔ یہ غلام اس نے بہت دیر بعد پوچھا: کیا بات ہے؟ کوئی نام بتاؤ۔ غلام نے جواب دیا: وزیر خواجہ محمد اذن باریا لی چاہتے ہیں۔ اب السلطان ٹوٹ کر: خواجہ حسن خوب! میں اس کا خطا بھی تھا۔

غلام واپس گیا اور کچھ دیر بعد خواجہ حسن اندر داخل ہوا۔ اس نے اب السلطان کے ہاتھ میں بونصر کا ہاتھ پکڑ دیکھا تو حسد سے پریشان ہو گیا۔

اب السلطان نے بونصر کے پاس سے اس کے خیالات کی سہری کی: میں نے بونصر کی خدمات کے صلے میں آپ کی وزارت میں اسے بھی شریک کر دیا ہے۔

خواجہ حسن نے بونصر سے کہا: اگر آپ میرے پاس سے لٹختے ہوئے یہ بتا دیتے کہ میں سلطان اب السلطان کے پاس جا رہا ہوں تو شاید میں بھی آپ کے ساتھ ہی یہاں آجاتا۔

اب السلطان نے بونصر کا ہاتھ چھوڑ دیا: تو اب بونصر سے آپ کی ملاقات ہو چکی ہے؟

خواجہ حسن نے جواب دیا: جی ہند پروردگار اس شخص نے

خواجہ حسن لپٹے ڈھکن پر زور سے رہا تھا جیسے کچھ یاد کر رہا ہو۔ پھر کہا: اور میں بونصر ایک ضروری بات اور کل ہم شہر میں داخل ہونا میں گئے شہزادہ اب السلطان ہمارے ساتھ ہوگا۔ تم سلیمان و اس کی ہمت سے کہہ دینا، دونوں ہمت استقبالیہ کو محل سے باہر آجائیں۔

بونصر نے جواب دیا: میں آپ کا یہ پیغام ان دونوں ملک پہنچا تو وہیں کہا: لیکن پتا نہیں دوں گے باہر نہیں گئے۔ نہیں؟ خواجہ حسن نے نہایت سنجیدگی سے کہا: یہ مذاق نہیں ہے۔ میں جس جس کو اپنے سلطان اب السلطان کے استقبالیہ کے لئے بھیجا ہوں دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں تو کسی تال بہت اور تیر سلطان بھی اور سلطان کی مال بھی۔

بونصر نے کہا: میرا خیال ہے کہ آپ یہ نہ کریں۔ دیکھنا اور اس کی مال کو محل سے باہر لے کر بہرہ نہ کریں۔

خواجہ حسن نے ترش لہجہ میں کہا: میں تو سب کی تربیت سے چند بنیو گے لی کامٹ ہو رہے ہیں۔ آج بھر سو۔

بونصر نے تھکے تھکے قدموں و زانوں سے چلے گئے۔

اب السلطان نے کہا: یہ تمام ان دونوں ملک پہنچا دینا۔ خواجہ حسن نے بونصر کی خدمت بونصر کے دروازہ پر نہیں اور بونصر باہر نکل گیا۔

بونصر شاید سیدھا محل واپس چلا جاتا۔ میں اب السلطان کے پاس رخصت کا خیال کیا ورنہ اب السلطان کے پاس نہ جاتا۔

اس وقت اب السلطان اپنے فخر سرور محل سے بیٹھ، ہم معانوں میں مشاغل سے مشغول تھے۔ میں اس کو جیتے ہی یہ بتایا گیا کہ بونصر سے یہ پیغام ہے: چاہے وہ کتنا ہی تندرست ہو، بونصر کو اور بونصر کو اندر لایا۔

ون بونصر کی پیشانی کے لیے خیمے کے دروازے تک آیا اور بونصر کو دیکھتے ہی اسے سلام کیا اور بونصر سے متعارف کر کے اسے بوسہ بجا دیا۔

بونصر اس کے سلوک سے بے حد متاثر ہوا۔ اس کی آنکھیں جھپک جھپک، پوچھا: آپ مجھے اتنی عزت دے دیکر میں برداشت نہ کر سکتا ہوں۔

اب السلطان نے اپنی بیگم سے کہا: اور بونصر کو اپنے پاس بیٹھا کر تعزیریں کرنے لگا: میں آپ کو اپنے خیر خواہان مرحوم کی نشانی سمجھتا ہوں۔ وہ آپ کی ذہانت اور باریک بینی سے حد قابل و مداح تھے۔

پانچ سو دینار بھی بطور نذر پیش کیے۔ خواجہ حسن دیناروں کو
مقتل اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ آپ ارسلان کی خدمت میں پیش
رہی اور کہا: میں نے اس سے اس وقت کہہ دیا تھا کہ اسے
دیناروں کو آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے لیکن یہ دیناروں
کی قتل میرے پاس چھوڑ کر یہاں آپ کے پاس چلا آیا۔

آپ ارسلان کو وحشت سی ہو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر ابھیر
کو دیکھتا رہا اس کے بعد شلے لگا اور ابونصر سے پوچھا: اسے
ابونصر! یہ تو نے کیا کیا؟ یہ میں کیا سن رہا ہوں؟
ابونصر کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

آپ ارسلان بڑی بے چینی سے شل رہا تھا۔ خواجہ حسن نے
کہنے لگا: آپ نے ابونصر کو میری وفایت میں شریک کر دیا۔
یہ بہت اچھا کیا۔ میں اس کے تجربات سے فائدہ اٹھا سکوں گا۔
لیکن فی الحال دو چار ماہ ابونصر کو آرام کرتا چاہیے کیونکہ ابونصر بھی
ذہنی طور پر اس لائق نہیں کہ کار و وزارت انجام دے سکے۔
ابونصر خوب سمجھ رہا تھا کہ خواجہ حسن اس کو قبول نہیں کر
رہا۔ اب وہ اس حیثیت میں نہیں تھا کہ خواجہ حسن کی مخالفت میں
ملے۔ وقت اور اس کی قسمت نے اسے ایک دور سے پرکھ کر دیا
تھا جو ایک طرف تو خندق پر جا کے ختم ہو جاتا تھا اور دوسری
طرف کنوئیں پر۔

آپ ارسلان نے خواجہ حسن سے اختلاف کیا؟ نہیں ابونصر
کو آرام نہیں کرنے دیا جیسے گا۔ یہ وزیر تھا، وزیر ہے، وزیر ہے گا۔
خواجہ حسن مجبور ہو گیا: ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی۔
آپ ارسلان نے ابونصر کو سمجھایا: دیکھو ابونصر! گھبراہٹ
یا پریشانی میں کوئی ایسی حرکت نہ کرو کہ اس کے اخراج کا فیصلہ
پریشان کریں۔

ابونصر نے عرض کیا: میں اپنی دانست میں کوئی بھی ایسا
کام نہیں کرتا ہوں جس سے مجھے پریشانی اٹھنا پڑے، لیکن
قسمت کی برکت اور تقدیر کی زبوں حالی کہ اس کا کوئی حل نہیں
میرست پاس۔

ابونصر وہاں سے چلا گیا۔ آپ ارسلان خواجہ حسن کو سمجھاتا
رہا کہ وہ ابونصر کی مخالفت نہ ہوں گے۔

خواجہ حسن نے عرض کیا: میں ابونصر کو ہدف نہیں ہوں
بلکہ میں جو ہوتے ہوں وہ ابونصر کے خلاف نہیں کرتا اور میری
سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ وہ ابونصر سے ملے۔

آپ ارسلان نے پوچھا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ مثلاً؟
خواجہ حسن نے جواب دیا: مثلاً یہ چاہتا ہوں کہ جب
آپ نے میں کو قتل ہوں تو اس کے بدلے میں اپنے امرا اور عوام

سلطنت کے ساتھ آپ کا استقبال کریں، لیکن ابونصر کو میری
اس تجویز سے اختلاف ہے؟

آپ ارسلان نے کہا: نہیں، آپ کی یہ تجویز مناسب نہیں
ہے۔ ان دونوں کو ہمارا استقبال نہیں کرنا چاہیے۔

خواجہ حسن اس ہار پی بات پر اڑا رہا: میری، قص قتل ہوئی
کہہ ہی سب کہ جس طرح ایک نیام میں دو کواریں نہیں جھک سکتیں۔

اسی طرح ایک ہی مملکت میں دو بادشاہ بھی نہیں رہ سکتے اگر وہ
دونوں آپ کے استقبال کو حاضر ہو گئے اور نیام سے نظر نہ کھینچا

تو اس سے دنیا کی نظریں آپ سلطان بھٹک کر گئے اور وہ دونوں
آپ کے عزیز و رشتے دار بے ریا رہا۔

خواجہ حسن کی باتوں میں وزن تھا۔ آپ ارسلان بھی کسی حد
تک قائل ہو گیا: آپ کی باتیں معقول ہیں لیکن سلیمان میرا بھائی

اور اس کی ماں میری ماں ہے۔ میں ان دونوں کو اتنی سختی سے سلط پر نہیں
لانا چاہتا۔

خواجہ حسن نے کہا: آپ سلطان ہیں ہم سب کے سلطان۔
آپ کسی کے عزیز یا رشتے دار نہیں کیونکہ سلطان صرف سلطان

ہوتا ہے۔ وہ نہ کسی کا بیٹا ہوتا ہے نہ کسی کا باپ۔ رشتے دار یا
مام لوگوں میں ہوا کرتی ہیں، ایک سلطان کی نظریں صرف ایک

رشتہ ہوتا ہے وہ ہے پر جانور دنیا کا رشتہ۔
آپ ارسلان نے پوچھا: سلطان کا کوئی عزیز یا رشتہ دار

نہیں ہوتا، یعنی؟ کیا چغری داؤد میرا باپ نہیں تھا؟ کیا طفل میرا
بچا نہیں تھا؟

خواجہ حسن نے جواب دیا: جب چغری داؤد آپ کے باپ
یا سلطان طفل مرحوم آپ کے چچا تھے۔ اس وقت آپ سلطان

نہیں تھے۔
آپ ارسلان نے پوچھا: لیکن سلطان کے عزیز یا رشتے دار

کیوں نہیں ہوتے چاہئیں؟
خواجہ حسن نے جواب دیا: اس لیے کہ عزیز و رشتے دار مجاہد

ترجم کے مقابل ہوتے ہیں جیکہ ایک سلطان کو اس سے محروم
ہونا چاہیے۔

آپ ارسلان خواجہ حسن کی عجیب و غریب بات سے حیران
نہ ہو چکا، لیکن بندہ ترجم تو ایک اچھا چیز ہے۔

خواجہ حسن نے جواب دیا: بھلا شک، ان کے لیے جو اس کے
قادر دستوں ہوں۔ سلطان کے عزیز و رشتے دار بہت رشتے دار

کے گھٹھ میں غم کرتے ہیں۔ دست و پائی سے رشتے داروں کے غم
سے ہم اندر رعایت کے عجب کار چستے ہیں۔ دریں طرح وہ

سلطان جو کسی کا باپ، کسی کا بھائی، کسی کا چچا ہوتا ہے، اپنے

جذبہ ترقی کی وجہ سے مختلف فیوں کا مرکب ہو جاتا ہے۔

اب السلطان خواجہ حسن سے مرعوب ہو چکا تھا۔ بہتر سے کہا: اچھا اگر کچھ مناسب سمجھتے ہیں کہ سلیمان اور اس کی ماں میرا استقبال کریں تو یہ ذمہ داری بھی آپ ہی کو پوری کرنا ہوگی۔ وہ دونوں کل کب کہاں اور کس طرح میرا استقبال کریں گے؟ ساری باتیں آپ طے کریں گے۔

دوسرے دن علی الصباح اب السلطان اپنی فوج کے ساتھ بے میں داخل ہو گیا۔ ابونصر نے اس کا رستے کے مشرقی دروازے پر استقبال کیا۔ اس کے چند دوسرے امراء بھی تھے لیکن ابونصر ان میں سب سے آگے تھا۔

اب السلطان نے ابونصر کو اپنے بائیں طرف رہنے کا حکم دیا۔ دائیں طرف خواجہ حسن چل رہا تھا۔ سلیمان کی فوج کو غیر مسلح کر دیا گیا تھا اور اسے یہ حکم دے دیا گیا تھا کہ وہ اب السلطان اور اس کی فوج کا استقبال کرے۔

ابونصر کے حکم کی حرف بہ حرف تعمیل کی گئی۔ ابونصر نے اس کے سپہ سالار کو اپنے قریب بلایا اور کہا: یہ اب السلطان سلطان مغزل مرحوم کے سب سے بڑے بیٹے آج سے تم سب کے سلطان ہیں۔ ان کا استقبال کر لیا کہ ان سے اپنے عہدے کی تہوار حاصل کرو۔

سپہ سالار نے آگے بڑھ کر نئے سلطان کی کاب کو بوسہ دیا اور اب السلطان کی طرف سے ایک تہوار عطا کی گئی۔ بے کے لوگ گل پاشی کر رہے تھے۔ وصال اب السلطان سے بہت خوش تھے۔

بازاروں سے گزرتے ہوئے سب سیوگ سلطان محل کے سامنے پہنچے تو دروازوں سے محل کا دروازہ کھول کر اپنے نئے سلطان کا دیدار کیا۔

محل میں داخل ہوتے ہی فوج نے ڈانڈ ڈال دیا۔ اور بتائی گئی کہ میدان میں نیچے نصب کیے جانے لگے۔

اب السلطان دیوار کے قریب گھوڑے سے اترا تو اس کے وزیر اور امراء بھی گھوڑوں سے نیچے آگئے۔

خواجہ حسن اور ابونصر بھی سلطان کے سامنے مؤدب کھڑے ہو گئے۔

سلطان کی تشریف ابونصر پر بھی ہوئی تھیں۔ وہ ابونصر کا احسان منہ نظر آرہا تھا۔ خواجہ حسن اب السلطان کے لباسات سے خوف نہ تھا۔

خواجہ حسن نے ابونصر سے کہا: آپ اس محل اور اس کے مکینوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس لیے آپ اندر جائیں اور

سب کو مطلع کر دیں کہ سلطان اب السلطان محل کے صدر دروازے کے اندر تشریف لائے ہیں۔ تم سب اس کی خدمت میں حاضر ہوں۔ دوسرا اس کی خوشنودی حاصل کرو۔

ابونصر نے سلطان اب السلطان کی طرف دیکھا: کیا آپ کے بھائی سلیمان ان کی اس حکمت سے مستثنیٰ نہیں ہیں؟ سلطان نے خواجہ حسن کی طرف اشارہ کیا: یہ سوال خواجہ حسن سے کریں وہی اس وقت جواب دیں گے۔

ابونصر نے خواجہ حسن کی طرف دیکھا: خواجہ حسن نظروں پر ابرہ تھا: کوئی مستثنیٰ نہیں، سب کو حاضر ہونا دینا ہے۔ ابونصر سمجھ گیا کہ خواجہ حسن نے اس کے طے شدہ منصوبے میں تبدیلی کر لی ہے۔ وہ چپ چاپ محل میں چلا گیا۔

اند سلیمان اور اس کی ماں بڑی بے چینی سے ابونصر کا انتظار کر رہے تھے۔ ابونصر کو محل کی ہالیوں سے اپنی طرف آتے دیکھ کر دونوں دروازے کے پاس کھڑے ہو گئے۔

ابونصر نے محل کے خدمت گار سے جیسے ہی یہ کہا کہ اسے اندر جانے کی اجازت دی جائے۔ خدمت گار نے اشارے سے کہا: آپ اندر جائیں دونوں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

ابونصر جیسے ہی اندر داخل ہوا۔ ماں نے اس کے سینے پر دو ہتھ پڑے اور پوچھا: ابونصر! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اور سلطان سلیمان نے شکایت کی: تو ملازم ہمارا تھا اور کام اب السلطان کے لیے کرتا رہا۔

ابونصر نے ناگواری سے جواب دیا: میں آپ دونوں کو بیک وقت جواب نہیں دے سکتا۔ اور ماں سے خاص کر کہا: آپ نے میرا سینہ ہلکے رکھ دیا۔ آپ ہوش میں آئیں تو کوئی بات کروں۔

دونوں نے خود پر قابو حاصل کیا اور ماں نے پوچھا: میں تجھ سے یہ پوچھتی ہوں کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

ابونصر نے جواب دیا: وہی ہوا جو رہا ہے جو سلطان مغزل مرحوم کی وفات کے فوراً بعد ہونا چاہیے تھا۔ اس وقت میں غلطی پر تھا۔

سلطان سلیمان نے پوچھا: اب اس وقت میں کیا ہوں؟ ابونصر نے جواب دیا: سلطان اب السلطان کے چھوٹے بھائی اس نے بے چینی سے پوچھا: یعنی یہ کہ اب میں سلطان نہیں رہا۔

ابونصر نے جواب دیا: سلطان تو آپ کبھی بھی نہیں تھے ایک سلطان کا سایہ تھے۔ ناجائز بھائی امین اور فضل سے فوجیان۔ ماں کو بڑا دکھ تھا، پوچھا: اب ہمارا کیا ہے گا؟

ہیں کیا کرنا ہوگا؟

ابونصر نے جواب دیا: آپ دونوں میرے ساتھ آپ سلطان کے پاس چلیں اور اسے اپنے بیٹے کی طرح اپنے ساتھ مل میں لائیں اور اس سے کہیں کہ بیٹے اب سلطان یہ تیری امانت تھی جسے میں نے غاصبی طور پر سنبھال رکھا تھا اب اسے تو قبول کرے سلطان سلیمان چہنچہ پلائے گا یہ غلط ہے زیادتی ہے دغا بازی ہے تو نے ہم سے فریب کیا ہے۔
مال نے اسے ٹانٹ دیا: تو جیتے ہوئے سولے کو بگاڑ دے گا۔ تو خاموش رہا۔

محل سے رونے دھونے کی آوازیں بڑا برا رہی تھیں ابونصر نے درخواست کی: مادر محترم! اس بد شگون کی کوئی طرح ختم کریں؟ مال نے اپنی کنیزوں کو حکم دیا: جاؤ ان دونوں دھونے والوں سے کہو، محل میں کسی کا انتقال نہیں ہوگا ہم سب زندہ و خیریت سے ہیں اس لیے روزادھونا بند کریں؟
کنیزیں محل کے دوسرے حصوں میں چلی گئیں و خیریت عجز طور پر وہ آوازیں بند ہو گئیں۔

مال نے اب سلطان کے پاس جانے کی تیاری کی بیٹے کو بھی اپنے ساتھ لیا اور اسے منع کیا کہ وہیں احتیاط اور زبان بندی سے کام لینا اور نہ بات بگڑ جائے گی۔
سلطان سلیمان نے درخواست کی: اگر آپ مجھے اپنے ساتھ نہ لے جائیں تو مجھ پر آپ کا مسلہ ہوگا؟
مال برہم ہو گئی: تو بفضلِ بکواس نہ کہ ایک تیرے نہ جانے سے معاملہ بگڑ جائے گا یعنی حبیب سے کہ سلطان اب سلطان کے ساتھ نہیں ہوگا تو ہماری ہر بات نفل اور بے سنی ہوگی۔
بعد میں محمدی سلطان بھی مال کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گیا۔

ابونصر ان دونوں کو پیسے ہوئے اب سلطان کے پاس س شان سے پہنچا کہ خدام سلطان وہ اس کی مال کی طرف سے نہ رنے کی چیزیں اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے تہیتی رہی پر پرتا شاہیں، جوئی برتن، فلزات کے نمائشی ظروف، دینار و سست بھری ہوئی صلیب۔

ابونصر ان دونوں سے پہلے اب سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا اور اب سلطان سے درخواست کی: میں ان دونوں کو آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں اب آپ مجھ اپنی مال کے ہرجم میں اپنی جگہ پر کھڑے ہو جائیں۔

اب سلطان نے خواجہ جس کی طرف دیکھا فوراً من نے منع کر دیا: ابونصر! تو تو وزیر رہ چکے ہو اور یہ بھی نہیں جانتے کہ استقبال

ابونصر نے جواب دیا: کچھ نہیں، آپ لوگ اس محل کے پرانے

کھن میں ہیں۔ میں اب سلطان سے آپ دونوں کی سفارش کرنے کا میکن اس صورت میں کہ آپ دونوں محل سے نکل کر سلطان اب سلطان کو خوش آمدید کہیں۔

اپانک محل میں کھرام برپا ہو گیا، ہر طرف سے دھونے دھونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ابونصر پریشان ہو رہا تھا کہ کہیں اب سلطان کے دوستوں نے کسی قسم کی زیادتی تو نہیں شروع کر دی۔ بیکر سے سلطان سلیمان اور اس کی ماں پریشان نہیں تھے اس طرح دیکار نے ان دونوں کو نہ تو حیران کیا تھا نہ پریشان۔

ابونصر نے پوچھا: یہ محل میں کیسا کھرام برپا ہے؟ سلطان کی مال نے جواب دیا: اسے اور محل پر اب کا آئندہ ادا اور مجھ سے پوچھتے ہو کہ یہ کیسا کھرام برپا ہے؟
صرتے عرض کیا: مادر محترم! آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں میں نے جو کچھ کیا وہ اس سے بہتر ہے جو خود بخود پیش آئے والا تھا۔

سلطان کی مال نے پوچھا: یہ خود بخود کیا پیش آئے والا تھا؟ ابونصر نے جواب دیا: "میں نے آپ کے مروت و شہر پر کھائی ہوئی بیوقوف اور تلکشی کیسے بعد دیگرے حملہ آور ہونے والے تھے۔ ان خطرات کا مقابلہ اب سلطان نے کیا اور ہمیشہ کے لیے انہیں ختم کر دیا مگر دوسرے میں فتنہ و شائے سے داخل ہونے کی توجہ تھوڑا رہا ہوتا اور سے کو بڑی تباہ کاریاں دیکھنا پڑتیں۔
شاید سلطان کی مال کی سمجھ میں یہ آخری بات آگئی تھی۔ پوچھا: اب سلطان ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟
ابونصر نے جواب دیا: وہی جو ایک بیٹا اپنی ماں کے ساتھ کرتا ہے۔"

سلطان سلیمان دونوں کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔ وہ ان دونوں کی مفاہمانہ بات سمیت سے بالکل مطمئن نہیں تھا اور نہ بات اس کا کیا ہوگا۔ شاید یہ سطلے ہوا تھا کہ ہم دونوں حکومت کریں گے میں بھی ورجانی اب سلطان بھی اس شرط کو کس طرح پورا کیا جائے گا؟

ابونصر نے جواب دیا: آپ حکومت میں کس طرح شرکت کریں گے؟ فکر و مشق آپ کے بس کا نہیں، نران کی سپہ سالاری آپ کے اختیار میں نہیں۔

اب اس کو اپنے بیٹے کے ہاتھ ہونے کا احساس ہوا۔ اس نے ڈنٹ کر سمجھنے کی کوشش کی: اب تو سیدھرتے تھے نصرت میں اپنی فتنوں باتوں سے رختہ رختہ اگر کسی بقیہ نہ تو تھی یہ باتوں کی کھینچ پھینچ رہا تھا۔ اب

ابو نصر نے خواجہ حسن کی طرف دیکھا: ان دونوں کے لیے آپ کا کیا فیصلہ ہے؟

خواجہ حسن نے جواب دیا: یہ سلطنت کے دعوت والوں میں۔ انہیں اس طرح عزت و احترام سے دیکھا جائے کہ یہ پتھر کہیں...

ابو نصر نے خواجہ حسن کی اشارے سے زبان بندی کر دی اور دونوں سے کہا: تم دونوں کو اس محل کے کسی گوشے میں جگہ دے دی جائے گی اور وہاں نہ ہوش و نہ زندہ کی کسے تھیہ دن گزار دو گے۔ جو بات یا جو کام دونوں کے بس کا نہیں اسے اپنے زمانے سے نکال دینا چاہیے۔

دونوں کی قسمتوں کا فیصلہ سنا دیا گیا اور سلیمان کی آنکھیں اس وقت کھل کی کھل رہ گئیں۔ جب اس صفا پت ترک ساتھیوں کو ابو نصر کی فوج میں کھڑے دیکھا۔ اب وہ خواجہ حسن کے زیر سایہ ابو نصر کے لازم تھے۔

جب یہ دونوں ابو نصر کے پاس سے گئے تو بال پسند لمحوں کے لیے رنگ گئی وہ کچھ دیر ابو نصر کو کھڑی رکھتی رہی اس کے بعد پوچھا: کیوں ہونٹہ! یہ کھتا ہے اس سب کے صلے میں تجھ کو کیا ملا؟

ابو نصر نے سر جھکا لیا۔ اور آنکھوں سے چند قطرے آنسوؤں کے ٹپک پڑے۔

ابو نصر نے ہر توڑی ہوئی زمین اس کا سکہ کمیں بھی تو نہ ملتا تھا۔ خواجہ حسن اسے ہر جگہ ذیل دھوا کر رہا تھا۔ وہ ابو نصر سے ہر وقت خوفزدہ رہتا تھا۔ وہ خوب کہتا تھا کہ ابو نصر کسی وقت بھی پال پل سکتا ہے جس سے خواجہ حسن کا قصر و زانت زمین بوس ہو جائے۔ وہ ابو نصر سے ہر چہا چھڑانے کی تہ تیغ سوچ رہا تھا۔

ابو نصر نے محل میں داخل ہوتے ہی ہر جگہ اپنے آدمی تعینات کر دیے۔ خواجہ حسن اس کو شوق سے دے رہا تھا اور ابو نصر ان پر عمل کر رہا تھا۔ لیکن خواجہ حسن کو محل میں جو چیز سب سے زیادہ پریشان کر رہی تھی وہ ابو نصر کی ذات تھی کیونکہ ابو نصر نے ابو نصر کو اب بھی بڑی اہمیت دے رہا تھا۔

ابو نصر نے اپنی بی بی اور سلطان خاتون کو اپنے محل میں طلب کیا۔ وہ آگوشی لیکن اس اور بچیہ رہی۔ ابو نصر خاتون کے ہاتھوں میں دو قسمی کنگن پڑے تھے۔ ابو نصر کی نظریں ان کنگنوں پر جم گئیں اس نے بی بی سے پوچھا: ابو نصر بن! تم مجھ سے ملنے نہیں آؤ گی؟

کسی ایک ہی طرف سے ہوتا ہے۔ دونوں طرف سے نہیں۔ ابو نصر نے سلطان میں صرف سلطان۔ انہیں کسی اور کا استعلا نہیں کرنا چاہیے۔

ابو نصر نے ابو نصر سے پوچھا: اس محل میں آپ کی اپنی کیا رائے ہے؟

ابو نصر نے خود سوال کر دیا: ابو نصر اتنی ہی کیا رائے ہے اس محل میں؟

ابو نصر نے جواب دیا: یہ کہ آپ کو اپنی ماں کا استقبال کرنا چاہیے۔

ابو نصر نے کہا: تو اس کا یہ مطلب ہو کہ مجھے دو وزیر نہیں رکھنے چاہئیں کیونکہ دونوں وزیر اس ایک محل میں متفق نہیں ہیں۔

ابو نصر نے دونوں ہی کو چوکا کر دیا۔ خواجہ حسن بھی تھوڑی نظروں سے ابو نصر کو دیکھ رہا تھا اور ابو نصر بھی سوائے نظروں سے ابو نصر کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سلطان سلیمان اور ماں ابو نصر کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ابو نصر نے خواجہ حسن سے کہا: آپ کی رائے مناسب ہے۔ استقبال کسی ایک ہی کا ہونا چاہیے۔

ابو نصر خود اپنی نظروں سے گر گیا۔ اور خواجہ حسن کے چہرے پر شگفتگی دوڑ گئی۔

ابو نصر دونوں کے پاس گیا اور انہیں مشورہ دیا: ہمارا نیا سلطان ہمارے سامنے موجود ہے۔ آپ دونوں ادب و سبب کے سامنے جھک جائیں۔

ماں نے فحشت بھی میں پوچھا: لیکن ملے تو کچھ اور ہوا تھا۔ ابو نصر نے عرض کیا: مادر محترم! میں غلطیوں پر غلطیاں کیے جا رہا ہوں۔ اب مجھے اپنے آپ پر بھی اعتنا نہیں رہا۔

سلطان سلیمان نے ابو نصر سے پوچھا: اب آپ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟

خواجہ حسن نے ابو نصر کی طرف سے جواب دیا۔ پہلے آپ کو معزول کیا جائے گا اس کے بعد آپ قید کر دیے جائیں گے۔

ابو نصر نے ان سے پوچھا: اسے عورت تو ہی تو وہ عورت ہے جس نے سلطان محل پر حرم سے اپنے بیٹے سلیمان کی سلطانی کا فرمان حاصل کر لیا تھا۔

ابو نصر نے جواب دیا: ہاں! میں وہی ہوں مگر کتنا بد نصیب ہے کہ اپنی ماں کو اس عورت کے کہہ کر غلط کر رہا ہے۔ ابو نصر ایک طرف سر جھکا کے بیٹھ گیا۔

ایک نرین کی ڈانٹک کار میں ایک صاحب نے سامنے بیٹھے ہوئے نوجوان کو سگریٹ خریدنے کے لئے معذرت کی کہ وہ سگریٹ نہیں بیٹا۔ تھوڑی دیر بعد ان صاحب نے اس نوجوان کو دھکی آفر کی مگر نوجوان نے اس بار بھی معذرت کی کہ وہ شراب نوشی نہیں کرتا۔ اس پر وہ صاحب بہت مرعوب ہوئے اور اس نوجوان سے کہا: "ساتھ والے کپڑے میں میری بیوی اور بیٹی ہے، میرے ساتھ آؤ، میں تم ایسے صالح نوجوان کو ان سے ملانا چاہتا ہوں۔" نوجوان نے اُن سے ایک مرتبہ پھر معذرت کی اور کہا: "معافی چاہتا ہوں جناب، میں یہ کام بھی نہیں کرتا۔"

عطاء الحق خاموشی کی کتاب - جلد ۱ - سے

ارسلان خاتون نے پوچھا: میں کس سے ملنا آئی تھی سلطان سے؟ ہاں تو آپ سے مل چکی تھیں؟

اب اس سلطان نے جواب دیا: میں بخاری بات کر رہا ہوں۔ اپنی بہن ارسلان خاتون کی بات، جو امیر المومنین کی بیوی بھی ہے۔ ارسلان خاتون نے کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ سلطان ہیں۔ اور ایک سلطان صرف سلطان ہوتا ہے اس کی کوئی بہن، کوئی ماں یا کوئی بھائی نہیں ہوتا۔

اب اس سلطان اس سے جوابات کرنا چاہتا تھا ارسلان خاتون اس کا موقع ہی نہیں دے رہی تھی۔

اب اس سلطان گنگنوں کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ پھر پوچھا: یہ گنگن آپ کو کس نے میرے تھے؟ امیر المومنین نے کہا: پھر۔؟

کچھ کہتے کہتے چُپ ہو گیا۔

ارسلان خاتون نے دونوں گنگن لگا کر اب اس سلطان کی طرف پھینک دیے۔ اسے لٹا نہیں رکھ لے۔ تو سلطان تو بن گیا لیکن تیری نیت؟

اب اس سلطان نے دونوں گنگن دو بار دل سے ٹٹا دیے اور کہا: میں انھیں خریدا ہوں نظروں سے نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ سیدوں کے لئے بہت اچھے لگتے تھے۔

ارسلان خاتون نے گنگن واپس نہیں لیے لیکن اب اس سلطان نے انھیں خاموشی سے ارسلان خاتون کے قدموں میں رکھ دیا۔ "میں دین کی کوئی چیز نہیں لے سکتا ارسلان خاتون بہن! مجھے شرمندہ کر دو۔"

ارسلان خاتون نے کہا: اب آپ اپنا کاروبار سمجھالیں، کاروبار نہ ہو سکتا۔ آپ مستند سلطان نہیں ہیں اس لیے ذرا۔۔۔

اب اس سلطان نے جواب دیا: ارسلان خاتون بہن! آپ امیر المومنین کی بیوی ہیں تب بخل نہ جائیں اور میرے حق میں مسنود حکومت حاصل کر کے روانہ کر دیں؟

ارسلان خاتون نے بخل نہ جانتے ہی سے ہلکا کر دیا: اب

میں بخل نہ بھی نہیں جاؤں گی؟

اب اس سلطان کا منہ کھلا کا کھلا دیا: آپ بخل نہ بھی نہیں جائیں گی؟ کیوں، آخر کیوں؟

ارسلان خاتون نے جواب دیا: آپ نے بخل نہ کر دھوکا دیا میری ماں میرے بھائی کو دھوکا دیا۔ پھر میں آپ کا ساتھ کیوں دوں؟ اب اس سلطان نے کہا: میں نے کسی کو بھی دھوکا نہیں دیا۔

یہ تم کیا کہہ رہی ہو بہن ارسلان خاتون؟

ارسلان خاتون نے جواب دیا: "نہ دنیا اور نہ کاروبار سلطنت سے بیزار ہوں یہاں ہر شخص ہانگ دیا اور دھوکا دیتا ہے۔"

اب اس سلطان کو بہن کی باتیں بہت بُری لگیں لیکن وہ مشتعل نہیں ہوا۔ آخر سے کہا: تب تم باسکتی ہو؟ تم سے یکم نہیں ہوں گا؟

اب اس سلطان نے سابقہ حکومت کے عہد سے طویل کو اپنی دلوں دہشا۔ سنا پتھر خواہ بنایا تھا ابن ہرقم ہی ملک میر کو سب یہ معلوم ہوا کہ اب اس سلطان خودت بلند اس سے سلطان کی سند حاصل کرنے کے لیے بے چین ہے تو اس نے اپنا خدات مٹا کر دیں۔

لیکن اب اس سلطان کو کیا ساقم نہیں اٹھانا چاہتا تھا اس میں ہانکا کی ہانکا مانا جاتا ہو۔

خواجہ حسن اپنی ٹانگ دونوں لگتا اس نے اب اس سلطان کی عدم موجودگی میں خلیفہ کی بیٹی سیدہ سے ملاقات کی۔ سیدہ نے پڑے کے چمچے سے خواجہ حسن سے باتیں کیں۔

اب اس سلطان اپنی نون میں مصروف گھس رہا تھا۔

بلکہ سرخ پڑے کے دوسرے حصے میں سیدہ ارسلان خاتون کے ساتھ بیٹھی تھی۔ دوسری طرف خواجہ حسن تنہا تھا کیونکہ وہ پہلی جو باتیں کرنا چاہتا تھا انھیں راز رکھنے کا خواہش مند تھا۔

خواجہ حسن نے سیدہ سے پوچھا: "خیر سیدہ! آپ نے اب کو ایک غلط کیا تھا؟"

سیدہ مسکراتی تھی: "ہاں بلکہ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ نے میرے تمامہ کو قید کر لیا تھا۔"

سیدہ مسکراتی تھی: "ہاں بلکہ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ نے میرے تمامہ کو قید کر لیا تھا۔"

سید نے کہا: اب آپ ابو نصر یا کسی اور کا نام نہ لیں یہی سنا سے اپنی بد قسمتی سے تعبیر کیا ہے۔

خواجہ حسن نے سیدہ کو سمجھایا: آپ اس طرح نہ سوچیں آپ ابو نصر کو بری اندازہ قرار نہ دیں۔ اس نے آپ کی شادی مرحوم سلطان سے کرانی اور وہی ہے جو آپ کو یہاں تک لایا۔ اور پھر وہی ہے جس نے آپ کو بغداد نہیں جانے دیا۔ اس سے ڈرنا ہوں کہ کہیں وہ کوئی ایسی عورت نہ پیدا کرے کہ جس سے آپ بغداد یا ہی نہ سکیں۔

سید نے جواب دیا: خواجہ حسن! آپ میں اور ابو نصر میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے۔ ابو نصر نے مجھ سے یہی خواہش کی تھی کہ اگر میں امیر المومنین سے یہاں کے نام سند حکومت دلوں تو وہ مجھے بغداد بھیج دے گا۔ یہی آپ بھی کہہ رہے ہیں وزارت کے لیے آپ دونوں لڑیں لیکن درمیان میں مجھے نہ لائیں۔ خواجہ حسن نے پوچھا: کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس وقت آپ کے پاس کون ہے؟

سید نے جواب دیا: میری ماں ارسلان خاتون، میری بیٹی ارسلان خاتون۔

خواجہ حسن جھکا گیا: یہ کیا رشتہ ہے آپ دونوں کا؟

سید نے جواب دیا: امیر المومنین میرے والد ہیں اور ارسلان خاتون ان کی بیوی۔ اس طرح سلطان طفل مرحوم میرا شوہر تھا اور ارسلان خاتون اس کی بیٹی۔

خواجہ حسن اس وضاحت سے لطف اندوز ہوا۔ وہ سیدہ کے پاس زیادہ دیر نہیں رکنا چاہتا تھا اس لیے اجازت چاہی اور دریافت کیا: تب پھر میں آپ سے امید رکھوں کہ آپ بغداد پہنچ سکے۔

سید نے جواب دیا: آپ جاسکتے ہیں، لیکن میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتی۔

خواجہ حسن مایوس اور دل شکستہ واپس آیا۔ جب وہ سیدہ سے معصوم گفتگو تھا، ابو نصر، الپ ارسلان سے باتیں کر رہا تھا اور اس نے الپ ارسلان کو یہ یقین دلایا تھا کہ اگر اس کو بغداد جانے دیا جائے تو وہ امیر المومنین سے الپ ارسلان کے نام سند حکومت حاصل کر سکے گا۔

الپ ارسلان اس کی باتوں پر اس لیے یقین کر رہا تھا کہ اسے معلوم تھا کہ ابو نصر کو ان باتوں کا تجربہ حاصل ہے اور عباسی خلیفہ قائم بہ اللہ اس سے خاصا محبوب بھی ہے۔ الپ ارسلان نے ابو نصر کو حکم دیا کہ وہ بغداد جانے کی تیاری کرے۔

ابو نصر نے درخواست کی: اگر سیدہ کو بھی میرے ساتھ کر دیا

خواجہ حسن بھانپیں جھانکنے لگا: نہیں یہ غلط ہے۔ ایسا نہیں ہوا تھا اسے تو عزت و احترام سے ایک خیمے میں ٹھہرایا گیا تھا۔ آپ کے قاصد کو یقیناً غلط فہمی ہوئی تھی۔

سیدہ نے پوچھا: اس وقت آپ کیا بات کریں گے؟ خواجہ حسن نے عرض کیا: سلطان الپ ارسلان نے یہ... سیدہ نے اس کی بات کاٹ دی: خواجہ حسن! الپ ارسلان اچھی سلطان نہیں ہے کیا سند حکومت آپ جاری کرنے لگے ہیں؟ خواجہ حسن بہت زیادہ پریشان ہو گیا: یہ بات نہیں مختصر سیدہ خاتون سے یوں ہی اچانک، رانگی میں غلط سلطان نکل گیا۔ اب میں متیلاً سے کام لوں گا۔

سیدہ ارسلان خاتون کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ خواجہ حسن نے کہا: مختصر سیدہ خاتون! شاید آپ کو نہیں معلوم کہ ہم نے آپ کے قاصد کو مارا مار کر دیلا ہے اور جب وہ متعلقہ چیز سے شادی کرنا چاہے گا تو اس کی شادی کے بدلہ اخراجات میں برداشت کروں گا۔ میں تنہا اور صرف میں۔

سیدہ نے پوچھا: آپ میری کیا مدد کریں گے؟

خواجہ حسن نے جواب دیا: میں آپ کو تیریت بغداد بھیجوا دوں گا۔

سیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا: بہت خوب، پھر؟

خواجہ حسن نے عرض کیا: اس کے صلے میں کچھ آپ کو بھی کرنا ہوگا۔

سیدہ نے کہا: مجھ سے باتیں صاف اور دو ٹوک کریں۔ اشدوں کتابوں میں ہرگز نہیں۔

خواجہ حسن نے کہا: آپ بغداد میں ملنے والہ سے۔

سیدہ نے کہا: آپ تو کچھ کنا چاہتے ہیں میں جانتی ہوں۔ آپ کا الپ ارسلان ہی سلطان طفل مرحوم کا بھیج بائین ہے اسی کو سلطان ہونا چاہیے۔

خواجہ حسن کے چہرے کی رنگت ہی بدل گئی: ہں، ہں یہ کام ہو جائے تو میں سرخرو ہو جاؤں گا۔

سیدہ نے وعدہ کیا: یہ کام ضرور ہو جائے گا۔

خواجہ حسن چہا چہا کے باتیں کر رہا تھا: ان ایک کام اور۔

سیدہ نے پوچھا: وہ کیا؟

خواجہ حسن نے احترام سے جواب دیا: آپ خوب جانتی ہیں کہ آپ کو یہ دن کس کی وجہ سے دیکھنا پڑے؟

سیدہ اس ہوئی: اپنی بد قسمتی سے۔

خواجہ حسن نے منہ بنا: نہیں، بد قسمتی یا عالمی سے نہیں،

ابو نصر کی وجہ سے۔ یہ تو کچھ ہوا ابو نصر کی وجہ سے ہوا۔

جائے تو دربارہ بہتر ہوگا۔

اب اسلطان نے جواب دیا: اس مسئلے میں مجھے خواجہ حسن سے مشورہ کرنا ہوگا۔

ابونصر نے کہا: اگر خواجہ حسن کو اس معاملے میں لاعلم درود رکھا جائے تو بہتر ہوگا۔

خواجہ حسن کے بھائی بھی موجود تھے اور ان میں سے ایک خواجہ حسن کی تلاش میں نکل گیا۔

اب اسلطان نے ابونصر سے کسی قسم کا وعدہ تو نہیں کیا مگر یہ کہا: میں کو شمش کروں گا کہ خواجہ حسن کو ان باتوں کا علم نہ ہو۔

ابونصر نے کی فرج کے سرداروں اور سپہ سالاروں سے اب اسلطان کو مل رہا تھا۔

چند فوجی سپہ سالاروں نے اب اسلطان سے زیادہ خوش اخلاقی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

اس دوران خواجہ حسن گہرا پریشان وہاں پہنچا اور اب اسلطان سے درخواست کی کہ آپ فوراً یہاں سے نکل چلیں۔

اب اسلطان کو تامل ہوا، پوچھا: مگر کیوں؟ اس کی کوئی وجہ؟ خواجہ حسن نے عرض کیا: میں اس کی وجہ بھی آپ کو بتا دوں گا۔ آپ میرے ساتھ تو چلیں۔

لیکن اب اسلطان کو اس میں تامل تھا۔

خواجہ حسن نے ابونصر سے شکلیں بے میں کہا: ابونصر! اب ملاقات بدل چکے ہیں اس لیے سازشوں سے باز آجائیں۔

ابونصر گھبرا گیا: سازش کون سی سازش؟ آپ الزام تراشی سے باز آجائیں۔

فوج کے ایک پانصدی سردار نے ابونصر کی حمایت کی۔

خواجہ حسن: آپ شہزادوں سے باز آجائیں، یہ بہت بُری بات ہے۔

خواجہ حسن نے حرارت سے کام لیا۔ اور اب اسلطان کا ہاتھ پکڑ کر دودے گیا: آپ کو نہیں معلوم کہ یہاں کیا ہونے والا تھا؟

اب اسلطان نے کہا: میں واقعی کچھ نہیں جانتا کہ یہاں کیا ہونے والا تھا۔

ابونصر کے کسی علم کی شکایت ہوتی۔ سچا ہی آپ سے انصاف پہتا اور آپ اسے دربار میں ماضی کا حکم دیتے اس پر وہ فوری انصاف کا حسب کار ہوتا اور آپ غصے میں اسے دنگ کرتا پابستے ہیں آپ کے غصے کا جواب وہ بغیر سے حملہ آور ہو کر دیتا دوسرے فوجی بچہ بچاؤ کے لیے آجاتے اور وہ سب بھی آپ ہی پر حملہ آور ہو کر آپ کا کام تمام کر دیتے اور سلطان دوبارہ سلطان بنا دیتا۔

اب اسلطان کا نہپ گیا: اس سازش کا علم آپ کو کیونکر ہوا؟ خواجہ حسن نے جواب دیا: غصے میں پھرتاؤں کے اس وقت تو آپ یہاں سے نکل چلیں۔

دو گھنٹے آپ کے قتلے اور ان کے ساتھ ہی ابونصر بھی اب اسلطان کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ خواجہ حسن کے شر سے سہا ہوا تھا۔

ابونصر نے پوچھا: اب میں کس دن ماضی و دل آپ کی خدمت میں؟

خواجہ حسن نے اب اسلطان کی طرف سے جواب دیا: آپ آرام کریں میں مطلع کر دوں گا۔

ابونصر نے ترش رویی اختیار کی: خواجہ حسن! آپ دل تیری کے مرکب ہوئے ہیں اور اللہ کے نزدیک یہ گناہ ہے۔

خواجہ حسن نے بھی ترش رویی سے جواب دیا: میں اپنے گناہ کا اللہ کے روبرو جواب دہ ہوں گا۔ اور آپ چپکے چپکے کر رہے ہیں اس کیسے کیا فرمائیں گے؟

ابونصر جھپک گیا: خواجہ حسن! آپ کہنا کیا چاہتے ہیں میں آپ کو یوں نہیں جانتے دوں گا۔

ابونصر خواجہ حسن کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

اب اسلطان گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ابونصر کو حکم دیا: ابونصر! خواجہ حسن کا راستہ چھوڑ دے۔

ابونصر سامنے سے ہٹ گیا اور اب اسلطان سے انصاف کی درخواست کی: میرے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ آپ کو میرے اس معاملے کا فیصلہ کرنا ہوگا۔

اب اسلطان نے جواب دیا: شب شک میں میرے مقدمے کا فیصلہ کروں گا اس دن کا اپنی رکر۔

خواجہ حسن نے اب اسلطان کے ساتھ ہی اپنے گھوڑے کو رینگا دی اور دم کے دم میں مل میں داخل ہو گیا۔

خواجہ حسن نے اب اسلطان کا چاندی سے وزن کیا اور یہاں کی غزائیں تقسیم کر دی گئیں۔

اب اسلطان نے پوچھا: یہ سب کیا کر رہے ہیں آپ؟

خواجہ حسن نے جواب دیا: وہی سب جو ایک انسان کو اپنے من کے لیے کرتا ہے۔

ابو نصر نے خواجہ حسن کی بہت اور شیر خواہی کا مستند ہوتا ہوا ہاتھ دیا۔

خواجہ حسن نے ابو نصر سے وعدہ لیا: ”آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ میں کسی بھی شخص پر اس وقت تک بھروسہ نہیں کریں گے جب تک کہ آپ مجھ سے مشورہ نہ کریں۔“

ابو نصر نے وعدہ کر لیا اور قسم کھائی کہ میں آپ کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کروں گا۔ اور اپنے بھائی معاملات آپ کے علم میں ضرور لائوں گا۔

ابو نصر نے اپنے پاس مختلف حکومتوں اور علاقوں کے وفود آنے لگے تھے اور اسے اپنی وفاداری کا یقین دلارہے تھے۔ یہ آنے والے نئی نئی خبریں، نئی نئی بشارتیں اور نئے نئے ترانے بھی سن رہے تھے۔ ان ترانوں سے آنے والے لوگوں سے آرمینیا کے بارے میں بتا رہا تھا کہ اس پر توجہ دیں وہاں کی عیسائی آبادی اگر آپ کے قبیلے سے ملے گی تو اس کا آپ کو بہت ثواب ملے گا۔ کابل اور قندھار کے لوگ ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دے رہے تھے۔

کرہن میں ابو نصر نے ایک بھائی حکومت کر رہا تھا اس کے بارے میں مشورہ دیا گیا کہ وہاں کسی اور کو بھلا دیں ورنہ یہ کس وقت بھی دھوکا دے گا۔

ترک سرحدات کا یہ مشورہ تھا کہ اس کے پاس کابل اور ترکوں سے ہاتھ دیا جائے اور ترک جو ابھی تک خاندان بدوش میں ان کو لا کر رہا تھا، آباد کرو یا مہلتے۔

ابو نصر نے سب کی سن رہا تھا، لیکن عمل کسی تجویز پر بھی نہیں کر رہا تھا۔

ابو نصر کوئی بار آیا اور واپس چلا گیا۔ اس کو ابو نصر نے اس سے ملنے بھی نہیں دیا گیا۔

ابو نصر بائیں بیکار رہا۔ ابو نصر نے اس سے کوئی بھی کام نہیں لے رہا تھا۔ وہ ہر وقت اس فکر میں رہتا کہ یہ تہذیب کس طرح توڑا جائے۔

انتہائی غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ خواجہ حسن کی نفیست بہت سنگی پڑے گی اور اس سے بہرہ ریزی دور کی رہے گی۔

وہ خیالوں میں گم خواجہ حسن کے پاس پہنچا اور ان کے ساتھ خود بھی بیٹھ گیا تو خواجہ حسن کے پاس پیسے سے بیٹھے تھے۔ خواجہ حسن نے سرسری نظر سے اسے دیکھا وہ اپنے کاموں میں مصروف رہا۔ کئی دیر بعد ابو نصر نے خواجہ حسن سے شکایت کی: ”خواجہ حسن! کیا میں

پوچھ پوچھا ہوں کہ آپ مجھ سے کیوں ناراض ہیں؟“ خواجہ حسن نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا: ”یہ سوال تم خود سے کرو۔ اپنے آپ سے جواب مل جائے گا۔“

ابو نصر نے کہا: ”میں یہ سوال اپنے آپ سے بار بار کرتا رہا ہوں لیکن سمجھے اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔ اب آپ ہی رہنمائی فرمائیں کہ میں یہ سوال خود سے کب تک کرتا رہوں گا؟“ خواجہ حسن نے اپنا قلم ایک طرف رکھ دیا۔ ابو نصر سے جواب ہوا: ”تم نے جو کچھ کیا یا کرنا چاہا۔ وہ کوئی ڈھک بچھی بات نہیں ہے۔ ابو نصر آپ سے بہت ناراض ہے۔ وہ بخاری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتا۔“

ابو نصر نے پوچھا: ”لیکن میرا جرم کیا ہے؟ میرا قصور کیا ہے؟ یہ تو معلوم ہونا چاہیے مجھے۔“

خواجہ حسن مسکایا: ”پھر وہی بات، تم اس سے بھی طرح واقف“ ابو نصر نے کہا: ”لیکن مجھے آپ ابو نصر سے ملنے کیوں نہیں دیا بار بار؟“

خواجہ حسن نے جواب دیا: ”اس سوال کا جواب ابو نصر سے مل سکتا ہے۔“

ابو نصر کھڑا ہو گیا: ”اگر یہ بات ہے تو میں ابو نصر سے مل کے رہوں گا۔ دیکھتا ہوں مجھے کون روکتا ہے؟“ خواجہ حسن بھی کھڑا ہو گیا: ”ایسی فطرت نہ کرنا اگر روکے تو اپنی موت کو دعوت دو گے۔“

ابو نصر نے ہاتھ جوئے کہا: ”میں زندگی سے عاجز ہوا ہوں۔ اس زندگی سے موت کہیں بہتر ہے۔“

جب وہ چلا گیا تو خواجہ حسن نے کہا: ”اگر یہ بات ہے تو خیر ہے۔ تجھ کو موت پسند ہے تو وہ ضرور ملے گی۔“

خواجہ حسن یہاں سے سیدھا محل چلا گیا۔ محل کے باہر ایک تخت کے سامنے ابو نصر کھڑا ہوا تھا خواجہ حسن اس کے پاس سے گزر رہا تھا۔ اس کے جانے کے بعد ابن موفی نامی امیر سامنے سے گزرا۔ ابن موفی نے ابو نصر کا شاندار زمانہ دیکھا تھا۔ یہاں درخت کے سامنے میں یکہ و تنہا کھڑے دیکھا تو خود بھی اس کے پاس گیا اور گھوڑے سے اتر کر تعظیم بجالایا اور پوچھا: ”دنہ یحییٰ مرم، آپ یہاں کھڑے کی کر رہے ہیں؟“

ابو نصر نے جواب دیا: ”ابو نصر نے اس کا انہی۔“ اس کی آواز جبرائیلی اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔

ابن موفی نے کہا: ”سامنے محل سے میں بھی ملنے جا رہا ہوں۔“ آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔“

ابو نصر نے جواب دیا: ”آپ محل جا رہے ہیں تو ضرور جائیں۔“



لیکن میں اب ارسلان سے اسی جگہ ملنا چاہتا ہوں۔“
ابن موفی نے حیرت سے سر کو جنبش دی اور کہا: بات سمجھ
میں نہیں آرہی؟

بونصر نے سب کچھ اگلی دیا: کل کے دفنانے مجھ پر بند
ہو چکے ہیں۔ وہ بات مجھے اندر نہیں جانے دیتے اور نہ میری آمد
کی خبر اندر رکھتے ہیں۔ اب اس کے بعد ہی جگہ ملاقات کے لیے
رہ جاتی ہے۔“

ابن موفی نے اسے دلاسا دیا: میرے دوست مجھے معاف
کرنا۔ مجھ کو ان باتوں کا کوئی علم نہ تھا۔ بہر حال میں اب ارسلان سے
آپ کے پاس میں ضرور بات کروں گا۔“

بونصر نے کہا: میرے پاس میں آپ کوئی بات نہ کریں۔
ساری بات بھی کو کر رہے ہیں۔ ہاں! آپ میری اب ارسلان سے
ملاقات کر دیں تو فوازش ہوگی۔“

ابن موفی نے جواب دیا: میں کو شمش کروں گا۔ ویسے ایک
مشورہ دوں آپ کو؟

بونصر نے اجازت مانگے دی: ضرور مشورہ دیں؟

ابن موفی نے جواب دیا: تقدیر آپ سے برگشتہ ہے بخت
یہوری نہیں کر رہا۔ اگر آپ کی ملاقات اب ارسلان سے نہیں ہوتی
تو نہ ہو آپ اس دونوں حکومت کے دوسرے بڑے لوگوں سے
ملنے میں کہتے رہیں۔ ان کے سامنے اپنے واقعات اور معاملات
رکھ دیں۔ اور ان سے مشورے مانگیں اور سفارش کی بات کریں۔ میں
سمجھتا ہوں اس طرح آپ کا کام ضرور ہو جائے گا۔“

ابن موفی کے مشورے میں جان بختی۔ بونصر نے یہ تو نہیں
کہا کہ میں اس پر عمل ضرور کروں گا لیکن دل میں یہ فیصلہ کر رہا تھا
ضرور کروں گا۔“

ابن موفی چلا گیا اور بونصر اس درخت کے نیچے کھڑا رہا۔

میں میں اب موفی کو منتظر کی رحمت نہیں ہوتی۔ ایک ملاحظہ
ابن موفی کو اپنے ساتھ محل کے اندر لے گیا۔

وہاں خواجہ حسن اور اب ارسلان باتوں میں گفتگو تھے۔

ابن موفی کو دیکھ کر دونوں ہی چپ گئے۔ اب ارسلان نے
خواجہ حسن سے پوچھا: کیا بن موفی ان سازشوں سے رقت پت ہے؟

خواجہ حسن نے جواب دیا: شاید۔“

ابن موفی نے بونصر کی حیثیت میں زبان کھولی: میں اس

وقت آپ دونوں سے ایک ایسے شخص کے پاس میں بات کرنا
پاہتا ہوں۔ جو چنہ۔ وہ قبل نہایت عمر تھا لیکن اب...

اب ارسلان نے مسکراتے ہوئے کہا: تو یقیناً اب بونصر کا
ہم سے کو...

ابن موفی نے جلدی جلدی کہا: بے شک بے شک۔ بونصر
کو اللہ نے بڑی عزت دی تھی۔“

خواجہ حسن نے بات کاٹ دی: اور اب اسی اللہ نے اسے
ذلت سے بہکن رکھ دیا ہے۔ اس لیے میں اس کے فیصلوں میں
نہیں مغل ہونا چاہیے۔“

ابن موفی خواجہ حسن سے شفق نہیں ہو۔ خواجہ حسن! ایسی بات
نہ کریں! اللہ سے ڈریں۔“

خواجہ حسن نے جواب دیا: میں تو اللہ سے ہر وقت ہی خوفزدہ
رہتا ہوں۔ آپ بھی اللہ سے ڈریں۔“

ابن موفی حیران تھا۔ پوچھا: وہ کیوں؟

خواجہ حسن نے جواب دیا: وہ یوں کہ جب میں معلوم ہوتا ہے
کہ کسی کو عزت بخش رہا ہے اور جس کو ذلیل کرتا ہے میں تو
اس طرح ہم خود ذلیل ہو جاتے ہیں گئے۔ اس طرح جب ہم یہ دیکھتے ہیں
کہ اللہ نے خود شخص کو ذلیل کیا ہے اور ہم اسے عزت دینا چاہتے ہیں
تو یقیناً ہمیں بھی ذلیل ہونا پڑتا ہے۔“

ابن موفی ڈر رہا۔ اس نے اس کی بات سے استعجاب کیا۔

اس نے بونصر کو ایک درخت کے سامنے میں کھڑا دیکھتے ہوئے
تو اللہ نہیں کہتے کھڑے تھے۔ بعد میں اب اس کو اس کی

مذاہب سے جو قیہ۔ یہ علم درنہا مجھ پر اس سے

اب ارسلان نے پوچھا: کیا سوچنے لگے بن موفی؟

ابن موفی نے جواب دیا: اب تو یہ کہ میں اب ارسلان

باتی۔“

ابن موفقی نے کہا: تو تو بھی خواجہ کی فہم و فراست کا قائل ہو گیا۔

ابن موفقی نے جواب دیا: بے شک بے شک۔
ابن موفقی نے ابن موفقی کو سمجھانے کی کوشش کی جس کا نام بونصر ہے۔ اس نے میرے اور خواجہ حسن کے خلاف بڑی سازش کی جس میں ایک زلٹے میں اس نے خواجہ حسن کو مجھ سے پھین لینے کی کوشش کی تھی مگر اس وقت بونصر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ تو آج شاید خواجہ حسن کا نام و نشان تک باقی نہ ہوتا۔

ابن موفقی نے ابن موفقی کی باتوں سے اندازہ لگایا تھا کہ اس کی نیت میں کھوٹ ہے۔ اس نے بونصر کے ذکر سے گریز کیا۔ خواجہ حسن نے اپنی فریخ ولی اور کشادہ قلبی کا ذکر کیا۔ بونصر کے بارے میں سب کچھ جاننے کے باوجود جب اسے میری وزارت میں شریک کر دیا گیا تو میں نے اسے قبول کر لیا۔ لیکن بونصر کسی عادی چور کی طرح اگر چوری نہیں کر سکتا تو سیراچیپ سے بھی باز نہیں آتا۔ وقت اور موقع کو اپنے حق میں دیکھ کر خواجہ حسن نے اپنا ہتھکڑی دیا: سلطان محترم! اب آپ اپنے دل و دماغ سے یہ بات نکال دیں کہ بونصر سے آپ کو کوئی ناامنی بھی پہنچ سکتا ہے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے خلافت عباسیہ کے دربار میں بھیجے گئے لیے۔ بونصر کو وسیلہ بنانے کا فیصلہ کر کے غلطی کی ہے لیکن اس وقت ایسا ہونا نہیں چاہیے۔

ابن موفقی نے خواجہ حسن کی باتیں گراں گزرنے لگیں۔ پوچھا: خواجہ حسن کیا یہ درست ہے کہ آپ میری لاعلمی میں سید سے باتیں کر چکے ہیں؟

خواجہ حسن کے چہرے کا رنگ فنی ہو گیا۔ نہایت کمزور آواز میں جواب دیا: آپ نے جو کچھ سنا درست ہے لیکن کیا آپ کو یہ نہیں بتایا گیا کہ میں نے سید سے کس قسم کی باتیں کی تھیں؟ سلطان نے بے رخی سے کہا: میرے محل کی خواتین سے دوسرے کوئی باتیں نہیں کر سکتا۔ آپ کو مجھ سے ایمانت منور لینا چاہیے تھی۔

خواجہ حسن نے معذرت کر لی۔ میں شرمندہ ہوں سلطان محترم! آپ مجھے معاف فرمادیں۔

ابن موفقی نے ابن موفقی سے کہا: ابن موفقی جو کچھ بولتا ہو گیا۔ اب باتوں سے زیادہ کام ہونا چاہیے۔

ابن موفقی نے جواب دیا: بھلا فرمایا جناب والا نے۔ اس ناخبر کا حتیٰ کی غیور ہے۔

خواجہ حسن نے غصہ کیا: پہلے تو میں نے یہ سوچا تھا کہ محترم سید کے ساتھ میں خود بخود دوپڑوں گا۔ لیکن اب میں یہ مشورہ دیتا

کہ یہ گراں قدر کام ابن موفقی سے لیا جائے۔
ابن موفقی نے ناخوشگوار سہمے میں کہا: یہ فیصلہ میں کروں گا کہ سید خاتون کو بعد ازاں کون لے جائے گا۔

خواجہ حسن نے کچھ لمبے لمبے میں کہا: بے شک۔ یہ فیصلہ آپ ہی کریں گے۔

ابن موفقی نے غصہ کیا: کیونکہ وہ اپنا کچھ چڑھا ہوا گیا تھا۔

جب یہ دونوں ابن موفقی سے رخصت ہونے لگے۔ تو خواجہ حسن نے مضبوط جعبے میں کہا: جناب والا! آپ گریبی ہاتھوں سے ناخوش ہوتے ہیں تو آپ شوق سے وزارت کا منصب بونصر کو بخش دیں۔ میں گھر نہ کروں گا۔ لیکن اس پر ہمیشہ متاعف رہوں گا جس حکومت کو آپ نے اتنی شکل اور دشواری سے حاصل کیا تھا اس کی تہرہ کریں جلد بازی اور مصلحت منہی سے کام نہ لیں۔

ابن موفقی نے درشت جھپٹے میں جواب دیا: پھر وہی پرانی باتیں۔

خواجہ حسن نے غافیت اکی میں کہیں کہ ابن موفقی سے مزید بات نہ کی جائے۔ وہ ابن موفقی کے ساتھ محل سے نکل آیا۔ خواجہ حسن کو ابن موفقی کے درشت دینے سے بے غرضی محسوس ہوتی تھی۔ اس نے ابن موفقی سے شکایت کیا: میں نے ہمیشہ ابن موفقی کا بھلا جانا لیکن آج اس کے اہانت آئیر سوک سے بے حد دکھ پہنچا۔ دنیا بیچ ہو گئی میری نظر میں۔

ابن موفقی نے جواب دیا: خواجہ حسن! آپ وزیر ہیں۔ کچھ کیت آپ کسی سے ایسی باتیں نہ کریں کہ کل شرمندگی بٹھانا پڑے۔

خواجہ حسن سنبھل گیا: بے شک بے شک میں یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ گھوڑے کے شیش اور شاہ کے روبرو ہونے سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

اس نے ابن موفقی کے ساتھ بھی چھوڑ دیا کیونکہ اب اسے اندیشہ تھا کہ کہیں جذباتی بیان اور دباؤ میں زبان سے ایسی باتیں نہ نکل جائیں کہ کل ابن موفقی کا سامنا تک نہ کر سکے۔

ابن موفقی نے واپسی میں دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اس نے ابن موفقی کے مزاج کو کس حد تک سمجھ لیا تھا۔ وہ کسی ایسے شخص سے نہیں ملنا چاہتا تھا جو سلطان کا مستوب ہو۔

لیکن جب وہ ایک نچوٹے سے باغ کے کنارے کنارے چل رہا تھا۔ باغ کے اندر سے چمک بونصر نمودار ہو گیا۔ اس نے گھوڑے کی رگم پکڑ رکھی تھی۔ ابن موفقی سے کہا: آپ نے دربار میں بڑی دیر لگا دی۔

ابن موفقی نے بونصر کو خائرا نہ سرسری نظر دے دیا۔ لیکن وہ

گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔

ابونصر نے بھی اپنے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ کیا بات ہے ابن موفی، تم مجھ سے نظریں کیوں پڑا رہے ہو؟
ابن موفی نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ اور گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔

ابونصر نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھا کے ابن موفی کا راستہ روک دیا۔ ہم تجھ کو یوں نہیں جانے دیں گے۔
ابن موفی نے جواب دیا۔ ابونصر! میں تیری عزت کرتا ہوں لیکن افسوس کہ میں تجھ سے بات نہیں کروں گا۔
ابونصر نے پوچھا: کیوں؟ آخر کیوں بات نہیں کرو گے؟
ابن موفی نے جواب دیا۔ میں کسی ایسے شخص کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتا جس سے سلطان ناراض ہو۔

ابونصر نے ابن موفی کا راستہ چھوڑ دیا۔ خوب باب میں خود بھی تجھ سے بات نہیں کروں گا۔
ابن موفی نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ایک بھکتے میں نظر پڑا سے اوجھل ہو گیا۔

ابونصر بے مقصد گھوڑے کو دوڑاتا بیگناہ اور آخر دیرانے میں ایک پتھر پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اب اس کا مستقبل کیا ہے؟ کل کیا ہوگا؟

سامنے سے نویشیوں کا ریوڑ گزرا۔ اس کا چرواہا نہایت اطمینان اور سکون سے باغیچوں کے پیچھے بیٹھ رہا تھا اس کے ہاتھ میں ایک لمبی پھڑی تھی جس کی مدد سے وہ ادھر ادھر ہو جاتے ولے نوشیوں پر قابو پاتا رہا تھا۔ ابونصر کو چرواہے کی بے شک زندگی پر رشک آ رہا تھا۔

پتھر ابے نے ایک شخص کو تنہا پتھر پر بیٹھے دیکھی تو اس کے قریب گیا۔ شاید وہ ابونصر کو پہلنے کی کوشش کر رہا تھا۔
ابونصر نے مسہ پھیر لیا۔ اسی عالم میں اس نے چرواہے کی آواز سنی۔ کیا تم سلطان حنظل کے وزیر ہو؟

ابونصر نے پھرتی سے چرواہے کی طرف دیکھا۔ نہیں، میں سلطان حنظل کا وزیر نہیں ہوں۔ اپنی رہ لے۔

چرواہے نے شب و شب سے کہا: گئے تو وہی بوخیر۔
چرواہے بڑھ گیا۔ ابونصر نے اپنا سر کچڑیا۔ اس کی پیشی کے پاس کی کہیں پھول نئی تھیں۔

اسے ابن موفی پر غصہ آ رہا تھا۔ میں نے ابونصر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس سے گریز اختیار کیا تھا۔
اسے خواہش تھی کہ شکل تک سے نفرت ہوگئی تھی جس کی وجہ سے ابونصر اس سے نفرت کرتا تھا۔

ابونصر کو اپنی خود اعتمادی ختم ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ عزت اور وقار سے زندہ رہتا چاہتا تھا۔ لیکن خوجہ حسن اور سب ارسلان نے اسے ناممکن بنا دیا تھا۔

پھر انجانک کسی دماغ کے کسی گوشے سے آواز آئی۔ ابونصر! ان سب کو چھوڑ کر کسی دوسری حکومت میں چلے جا۔
سوال یہ پیدا ہوا کہ کہاں؟

اس سوال کا جواب بھی موجود تھا۔ سینہ لو سے کر بندہ دچلا جا اور امیر المومنین کی ملازمت اختیار کر لے۔

لیکن دوسرے ہی لمحے اسے یہ جواب بھی مل گیا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے، جتنا تو سمجھ رہا ہے۔

اسی فکروں و فکروں میں دن گزر گیا اور شام سر پہ آگئی۔ پھر رات کی گہری سیاہی ابونصر کے دل و دماغ پر بالوسی کے نقوش گہرے کرنے لگی۔

آج وہ زندگی کے عجیب و غریب تجربے سے گزر رہا تھا۔ دن کی روشنی میں وہ اتنا مدھال رہے ہیں اور عبور نہیں ہوا تھا۔ رات کی سیاہی میں محسوس کر رہا تھا۔

جب وہ اپنے محل بارہا تھا تو ایک اس نے یہ خطرناک فیصلہ کیا کہ اگر خواجہ حسن یا ابن موفی اس سے نفور و گریزاں ہیں تو کوئی بات نہیں، مگر ان سلطنت اور بھی تو ہیں۔ عمارتیں حکومت و سرکار لوگ بھی ہیں اور ابونصر کو ان سب سے ملنا جانا پڑے گا۔ شاید ان سے بات بن جائے۔

راستے میں ایک فوجی سردار ابونصر کو روک رہا تھا۔ جب وہ لوٹنے کے مکان کے سامنے سے گزر رہا تھا تو غیر ارادی طور پر وہ رُک گیا۔ اور دربان سے کہا: ابونصر کو اطلاع کرو کہ ابونصر ملنا چاہتا ہے۔
دربان نے مایوس کر دیا: وہ گھر میں نہیں ہیں۔

ابونصر نے پوچھا: پھر وہ کہاں ہوگا؟
دربان نے مختصر جواب دیا: چھاؤنی میں۔

ابونصر نے لمحہ بھر کے تال کے بعد چھاؤنی کا رخ کیا۔ چھاؤنی وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔ آبادی اور چھاؤنی کے درمیان ایک میدان مائل تھا۔ وہ اس میدان کو پار کر کے چھاؤنی پہنچ گیا۔ چھاؤنی کے بہنٹلے کی آوازیں دور ہی سے آنے لگی تھیں۔ یہاں تو درختوں کا سایہ بیلوں کے چرخوں سے جینے ہوئے تھے۔ بحرانی دروں والے چھوٹے چھوٹے شگ پر خام ستارے کی گیت تھا۔ دوسرے درجے کا شگ پر مرزا ان مجرہوں میں چراغوں کی روشنی سے دھندلا دھندلا رہا تھا۔ ہی سے نظر آتا تھا۔ انسانوں یا دوسری چیزوں کے سلسلے۔

ان مجرہوں میں فوجی سرداروں کے ٹھکانے شگ تھے ان کے تجربے نہیں رکھتے تھے۔

بھاؤنی کے در پر ہی ابو نصر کو روک دیا گیا۔ ابو نصر نے اپنی شان اور تفاخر کا مظاہرہ کیا: میں ابو حمزہ سے ملنا چاہتا ہوں کہیں ملے گا وہ؟

ایک سپاہی نے ابو نصر کو پہچان لیا اور اپنے ساتھی سپاہیوں کو بتایا: اسے مت روکو اس کو فوراً علواً ابو حمزہ سے۔ یہ وزیر ابو نصر ہیں۔

اس الحاشیہ اور اس اعلان سے تھکے سارے گیارہ یکنیاں وہ سپاہی بھی تھے جو خواجہ حسن کی عزت کو تو مانتے تھے مگر ابو نصر کو غلطی اور جارحی گزانتے تھے۔

ایک سپاہی ابو نصر کو ابو حمزہ کے پاس لے گیا۔ ابو حمزہ اس وقت اپنے چند شاہین سے باہر کر رہا تھا ابو نصر کو اپنے قریب دیکھ کر بھی جانتا و چوندا اور مستند نظر آ رہے تھے۔ ابو حمزہ احتراماً کھڑا ہو گیا: ذریعہ تحترم! آپ کی تشریف آوری کا شکریہ۔ یہاں تشریف آوری کا مقصد؟

ابو نصر نے کہا: میں کشمیر سے سوچ رہا تھا کہ اپنے دوستوں اور محبوبوں سے ملاقات کروں۔ چنانچہ ابتداً تجھ سے کر رہا ہوں۔ ابو حمزہ کو ملاقات کے وقت پر احترام میں تھا: یہ ملاقات رات کے بجائے صبح دن میں ہونی تو خوب ہوتی؟

ابو نصر کے دماغ کو جس کے سالگا: ہاں لیکن میرے خیال میں رات کا وقت بھی مناسب ہے۔

ابو حمزہ کو اس کی دماغی صحت پر شبہ تھا، پوچھ: آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ ابو نصر نے مصنوعی ہنسی اور اعتماد سے جواب دیا: ہاں ٹھیک ہوں۔

ابو حمزہ نے اپنے بیٹوں کو وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا۔ وہ چلے گئے تو ابو حمزہ نے انہیں بڑی ناشیلی اور پوچھا: ہاں تو اب آپ اپنی آمد کی عزت و ذریت سے شمع گریں؟ ابو نصر کا دل بھرا۔ سین سپنے اس جنبے پر تو پوچھنے کی کوشش کی۔

ابو حمزہ نے پھر وہی سوچ کیا: آپ اپنی تشریف آوری کسے نہایت ضرور بتائیں؟ ابو نصر نے دھڑکتے دیکھ کر آہستہ سے کہا: میں آپ کی بددھت ہوں۔

ابو حمزہ نے پوچھ: کس کے مذہب کون ہے آپ کا دشمن؟ ابو نصر نے جواب دیا: میرا کوئی دشمن نہیں، میں کسی کے خلاف کوئی مذہب نہیں چاہتا۔

ابو حمزہ نے ابو نصر کو اس طرح باہر کر دیا کہ بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

ابو نصر روٹک اور فیصلہ کن بات کرنے میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا لیکن آج کا ابو نصر کچھ اور ہی نظر آ رہا تھا۔

اس نے پوچھا: آپ کچھ پریشان پریشان سے نظر آتے ہیں آخر کیوں؟

ابو نصر نے جواب دیا: اسے ابو حمزہ: تم نے میرا وہ دور بھی دیکھا ہے۔ جب سلطان طغرل کی رائے پر میری رائے کو ترجیح دی جاتی تھی۔

ابو حمزہ نے اقرار کیا: ہاں میں نے وہ دور بھی دیکھا ہے۔ ابو نصر نے کہا: اور تم نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ میں نے اس دور میں حق اور انصاف سے کام لیا ہے۔

ابو حمزہ اس کی تائید کیے جا رہا تھا: ہاں میں اس کا بھی شاہد ہوں۔

ابو نصر نے چڑچڑ سے بے میں کہا: پھر آج میرے ساتھ وہ سلوک کیوں کیا جا رہا ہے جس کا میں نہیں کوئی اصرار کرتا ہے؟ ابو حمزہ نے سرگوشی میں کہا: جناب! اسے امان کیجیے گا اس میں غلطی آپ ہی کی تھی۔

ابو نصر کو غصہ رہتا: یہی سنی، یہی سنی کی مطلب؟ ابو حمزہ نے اس کو سمجھایا: پہلی غلطی تو یہ کی کہ آپ نے سیران جیسے ناکارہ کو سلطان طغرل کا ہاشمین قرار دے کر اسے سلطان بنا دیا۔

ابو نصر نے جواب دیا: ایسا میں نے زردے وقت کیا تھا اپنی مرضی سے نہیں۔

ابو حمزہ نے کہا: نہیں، آپ کی بات کوئی بھی نہیں مانے گا۔

ابو نصر نے پوچھا: کوئی نہیں، نے گا کیوں نہیں مانے گا؟ ابو حمزہ نے جواب دیا: سب کے ذہنوں میں اسے ذرا اور تازے اب ارطغرل کے حق میں غلے اور بھٹکا ہیں۔

ابو نصر نے کہا: درجیب مجھے یہ سنا اس جو گیا کہ میں نے سلطان کی حمایت کر کے غلطی کی ہے تو مجھے کسے غلطی میں لپکاؤں گا نام بھی شامل کر دیا۔

ابو حمزہ نے کہا: اور یہ آپ کی دوسری بڑی غلطی تھی۔ ابو نصر حیرت تھا کہ ابو حمزہ اس کی جرات اور ہر لیل کی خفاہت کیوں کر رہا ہے؟ اس میں غلطی کا کون سا پہلو تھا ہے؟

ابو حمزہ نے کہا: جب آپ نے سیران کو سلطان بنا دیا تھا تو اس کی اس حیثیت کو ہر حال میں برقرار رکھنے کی ہر وجہ کر رہے! آپ جنگ کرتے اور خلافت عباسیہ سے اس کے لیے سید حکومت حاصل کرتے لیکن سلطان طغرل کی وفات نے آپ سے آپ

کی خود اعتمادی کو چھین لیا۔ اور آپ غیر مستقل مزاج ہو گئے یہی خدای
آپ کے کردار کی سب سے بڑی خامی بن گئی۔

ابو حمزہ اسے جو کچھ سمجھا رہا تھا ابو نصر اس سے انکار نہیں
کر سکتا تھا۔ شاید ابو نصر نے اس سے پہلے خود کو اتنی اچھی طرح
نہیں سمجھا تھا۔ جتنا اب سمجھ رہا تھا۔

سب کچھ سننے کے بعد ابو نصر نے پوچھا: ابو حمزہ! میں تیرے
پاس اس لیے نہیں آیا کہ تو میری خامیاں گناہ ہے میری کمزوریاں
بیان کرتا ہے؟

ابو حمزہ نے جواب دیا: میں آپ کا ہمدر اور یہی خواہ ہوں
آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟

ابو نصر نے کہا: صرف یہ کہ جب بھی موقع ملے پس اس
سے میری تعریف کر میری وکالت کر۔

ابو حمزہ نے وعدہ کیا: میں جو کچھ کر سکتا ہوں منور کروں گا۔
ابو نصر نے لٹکتے ہوئے کہا: میں تیرا زیادہ وقت بردار
نہیں کروں گا، اگر مال و زرک ضرورت ہو تو میں ہر وقت تیار ہوں
ابو حمزہ اس کے جواب میں ایک نکتہ بھی ادا نہ کر سکا لیکن
یہ بات ضرور سمجھ میں آگئی کہ ابو نصر شاید اپنے ہوش و توازن میں
نہیں ہے۔ وہ ہلکی ہلکی باتیں کر رہا ہے۔

ابو نصر یہاں سے نکل کر ایک دوسرے فوجی سردار کے
پاس پہنچ گیا۔ امیر کرماتی پانچ ہزار سواروں کا سردار تھا، اس کا بھی
بڑا نام تھا۔ سلطان طغرل نے ابو نصر کی سفارش پر اسے بہت
نوازا تھا۔ اب یہ وہاں اس کے ساتھ تھا۔ ابو نصر کو اپنے
سابقہ احسانات کا خیال تھا۔ امیر کرماتی کو اس کے آڑیوں نے پہلے
سے بتا دیا تھا کہ ابو نصر ابو حمزہ سے باتیں کر کے آپ کے پاس
آ رہا ہے۔ ابو نصر خواجہ حسن کا شریک ذریعہ تھا، اس لیے اس
سے کبھی ڈرتے تھے لیکن لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ دونوں ذریعہ
ایک دوسرے سے خوش نہیں ہیں اور ایک دوسرے کو آزار
اور نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ امیر کرماتی سے بھی یہ عادت
نیچے ہوئے نہیں تھے اور اس کی دور رس نظریں خواجہ حسن کے
روشن مستقبل کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ ابو نصر سے نہیں
لٹا چاہتا تھا۔

ابو نصر اب نوک و بٹا ہوا دربار میں داخل ہو گیا، امیر کرماتی
احتراماً کھڑا ہو گیا۔

ابو نصر نے کہا: میں نے درباروں کو اپنے راستے سے ہٹا
دیا۔ میں ذریعہ جو اب دربار میں اور بھی ہے پہچاننے سے کوئی عمل
نہیں چلا رہا ہے۔ درخشاں رہ رہی ہوں۔

امیر کرماتی نے جواب دیا: آپ بلوائیوں کی خود منبری

جاتا۔ آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔

امیر کرماتی کے خدمت گار وہاں سے ہٹ گئے تھے لیکن
وہ اس زوال آلودہ وزیر کی باتیں سننے کے لیے اس پاس پہنچے
ہوئے موجود تھے۔

ابو نصر نے امیر کرماتی کی پیشانی پر شکنیں دیکھیں تو کبھی ناظر
ہو گیا: کیا تو میری آمد سے خوش نہیں ہوا؟
امیر کرماتی زبردستی مسکراتے لگا: میں بہت خوش ہوں یہ کہ
کیا کہہ رہے ہیں؟

ابو نصر نے ذرا سخت رویہ رکھا: تو جانتا ہے کہ میں یہاں
کیوں آیا ہوں؟
امیر کرماتی نے ازراہ تفتیش جواب دیا: انوس کہ میں غم غیب
نہیں جانتا؟

ابو نصر مشتعل ہو گیا: امیر کرماتی! میں اس گھٹو کا عادی نہیں
ہوں۔ آج تو جس منصب پر فائز ہے وہ میرے ہی نہیں ہے۔
خواجہ حسن میری کارٹ کر رہا ہے اور ہم دونوں آپس میں خاموش
جنگ لڑ رہے ہیں اس جنگ میں تو میرا ساتھ دے گا۔
امیر کرماتی نے پوچھا: وہ کس طرح؟

ابو نصر نے جواب دیا: الیہ اسوان سے جیب بھی تو ملے
میری تعریف کر اور اس کو یہ باور کرا کہ روزِ ملکوت سے جتنا میں
واقف ہوں، خواجہ حسن اس کے عشرِ عشیہ سے بھی واقف نہیں۔
امیر کرماتی نے وعدہ کر لیا: میں آپ کا ساتھ دوں گا ہر طرح،
ہر حال میں، ہر قیمت پر۔

ابو نصر نے اسے جی دھج دیا: میں تجھ کو اس کا عارفہ دل
گا۔ اس کی قیمت ادا کروں گا۔ کچھ ابھی، کچھ بعد میں، یعنی کچھ نقد و
کچھ بعد میں عہد کے منصب کی شکل میں۔

امیر کرماتی نے جواب دیا: تب تو میں آپ کا ضرور ساتھ دوں گا
ابو نصر نے اپنے اس پاس کا جائزہ لیا وہاں نڈر دلوں کے
مواپسرا کوئی نہ تھا اس نے پیسے گرتے کی جیب میں ہتھ ڈالا۔
وزیر تینوں کا سر لٹری ہار نکال کر امیر کرماتی کے حوائے کیا: یہ سنا
اسے رکھو، بعد میں اور دوں گا۔

امیر کرماتی نے پرسے کر اور زیادہ نکال کر پکڑ لیا۔
خدمت گاروں نے ایک دوسرے کو مسکرائے دیکھ کر
دونوں کی باتیں سن سکے تھے ایک نے پوچھا: یہ وزیرِ شہوت
کس بات کی بات رہا ہے؟

دوسرے نے جواب دیا: یہ کسی خطرناک منصوبے کے ساتھ
فوجی سرداروں سے مل رہا ہے شاید۔

ابو نصر امیر کرماتی سے وعدہ کرتے کرتے پکڑ گیا۔

اپنی تدبیروں سے کسی حد تک مطمئن تھا۔

اس نے محل کے ایک گوشے میں بیٹھ کر عمائدین شہر اور آمر کی ایک فہرست تیار کی، ان کی ترتیب قائم کی، تقدیم اور تاخیر کی۔ وہ ان کو ہاتوں اور رشتوں سے ہم خیال اور ضرب وارتنا پاتا تھا۔

محل میں اس کی ملکہ، وہ کنیز جس کی وجہ سے اسے آخستہ ہونا پڑا تھا، چند دوسری کنیزیں جو ابونصر کی ملکہ کی خدمات انجام دیتی تھیں، ابونصر کے کمر بھتیجے اور بھانجیاں، کھانا پکانے والیاں، محل کی دوسری خدمات انجام دینے والیاں، یہ سب ابونصر کی خاموشی اور عزلت نشینی سے پریشان اور فکر مند تھیں، انہیں یہ تو معلوم تھا کہ مروجہ سلطنت کے بعد ابونصر کی حیثیت اور اختیارات میں فرق آگیا تھا۔ لیکن انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ ابونصر اپنی سابقہ حیثیت بحال کرنے کے لیے کیا کچھ کر رہا ہے۔

کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ ابونصر سے کچھ پوچھتا۔ وہ چڑچڑا بھی ہو رہا تھا۔

سب نے اس کو آمادہ کیا کہ وہ ابونصر سے معلوم کریں کہ کیا ہو چکا ہے اور کیا ہونے والا ہے، ملکہ کی بیانی جو ابونصر کی محنتی سسٹم کی چیزیں دھندلی دھندلی نظر آتی تھیں، ایک کنیز نے ان کو ابونصر کے پاس پہنچا دیا۔ ابونصر نے قدموں کی پاسبان سے اس کی آمد کو محسوس کر لیا وہ کنیز بے گرم ہو گیا، تو انہیں یہاں کیوں لائی؟ بچہ کوماں کے پاس پہنچا دیا ہوتا ہے۔

کنیز ڈر گئی۔ لیکن ماں نے اس کی طرف سے جواب دے دیا۔ "جیسے ابونصر تیری بے پناہ مصروفیت کے پیش نظر تم کو دیر سے پاس ہی آئی ہے۔"

ابونصر نے عمائدین و آمر کی فہرست ایک طرف رکھ دی۔ اور پوچھا: "میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" ابونصر نے کنیز کو اشارہ کیا وہ باہر چلی گئی۔

ماں نے پوچھا: "کیا کنیز موجود ہے؟" ابونصر نے جواب دیا: "میں نے اسے باہر بھیج دیا۔ اب آپ بتائیں مجھے کیا کام پیش آگیا آپ کو؟"

ماں نے پوچھا: "میں نے سنا ہے آج کل تو پریشان دکھائی دے رہا ہے؟"

"ابونصر نے جواب دیا: "افسوس کہ میں آپ سے جھوٹا نہیں بول سکتا۔ میں آج کل واقعی بہت پریشان ہوں۔"

ماں نے دریافت کیا: "وہ پریشانیں کیا ہیں؟ کچھ کہیں بھی تو بتاؤ۔"

ابونصر نے جواب دیا: "ماں مجھ سے چند غلطیاں سرزد ہو گئی تھیں، بس انہی کا فیازہ جنگت رہا ہوں۔" اس کے بعد ابونصر نے سیما کی بائیسویں اس کی نااہلی، اس پر اردان کی کامیابی اور ابونصر سے اس کی اور خواجہ حسن کی برہی کی پوری مدد و ستادی۔

ماں نے کہا: "میں تو یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تو نے ایسی غلطی کیوں کی؟"

ابونصر نے جواب دیا: "ماں، کیا آپ نے وہ مثل نہیں سنی کہ انسان میں انصاف و انسانیات، انساں بھول چوک اور غلطیوں کا پستلا ہے انسان وجود آدم کے گناہ اور اس کی سزا سے مشروط اور محروم ہے۔ آدم نے ایک گناہ کے عوض ہم سب کی زندگی بہن رکھ دی تھی، ہم اسے اکر رہے ہیں، زندگی اور گناہ لازم و ملزوم ہیں۔ زندگی ہے تو غلطیاں بھی ہیں، ان سے کون بچا ہے اور کون بچے گا؟" ماں نے کہا: "میں تیری غلطی سننے نہیں آئی، بلکہ میں تجھ کو چند شور سے ویسے آئی ہوں۔"

ابونصر نے عرض کیا: "آپ دیں مشورے اگر وہ مناسب اور مناسب ہوئے تو ان پر ضرور عمل کروں گا۔"

ماں نے جواب دیا: "تیری کامیابیوں کا تیرا کمان سے اتر چکا ہے اور خواجہ حسن کی اقبال مندی کا تیرا کمان پر چڑھ چکا ہے۔ اس لیے تو شکست تسلیم کرنے چھوڑ دے، عزت و رستہ کو میرے ساتھ لے کر چل، اپنی بقیہ زندگی کو حکومت اور سے کے مذاہب سے بچنے میں تیرے ساتھ چلوں گی، مکتے اور مہینے، اب یہ تماشا ختم ہو جانا چاہیے۔"

ابونصر نے کہا: "ماں، یہ آپ کیسے بائیں کر رہی ہیں یہ ساری باتیں جن سے آپ نے قرار اختیار کرنا چاہتی ہیں میرے لیے نیلے کی حیثیت رکھتی ہیں۔"

ماں نے ابونصر کی طرف اپنا ایک ہاتھ بڑھایا۔ ابونصر نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے حرم کے آنکھوں سے لگا لیا۔

ماں نے کہا: "میں تجھ سے یہ نہیں کہہ رہی کہ تو سے اور واپس کو مستحق ہی چھوڑ دے، میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تو اس وقت تک ان دونوں سے دور رہے، جب تک کہ تیرا سابقہ دور اقبل مندی واپس نہ آجائے۔"

"ماں! آپ کا مشورہ سرا رکھوں، مگر افسوس کہ میں بہت اور پالی کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں کر سکتا۔"

ماں نے اس کا ہاتھ دبایا، بیٹھے، میری بات مان لے، یہ ایسا نہ ہو کہ وقت ہی ہاتھ سے نکل جائے۔"

ابونصر کو اپنی عقل و تدبیر پر پورا عبور و ساقطہ جواب دیا۔

ہاں، آپ بالکل فکر نہ کریں۔ اب میں جو پائیں چل رہی ہوں۔ ان سے میں اپنے حرفیوں پر توجہ پاؤں گا۔ میں کوئی معمول آدمی نہیں ہوں۔ میرے دشمنوں کو بھی اس کا احترام ہے۔

ہاں نے دوسرا مشورہ دیا: اچھا پھر تو ہم سب کو مردود و بھجوا دے، یہاں اکیلا رہ کر تو یہ خوبی اپنے دشمنوں سے نہایت حاصل کر لے گا۔

ابونصر کو ماں کی یہ تجویز پسند آئی، اس نے کہا: میں آپ سب کو مردود و بھجوا کر دوں گا۔

ہاں جانے کیا کیا سوچ کر آئی تھیں، لیکن اب وہ اسس تنہا دست کی طرح تھیں جو اعضائے جسمانی کے علاوہ اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھتا ہو۔

ابونصر نے ہاں کے چلے جانے کے بعد اپنے دوسرے منصوبوں کو نوٹ کر دیا اور پستے خاندن کو سے سے مردود و بھجوا دیا۔ دوسرے دن محل میں ابونصر تھا، اور وہ خدمت گار۔ اب وہ خود کو ہلکا اور پڑ سکون محسوس کر رہا تھا۔

تیسرے دن، ابونصر نے رات کے پچھلے پر اٹھ کر غسل کیا، رخت پاک کی عبادت کرنے لگا۔ وہ پڑھ رہا تھا اور غور کر رہا تھا کہ اسے تعلقے سے چاہتا ہے اپنا ملک جتنا ہے اس ترجیح والی آیت پر وہ جھگ گیا۔ وہ معلوم نہیں کیا کچھ سوچتا رہا۔

ایک خدمت گار پریشان اور بہتر اس اس کے پاس آیا اور بتایا: محل کے باہر کچھ گڑ بڑ ہے۔

ابونصر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کیا کہ وہ نہایت کر باہر۔ فی الحال پتلا جائے۔

خدمت گار نے عرض کیا: جناب دلا، میرے جانے سے خطرہ مل نہیں جائے گا۔ باہر کچھ گڑ بڑ ہے۔
بونس نے ناگوری سے قرآن پاک کو بند کیا اور پوچھا: کیا گڑ بڑ ہے؟

خدمت گار نے جواب دیا: میں نے محل کی چھت سے اچھے زبانی جرم کو محل کو گھیسے میں لیتے دیکھا ہے۔
ابونصر کے دل میں ایک جھٹکا سا لگا، کہیں تو غینہ میں نہ پڑا ہو کوئی خوب نوشین کہیں؟

خدمت گار نے جواب دیا: غینہ میں نہیں ہوں۔ میں یہاں ایک پورے بات سوچ رہی نہیں۔

ابونصر بھی فکر مند ہو گیا، پوچھی: تیرا دوسرا ساتھی کہاں ہے؟

میں نے جواب دیا: وہ سو رہا ہے۔

ابونصر نے کہا: سو رہ رہے اور خواب تو دیکھ رہا ہے۔

خوب ماشا اللہ کہ سبحان للہ!

خدمت گار نے ابونصر کو دعوت دی: آپ میرے ساتھ نوٹوں سے چھت پر چلیں اور جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ آپ بھی دیکھ لیں۔
ابونصر جیسے سے اٹھا اور خدمت گار کے ساتھ چھت پر چڑھ گیا۔ لیکن کسی نے محل کے در پر دستک دی جسے رات کے پچھلے پر کے سناٹے میں بخوبی سن لیا گیا۔

ابونصر نے چھت کے چاروں طرف اٹھی ہوئی مشیروں کے موکھے سے سنیے انسانی مایوں کو حرکت کرتے دیکھا۔

دروالے پر زور زور سے اور بار بار دستک دی جا رہی تھی، پھر اس نے بڑی بڑی میٹھیوں سے انسانوں کو دپر پڑھتے بھی دیکھ لیا۔

ابونصر خدمت گار کے ساتھ نیچے آ گیا۔ اور خدمت گار سے کہا: دروازہ کھول دے اور دیکھ یہ کون لوگ ہیں؟

یہ کہہ کر وہ قرآن پاک کی دوبارہ قراءت کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد انسانوں کی کثرت سے ابونصر کا محل بھر گیا، خواجہ حسن اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ابونصر کے محل میں داخل ہو چکا تھا۔

ابونصر نے نہایت خوش اخلاقی سے خواجہ حسن کا اس طرح استقبال کیا کہ قرآن پاک کو بزدان میں رکھ کر اونچی جگہ پر رکھ دیا۔ اور خواجہ حسن کو خوش آمدید کہا، پوچھا: یہ بے وقت تشریف، اور کی تیسریت؟
ابونصر نے مناسفہ کرنا چاہا لیکن خواجہ حسن نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہیں دیا۔

خواجہ حسن محل کا چاروں طرف دیکھا، محل میں تیرے سوا کوئی بھی نہیں تھا۔

ابونصر نے جواب دیا: میرے علاوہ میرے دونوں بھی میرے آس پاس محل میں موجود ہیں۔

خواجہ حسن نے کہا: سلطان الپ ارسلان بھی محل کے باہر موجود ہیں؟

ابونصر روانہ دار باہر دیا: خواجہ حسن، یہ کیا غضب کیا آپ نے؟ یہ بات تو بید آتے ہی بتانا تھی؟

وہ محل کے باہر نکلی کر نہ حیرت میں آنکھیں پیر رہی، مگر الپ ارسلان کو تلاش کر لے گا۔

الپ ارسلان، ابونصر کی بدتراسی کو دور سے محسوس کر رہا تھا۔ اس کے پاس شعل روشن تھی، ابونصر کو یہ مشعل نہیں زندہ رہی تھی۔

ایک شخص نے اس بدتراسی نشان کو پہچانا، وہ اس کے کان تک پہنچا تو کہتے تھے: اس کو رہا ہے؟

ابونصر نے جواب دیا: اپنے اہل خدمت سلطان الپ ارسلان کو؟

اس شخص نے حیرت سے کہا: خوب! الپ ارسلان کو تلاش

کر رہے ہیں اور سلطان سے آپ کی ملاقات ہی نہیں ہو رہی۔
ابونصر مشعل کی طرف بڑھا۔ ہاں، اب ہو جائے گی میری ملاقات۔

شاہی چوہداروں نے ابونصر کو آگے نہیں بڑھنے دیا اسے پکڑ کر بیٹھ گئے۔

ابونصر نے کہا: تم نے مجھے پکڑ لیا مجھ کو آگے نہیں جانے دیا۔ لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟
اس شخص نے جواب دیا: ہم سب آپ کو پہچانتے ہیں آپ وزیر ہیں۔

ابونصر نے کہا: جب تم مجھے پہچانتے ہو تو پھر تم لوگ مجھے کیوں روک رہے ہو؟

مشعل پر دار کے پاس سے آواز آئی: اسے مت روکنا۔
پاس آئے دو۔ میں اسی کے لیے یہاں آیا ہوں۔

ابونصر کو خاموشی سے سلطان اب اس سلطان کے پاس پہنچا دیا گیا۔

مشعل کی روشنی میں اب اس سلطان کو اپنے محل کے دروازے پر اپنے دربار و دیوید کر ابونصر کے ہاتھ پاؤں بندھے پڑ گئے۔

خواجہ حسن بھی ان دونوں کے پاس پہنچ گیا اور ابونصر سے کہا: میں تجھے کو اندر تلاش کر رہا تھا اور تو یہاں بھاگ آیا۔

ابونصر نے خواجہ حسن کی زبان سے ہنس آئینہ لفظ سے تو بڑا دکھ پہنچا: خواجہ حسن، میرے پاس میں نازیبا زبان نہ استعمال کریں۔ بھاگ آیا، یہ کسی زبان سے ہے؟

خواجہ حسن نے ابونصر کی بات کو کوئی جواب نہ دیا اور سلطان کو مطلع کیا: ہماری اطلاع درست نکلی۔ پوسٹے محل میں دو غلام اور ابونصر کے سوا کوئی بھی نہیں۔

سلطان اب اس سلطان نے پوچھا: محل کے دوسرے لوگ کہاں چلے گئے؟

خواجہ حسن نے ابونصر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ان دو سوالوں کے جواب بھی وہی دے گا جس کا یہ محل ہے اور میرا خیال ہے کہ سلطان اپنے محل واپس تشریف لے چکے اور وہیں سائے سوال جواب ہو جائیں۔

لیکن سلطان نے اس کام کے لیے ابونصر کے محل کو مناسب بنا دیا۔ میں اسی محل میں سوال جواب کروں گا۔

خواجہ حسن نہیں چاہتا تھا کہ ابونصر کے محل کو سلطان کے قدم رنجہ فرماتے کا فخر حاصل ہو، اس نے مشورہ دیا: اس ناچیز کی اسے میں اس ملاتی اس کے لیے شاہی محل ہی بہترین جگہ ہے۔

لیکن سلطان نے ابونصر سے کہا: میں اپنے محل میں نہ چلا کر رہے ہیں اور سلطان کے سامنے جھک گیا۔ میں معافی پر ہوتا

ہم تیرے ساتھ ہیں۔

سلطان کے زہم بھرنے ابونصر کی اندنی گھٹورہ کر دی۔ وہ سلطان اور خواجہ حسن کو خوش خوش اپنے محل میں لے گیا۔

محل کی ویرانی سے سلطان کی سوج کے اندیشوں میں اضافہ ہوا۔ اور اس کی خوشگوار کیفیت بد مزاجی میں بدل گئی: اسے ابونصر یہاں تیرا کمرہ کون سا ہے؟

ابونصر انہیں اپنے کمرے میں لے گیا۔ سادہ، کشادہ اور کتابوں سے بھرا ہوا کمرہ۔ کمرے کے ایک گوشے میں تخت بچھا ہوا تھا۔

تخت سے مشعل دروازے کی بول کے لیے غلے بنے تھے اور ان میں دو کتابیں رکھی تھیں جو ابونصر کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔

وہیں طاق میں ایک صحن رکھی تھی۔ اس کی تیز روشنی میں کتابیں پڑھی جاسکتی تھیں۔

اب اس سلطان نے ایک کتاب نکالی اور اسے کھول کر دیکھنے لگا۔ یہ مشہور صوفی ابوالقاسم قیشری کی تصنیف رسالہ تھی، اب اس سلطان نے پوچھا: کیا یہ درست ہے کہ ابوالقاسم قیشری تجھ سے ناراض ہو کر کچھ معطلہ چلے گئے؟

ابونصر انکار نہیں کر سکا: ہاں یہ درست ہے۔ وہ شافع متقدم تھے اور مجھے ان عقائد سے اختلاف تھا۔

اب اس سلطان نے کہا: تو تو تنگ نظر بھی ہے؟
خواجہ حسن گفتگو کے اس موڑ سے بہت خوش تھا۔

ابونصر نے اپنی صفائی پیش کی: انہوں نے کہ میں عقیدوں کا اختلاف برداشت نہیں کر سکتا۔

اب اس سلطان کا لہجہ ہی بدل گیا۔ کتاب اس کی جگہ پر دوبارہ رکھ دی: تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تو خود پرست بھی ہے؟ پھر پوچھا: محل کے دوسرے لوگ کہاں ہیں؟

ابونصر نے جواب دیا: مرود دومید وہاں میرا محل ہے اور میں خود بھی وہاں کبھی کبھی چلا جاتا ہوں۔

اب اس سلطان کچھ جانتا چاہتا تھا: اپنے لواحقین کو مرود دو کیوں روانہ کر دیا؟

سہ شاخہ شمع دان کی ایک شمع بجتی جا رہی تھی۔ ابونصر نے سلطان سے لمحہ خبر کی اجازت چاہی، در غلام کو حکم دیا: اس کی جگہ دوسری شمع جلا دی جائے، پھر سلطان سے پوچھا: آپ نے کیا دریافت کیا تھا مجھ سے؟

خواجہ حسن نے ورشت بھنے میں جواب دیا: سلطان سے اس کے سوال کو دہرانے کا مطالبہ کرنا گستاخی ہے۔ یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔

ابونصر اب اس سلطان کے سامنے جھک گیا۔ میں معافی پر ہوتا

ہوں پھر خواجہ حسن نے درخواست کی: میرا ذکر یہ سواں کو
آپ ہی ڈیڑھ لویں؟
خواجہ حسن نے شک سے اس سوال کیا: تو نے اپنے بواحقین
کو مشورہ کیوں بھیج دیا؟

ابونصر نے جواب دیا: میں انہیں کندہ بھیجا یا بہتا تھا کہ ان
انہیں ضرور دہندہ ہے۔

سلطان نے خواجہ حسن کو آنکھ کا اشارہ کیا: انہیں بلالے۔
خواجہ حسن واپسی دیر کے لیے باہر چلا گیا اور جب واپس آیا
تو ابو حمزہ اور امیر کرمانی اس کے ساتھ تھے۔

ابونصر ان دونوں کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر بہت
زیادہ پریشان ہو گیا۔

ابن امیر کرمانی نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا: ان دونوں
کی تو جانتا ہے؟

ابونصر نے کمزور آواز میں جواب دیا: خوب اچھی طرح۔
ابن امیر کرمانی نے ابو حمزہ سے پوچھا: تو ابونصر کو کس طرح
جانتا ہے؟

ابو حمزہ نے جواب دیا: میں ابونصر کا احسان مند ہوں انہی
کی سفارتوں اور کشمکشوں سے میں اس عہد سے اس مقام تک
پہنچا ہوں۔

ابن امیر کرمانی سے مخاطب ہوا: اور تو ابونصر کو
کب سے جانتا ہے؟

امیر کرمانی نے جواب دیا: یہ میرے ہی محسن ہیں اور آج
میں جو کچھ بھی ہوں انہی کے طفیل ہوں۔

ابن امیر کرمانی نے مسکراتے ہوئے طنز کیا: تو تم دونوں
ابونصر کے احسان مند ہو اور دوسرے شکوں میں ابونصر تم
دونوں کا محسن ہے۔

دونوں نے ہلکے آواز میں جواب دیا: شک ہے شک۔
ابن امیر کرمانی نے ابونصر کو دیکھ رہا تھا، کبھی ابو حمزہ کو
کبھی امیر کرمانی کو پھر ابو حمزہ سے پوچھا: اس دوران ابونصر تجھ
سے ملا تھا؟

ابو حمزہ گھبرا ہوا تھا کبھی کہا نہیں اور کبھی کہا ہاں۔
ابن امیر کرمانی نے کہا: یہ ساری باتیں دوستانہ ماحول
میں ہو رہی ہیں، تو گھبرا کیوں رہا ہے۔ بتا ابونصر اس دوران
تجھ سے ملا تھا؟

ابو حمزہ نے ابونصر کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
"ہاں ایک بار ایک دن ملاقات ہوئی تھی۔"

ابن امیر کرمانی نے فطرتاً ہی انداز پر کہا: کیوں ہوئی؟

مختصر یہ ملاقات: ابونصر نے یہ ملاقات کیوں کی تھی؟

ابو حمزہ نے جواب دیا: بس یونہی کوئی خاص بات تو نہ تھی؟
ابن امیر کرمانی ایک دم امیر کرمانی سے مخاطب ہو گیا: اور
تو... تجھ سے ابونصر نے کیا باتیں کی تھیں؟

امیر کرمانی نے جواب دیا: مجھ سے بھی کوئی خاص بات نہیں
ہوئی تھی۔ بس یہ سمجھ لیجیے، دو واسطہ کارہوں بعد ملاقات کر رہے تھے۔

ابن امیر کرمانی نے اپنی جیب سے سواں ہار نکالا: اور
یہ... ابونصر نے یہ ہار تجھ کو کیوں دیا تھا؟

امیر کرمانی اس ہار کو سلطان کے پاس دیکھ کر بہت زیادہ
پریشان اور خوفزدہ ہو گیا، اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ ابونصر میرے
محسن ہیں اور یہ جیب بھی مجھ سے ملے ہیں کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور
دیتے ہیں۔ یہ سواں اللہ کی حدیث بھی ہے کہ آپس میں تحفے اور
تحائف دیا کرو، تاکہ محبت میں اضافہ ہو۔

ابونصر، امیر کرمانی کے جواب سے خوش ہوا اور اس کے
ٹھکانے بندھی اور نہ وہ بے حد ڈر گیا تھا۔

ابن امیر کرمانی نے امیر کرمانی کا جواب ستر کر دیا: میں تیرے
جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ سچ بتاؤ تم قیوں میں کیا باتیں ہوئی
تھیں...؟

امیر کرمانی نے جواب دیا: آپ یقیناً ذکر کریں یہ ملک بات ہے
لیکن حقیقت یہ ہے جس کا میں نے اظہار کیا۔

خواجہ حسن نے ابن امیر کرمانی کی مدد کی: ابو حمزہ، تم کیا حقیقت
پند اور سلطان کے وفادار ہو۔ بتاؤ ابونصر نے تم سے کیا باتیں کیں؟
ابو حمزہ کچھ کہہ کر رگ گیا۔

خواجہ حسن اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف سے گیا: اگر مردوت
آہستہ آ رہی ہے تو ادھر آؤ۔ اس گوشے میں۔ یہیں وہ سارے
باتیں بتا دو جو ابونصر سے ملے پائی تھیں۔

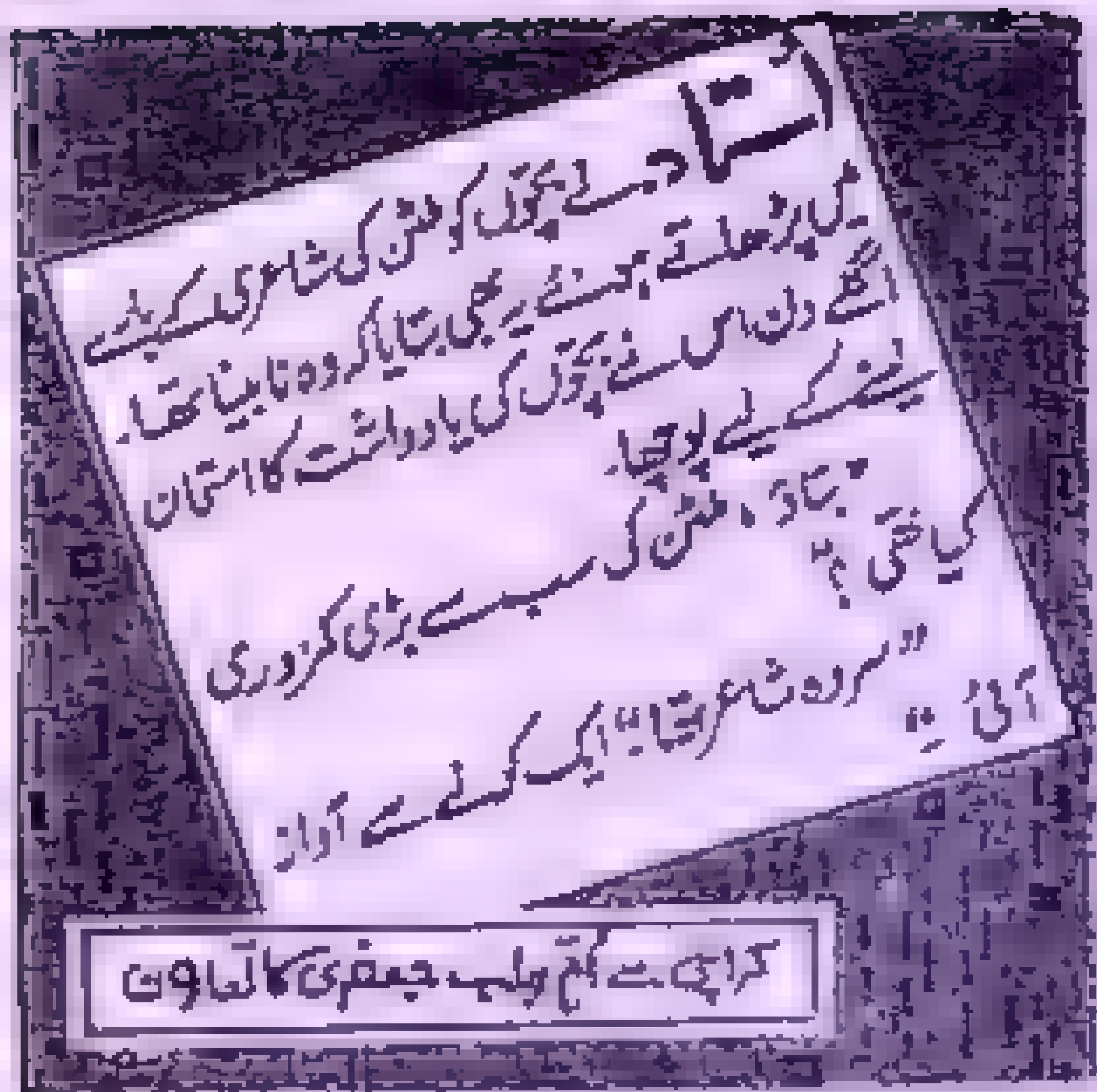
وہ دونوں کچھ دیر کھسک کھسک کرتے رہے، اس کے بعد
خواجہ حسن، ابو حمزہ کو لے کر ابن امیر کرمانی کے پاس آیا اور ابو حمزہ

سے کہا: ابو حمزہ، اگر تجھ کو اپنی عزت اور اپنا منصب بچانا ہے تو
سب کچھ سچ بتا دے ورنہ سمجھ لے کہ تو بتائے یا نہ بتائے ہیں
ساری باتیں معلوم ہو چکی ہیں۔ میں تیرے جیسے وفادار کو بچا یا بہتا ہوں۔

ابو حمزہ نے غصے سے کہا: اس واقعہ تو یہ ہے کہ ابونصر
نے مجھ سے کہا حکومت کا اصل وارث تو شہزادہ سلیمان ہے۔ میں
نے غلطی سے ابن امیر کرمانی کا ساتھ دے دیا۔ اب اگر کسی طرح دھوکہ

سے ابن امیر کرمانی کو قتل کر دیا جائے تو شہزادہ دوبارہ سلطان بنے
جائے گا اور تم سب خواجہ حسن کی محبت سے بھی نجات پا جاؤ۔

ابن امیر کرمانی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ غصے سے



اور پھر ابو نصر نے امر کرانی کو یہ مین لڑیوں والا تھیتی پتے موتوں کا ہار دیا اور وعدہ کیا کہ کام ہو جانے پر بہت زیادہ انعام و کرام سے نواز دیا جائے گا۔

ابو حمزہ نے اس کی تائید کی، بالکل بالکل اور ست اندازہ لگایا حضور والہ نے۔

خواجہ حسن نے اب سلطان کو مشورہ دیا۔ اب جبکہ ایک بڑی سازش پوری جا چکی ہے اور زمان خود اس کا اقرار کر چکے ہیں تو اس مقدمے کے فیصلے میں تاخیر سے کام نہ لیا جائے۔

اب سلطان نے ابو نصر کی مذمت کی تو کہا یہ تجھ کو سونپی ہا بھئی۔ میرے چچا افضل نے تو تجھ کو بڑا اعلیٰ مقام دیا تھا اور اس کے پیش نظر میں نے بھی تجھ کو خواجہ حسن کی وزارت میں شریک کر دیا تھا پھر یہ تیرے دماغ میں خرابی کیوں پیدا ہو گئی؟

ابو نصر رو رہا تھا۔ آپ مجھے قتل کر دیں لیکن میں یہی کہوں گا کہ میں بے گناہ ہوں جو مجھے اس سازش میں خواہ مخواہ ملوث کیا گیا ہے۔

امر کرانی بھی ابو نصر کا ہم نوا تھا اس نے ابو حمزہ کو مخاطبہ کیا۔ ابو حمزہ اتم شہ سے آدمی تھے ایک زماں تمھاری عورت کرتا تھا۔ لیکن یہ اچانک تم اتنے بڑے اور ذلیل کیوں ہو گئے۔ اپنی چند روزہ دنیا کی خاطر تم نے ہم دونوں کو بہ باد کر کے رکھ دیا۔ اللہ تمہیں کبھی سزا دے کرے۔

خواجہ حسن نے اپنے بازوؤں کو حکم دیا۔ اسے قید کر دیا جائے۔ جب وہ غلام امر کرانی کو تابو میں کر رہے تھے اب سلطان نے ابو نصر اور ابو حمزہ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اور ان دونوں کو بھی قید کر دیا جائے۔

ابو حمزہ نے خواجہ حسن کی طرف دیکھا۔ مجھے کیوں؟ میں تو آپ سے پتاہ حاصل کر چکا ہوں۔

سرخ ہو چکا تھا۔

ابو نصر کرب تک بیٹے میں غرایا یہ مجھوٹ ہے، بہتان ہے الزام تراشی ہے۔

اب سلطان نے ابو نصر کے منہ پر طمانچہ رسید کیا۔ تو چپ رہا۔ اور ابو حمزہ سے کہا: تو اپنا بیان جاری رکھ۔

ابو حمزہ کہتا رہا۔ ابو نصر نے مجھ سے کہا کہ اس سلسلے میں ملو نہ جو کچھ دیکھ سکو گائیں وہ اس کی فکر نہ کرنا۔

ابو نصر کی آنکھیں بیگم گئیں: آپ مجھے قتل کر دیں لیکن میں یہی کہوں گا کہ یہ مجھوٹ ہے۔

خواجہ حسن نے اسے منع کیا: ابو نصر، فی الحال تم خاموش رہو جو کچھ کہنا سنا ہو بعد میں تمہیں صحتی کا موقع دیا جائے گا کہ من لینا۔ لیکن فی الحال بیان کو پورا نہ ہونے دو۔

اب سلطان نے ابو حمزہ سے کہا: بیان جاری ہے۔ ابو نصر نے خواجہ حسن سے کہا: یہ سارا شہر تیرا پیدا کر رہا ہے۔

اسے خواجہ حسن! اللہ سے ڈرو اس کی بیکہ بڑی زبردست دلی ہے۔ اب اس سے اسے اپنے آذیوں کو حکم دیا۔ اس کا منہ بند کر دیا جائے۔ یہ بہت بڑا انسان ہے۔

دو نومند اور سخت مند غلاموں نے ابو نصر کو تلو میں کر لیا۔ وہ اس کا منہ دبا کر بیٹھ گئے۔

ابو حمزہ کہتا رہا: عجیب میں کون ہو گیا تو مجھے اپنا بہت اپنے بعض دوستوں اور مددگاروں کا خیال آ گیا۔ اللہ ہی خبر کرانی بھی خا۔ میں سے ابو نصر سے کہا کہ اگر کام میں اگر بعض دوسرے دوست بھی ساتھ سے دیں تو سارا کام آسان ہو جائے گا۔

ابو نصر نے خود سے پوچھا کہ وہ بھائی دوست کون سے ہیں؟

”ہاں“ میں نے ان کو جواب دیا تھا کہ فی الحال تو امر کرانی کو تم خیال بنانے کی کوشش نہ کرو۔ حسب یہ راضی ہو جائے گا۔ تو دوسرے نام بھی ظاہر کر دیے ہائیں گے۔ اس کے بعد ابو نصر امر کرانی سے پائل کرنے چلا گیا۔ اور حرم یہ ہوا کہ امر کرانی بھی آزاد ہو گیا۔

امر کرانی بھی پھینک دیا۔ یہ مجھوٹ ہے سر سر مجھوٹ بلکہ سفید مجھوٹ ہے۔

اب سلطان کا ذہن معروت کو پہنچا ہوا تھا۔ اس نے ایک زوردار طمانچہ امر کرانی کے دائیں رخسار پر بھی رسید کر دیا۔

امر کرانی گال مہلنے لگا: سلطان محترم! آپ یقین کریں یہ مجھوٹ ہے سفید مجھوٹ۔ ابو حمزہ سے یہ مجھوٹ بلو لیا جا رہا ہے۔

اب سلطان نے اس کی ایک رشتہ سنی اور ابو حمزہ سے کہا:

خواجہ حسن نے ابو حمزہ کی سفارش کی: "میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تو سب کچھ سچ سچ بتا دے گا تو میں تجھے معافی دلوں گا۔" اب اسلطان نے جواب دیا: "لیکن میں نے اسے کوئی سزا تو نہیں دی۔ میں نے ابھی معاف گزشتہ کی کا حکم دیا ہے۔" خواجہ حسن نے پھر سفارش کی: "لیکن ابو حمزہ کو نہ گرفتار کیا جائے تو بہتر ہے۔"

اب اسلطان کو یہ سفارش ناگوار گزر رہی تھی: "اس نے سخت لمحے میں خواجہ حسن کو تہنید کی۔" خواجہ حسن: "آپ میرے آقا اور استاد ہیں۔ میں آپ کو بے حد عزت کرتا ہوں۔ آپ بھی اسی طرح رہیں کہ آپ کی عزت و توقیر میں کوئی فرق نہ آئے۔" غلاموں نے ابو نصر اور ابو حمزہ کو بھی گرفتار کر لیا۔ ابو حمزہ نے معمولی سی مزاحمت کی اور خواجہ حسن سے کہا: "میں نے تو کچھ کہا آپ کے۔۔۔۔۔"

خواجہ حسن نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا: "یہاں سلطان کے رد و زبان بھونا مناسب نہیں، کچھ کو صفائی پیش کرنے کا موقع ضرور ملے گا۔"

اب اسلطان وہاں کچھ دیر خاموش گم گم بیٹھا رہا۔ اس کے بعد حکم دیا: "اس محل اور اس کی جملہ اشیاء کو حکومت کی ملکیت تصور کیا جائے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "بہتر ہے یہ ساری چیزیں فروخت کر دی جائیں گی اور ان کی مجموعی رقم شاہی خزانے میں جمع کر دی جائے گی۔" ابو نصر، ابو حمزہ اور امیر کرمائی کو ایک ہی جگہ قید رکھا گیا۔ ابو نصر نے ملازمت کی: "تو نے ابو حمزہ اور جوٹ کا دامن کیوں پکڑا۔ تو نے ایسا کیوں کیا ابو حمزہ؟"

ابو حمزہ نے جواب دیا: "خواجہ حسن نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں اس کی بتائی ہوئی گواہی دے دوں گا تو وہ مجھے سلطان سے معافی دلا دے گا۔"

امیر کرمائی نے اس پر بحث نہیں کی: "تو نے بہت برا کیا۔" ابو حمزہ بہت ڈرا ہوا تھا پوچھا: "اب کیا ہو گا؟" ابو نصر نے جواب دیا: "اب کیا ہو گا اب وہی ہو گا جو سلطان اب اسلطان چاہے گا۔"

ابو حمزہ اس طرح کانپ رہا تھا گویا اسے سب چرچہ گیا ہو۔ پچھلے دن ابو حمزہ کو دباہ سے بٹا دیا گیا۔ اور قید خانے میں یہ صرف دونوں رہ گئے۔

ابو نصر اور امیر کرمائی نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ ابو حمزہ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟

ایک ہفتے بعد ابو نصر کو دوبارہ اسلطان کی عدالت

میں پیش کیا گیا۔ اس کے ساتھ امیر کرمائی بھی تھا۔ خواجہ حسن اور کئی دوسرے اراکین بھی موجود تھے۔ ابن یونیق، اب اسلطان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے سختی کی اجازت سے ابو نصر سے پوچھا: "اے ابو نصر! جب تجھے خواجہ حسن کی وزارت میں شریک کر دیا گیا تھا تو پھر یہ خطرناک سازش کیوں کی؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "اب میں بار بار یہ تذکرہ کر رہا ہوں کہ میں نے کوئی سازش نہیں کی۔"

ایک دوسرے امیر نے ابو نصر پر فسوس کیا: "سچ ہے آدمی کو گھٹاتے دیر نہیں لگتی۔"

خواجہ حسن نے اپنی صفائی پیش کی: "یہ معاملہ اتنا واضح اور صاف ہے کہ اس میں حوت زنی کی گنجائش ہی نہیں۔ میں از ابتدا تا انتہا لائق ہوں۔"

ابو نصر نے پوچھا: "اس مقدمے کا بنیادی اور مرکزی کردار ابو حمزہ کہاں ہے؟"

خواجہ حسن نے اب اسلطان کی طرف سے جواب دیا: "اسے معاف کر دیا گیا کیونکہ اس نے اس سازش کو بے نقاب کیا اور سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔"

ابو نصر نے کہا: "میں نے یہ سوال تجھ سے نہیں عدالت کے کیا تھا۔ سلطان اب اسلطان سے۔"

سلطان نے جواب دیا: "میں بھی یہی جواب دیتا ہوں خواجہ حسن نے دیا۔"

ابو نصر نے کہا: "پھر میں کیا کہوں گا؟" خواجہ حسن نے کہا: "تجھ کو اپنی صفائی کا موقع دیا جا رہا ہے کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ بعد میں یہ کہا جائے کہ ابو نصر کو اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔"

ابو نصر نے جواب دیا: "اس مقدمے کا مرکزی کردار پوڑ دیا گیا۔ اس کی عدم موجودگی میں کچھ کو صفائی کا موقع دیا جا رہا ہے اور درجہ کسی مقدمے میں یہ کہہ دیا جائے کہ سازش ثابت ہو چکی ہے تو اس کے بعد اپنی صفائی میں کچھ کہنے فائدہ نہیں اور سرسری تفسیر اوقات ہے۔ مجھے سزا دے دی جائے۔"

اب اسلطان نے پھر بار بار پوچھا: "اس کی نظر بند کی تھیں۔ پوچھا: "کیا سرور و درگاہ کو پسند ہے؟"

ابو نصر نے جواب دیا: "مجھ کو تو یہ دنیا بھی بہت پسند ہے۔ اس سوال سے آپ کیا ماننا چاہتے ہیں؟"

اب اسلطان نے جواب دیا: "میں تجھ کو کوئی خوفناک سزا نہیں دے رہا۔ تو اس وقت بھی خواجہ حسن کا شریک وزیر ہے۔ تیری وہ خدمات جو چاہا مغل مرحوم کے دور سے متعلق ہیں۔ ایسی

کر دیا جائے گا اس لیے وزارتِ عثمانی مجھے مل جانی چاہیے۔
ابن موفق نے جواب دیا: ”میں سلطان کے دل کے کسی گوشے
میں ابونصر کے لیے جذبہ ہمدردی، در رحم صوں کر رہا ہوں۔“
خواجہ حسن کو اس سے اتفاق تھا پوچھا: پھر اس سے تمھارا
کیا مطلب ہے؟

ابن موفق نے جواب دیا: ”صرف یہ کہ جب تک ابونصر
زندہ ہے آپ وزارتِ عثمانی نہیں حاصل کر سکتے۔“
خواجہ حسن ابن موفق سے اتفاق نہیں کر سکا۔

دوسرے دن ابونصر کو مرو و دروازہ کر دیا گیا ہرات کے
مشرق میں دریائے مرغاب کے کنارے مرو و دریا کے ایک اچھے شہر
تھا اس دریا کو دریائے مرو بھی کہا جاتا تھا۔ اگر مرو و دریا سے
دریائے مرغاب کے کنارے کنارے شمال میں چلیں تو مشہور شہر
مرو میں داخل ہو جائیں گے۔ خراسان کا پایہ تخت، الپ ارسلان کو
بھی یہ شہر پسند تھا۔

الپ ارسلان نے ابونصر کو بطور تحفہ دو غلام بھی علی
کیے تھے۔ جو غلام کے غلام الپ ارسلان کے بھتر بھی تھے۔
راستے میں ابونصر کے دونوں غلاموں نے ابونصر کی مالی ذرا
پراسوس کیا۔ وہ ابونصر کا شاندار زمانہ دیکھ چکے تھے۔
جب یہ لوگ دو دن کے لیے نیشاپور شہر سے تو وہاں کے
چند معززین شہر ابونصر سے ملاقات کرنے آئے۔ دونوں غلاموں
نے انھیں ابونصر سے ملنے نہیں دیا۔

نیشاپور سے ابونصر کی بڑی یادیں وابستہ تھیں۔ جب اسے
یہ بتایا گیا کہ وہ نیشاپور میں آزادی سے نہیں گھوم چکر سکتا تو اسے
بہت دکھ ہوا۔

دونوں غلام ابونصر کو یقین دلاتے رہے کہ یہ جو کچھ ہو رہا
ہے سلطان الپ ارسلان کے حکم سے ہو رہا ہے۔
خواجہ حسن نے ابونصر کے چہے جانے کے بعد الپ ارسلان

میں کہ میں تجھے کوئی خوفناک سزا نہیں دے سکتا۔ اب چونکہ تیرا
کنبدہ مرو و دریا چھوٹا ہے۔ میں تجھ کو بھی وہیں بھیج رہا ہوں تیرے
اپنے کہنے کے پاس۔ اس دوران تو مرو و دریا کی حد دوسرے باہر
نہیں نکلے گا میں یہی تیری سزا ہے۔

اگر کوئی اپنے فیصلے کا انتظار کر رہا تھا۔ الپ ارسلان نے
اس کی طرف دیکھ کر تنبیہ کی: ”تو نے جو کچھ کیا ترغیب اور تحریص
میں اگر کیا ہے۔ تیری یہ پہلی غلطی، پہلا جرم یا پہلا گناہ تھا۔ اس
لیے خواجہ حسن کی سفارش اور ابو عمرو کی خواہش پر میں تجھے معاف کر
رہا ہوں، اب تو آزاد ہے فوج میں واپس جا اور ہماری ممنونانہ
خدمات کو دیات دری سے انجام دیتا رہ۔“

اگر کوئی نے عرض کیا: لیکن میں مجرم نہیں تھا، میں نے
کوئی غلطی...“

خواجہ حسن نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا: میں نے تیرے
عبیہ، حق اور ناداننہ نہیں دیکھا۔ جب تجھ کو معافی مل گئی اور تورا
کیا ہمارا ہے تو اب ایسی کوئی بات یا حرکت نہ کر کہ سزا کا مستوجب
تھو رہا ہے۔“

اگر کوئی نے اپنے منہ پر سے خواجہ حسن کا ہاتھ ہٹایا اور
ابونصر کی طرف اشارہ کیا: ”جب ابونصر اور مجھے معافی مل گئی، تو
ابونصر کو بھی معافی ملنا چاہیے۔“
خواجہ حسن ناراض ہو گیا: ”تو انور مملکت میں مداخلت کر رہا ہے“
میں تیری رعایت سے دست کش ہو جاؤں گا۔“

الپ ارسلان نے خواجہ حسن کو جذباتی ہونے سے روکا: ”آپ
زباں بندی نہ کریں فیصلے ہو چکے، اب ان میں کسی قسم کا رد و بدل
نہیں ہو گا۔“
اگر کوئی وہاں سے چلا گیا۔

الپ ارسلان نے ابونصر سے پوچھا: ”کی تجھ کو مرو و دریا
کر دیا جائے گا۔ دے چھوڑنے سے پہلے تیری کوئی ایک خواہش
پوری کی جاسکتی ہے۔“

ابونصر کچھ دیر تو خاموش رہا، خواجہ حسن جواب سننے کے
لیے زیادہ بے چین تھا۔

ابونصر نے جواب دیا: ”میں چھوڑنے سے پہلے میں شہزادہ
سلیمان اور میں سے طے پا جاتا ہوں۔“

خواجہ حسن مسکرایا اور آہستہ سے کہا: ”کوئی شوشہ چھوڑ جائے گا۔“
الپ ارسلان نے اس کی درخواست مسترد کر دی: ”انسوس
کہ تیری یہ خواہش پوری نہیں کی جاسکتی۔ اب تو جاسکتا ہے۔“
الپ ارسلان اندر چلا گیا اور ابونصر کو قید خانے بھیج دیا گیا۔
خواجہ حسن نے ابن موفق سے کہا: ”اب ابونصر کو مرو و دریا کی

قدمہ

ایک نوجوان سے اس کے دوست نے پوچھا۔
”بھئی تم نے اتنی سال داد و دردت کما پنے ساتھ شادی
کرنے پر آمادہ کیسے کر لیا ہے۔“

نوجوان بولا: ”میری آسانی سے ہمیں نے اس کی
بیسیوس مانگرہ پر بائیں گلاب نذر کر دیے تھے۔“

عشرت علوم

ابن موفقی نے وعدہ کیا: میں اپنی پوری صلاحیت اور ذہنیت سے کام لے کر یہ خدمت انجام دوں گا۔

خواجہ حسن بہت فکر مند تھا۔ وہ ابونصر سے اب بھی خوف نہ تھا۔ ابونصر ابھی زندہ ہے۔ اس کی کوئی ایک ہفت میری ساری تدبیر اور حکمت عیلول کو خاک میں مل سکتی ہے۔ اس لئے اس سے بعد تک اسے غمان کو اپنے حق میں کرنا پڑتا رہے۔

ابن موفقی نے پھر وعدہ کیا: میں کو شش کروں گا کہ یہ کام آپ کی خواہش کے مطابق طے پا جائے۔

بغداد روانگی سے قبل اب اسلطان نے ابن موفقی کو تھیلے میں طلب کیا۔ یہاں اب اسلطان اور ابن موفقی کے سوا میر کوئی نہ تھا۔ خواجہ حسن کے خط کو اب اسلطان نے ایک بار پھر پڑھا اور ابونصر کے متعلق سطور پر نگل رکھ کر پوچھا: تیرا کیا خیال ہے؟ کیا یہ کچھ زیادہ نہیں ہو گیا؟ میرا مطلب ہے کہ اس طرح ابونصر کے ساتھ زیادتی نہیں ہو رہی؟

ابن موفقی نے جواب دیا: سلطان محترم، بات زیادتی یا استدلال کی نہیں، آپ امیر المومنین سے حکومت کی سند کس طرح حاصل کریں گے؟

اب اسلطان سوچوں میں گم تھا: یہ تو ٹھیک ہے۔ ہمیں سند حکومت ہر حال، برقیہیت دے گا۔ سب لیکن اس طرح ابونصر کی غیر ضروری کردار کشی ہو رہی ہے۔

ابن موفقی نے عرض کیا: پھر سطور کو نکال دیا جائے خط سے ہر خیال ہے آپ کا؟

اب اسلطان نے جواب دیا: نہیں، نہیں میں یہ بھی نہیں پہنچتا کہ میں اس سنہری موقع کو بددینہ بنانے دوں۔

ابن موفقی نے کہا: اگر آپ کو کوئی خاک بات کہنی ہو تو اس سے زبانی لے یاؤں گا اپنے ساتھ۔

اب اسلطان نے پوچھا: خواجہ حسن نے تجھے زبانی کیا کہہ دیا؟

اس نے اور کیا کیا کہا؟ اس نے تجھ سے؟

ابن موفقی نے جواب دیا: لا کچھ نہیں بس سیدنا کی عزت اور احترام کا ذکر بہت زیادہ ہوا۔

اب اسلطان کو ابن موفقی کی بات پر یقین نہیں آیا۔ اس نے ابن موفقی کو سمجایا: دیکھو وہاں ابونصر کا ذکر کب سے کم ہونا چاہیے۔ ابونصر نے ہم سب کو قیوت کے لیے بلا کر کیا ہے اور یہ سیدنا جس کا نام ہے؟ ابونصر کو جو ہم اور خطا کو بھڑکا رہا ہے اس کے ہیں منظر میں جس کی سمجھوتہ کی عزت و توقیر کو فرما ہے جب خلیفہ نے ہماری آبی اسلطان نہ تو اس سے شادی کر کے جس ہماری قوم کی نقدوں سے گزر دیا تھا اس وقت یہ ابونصر ہی تھا کہ سب طرفوں کی

کو مشورہ دیا کہ جب تک اب بغداد سے سند حکومت نہیں حاصل کر لیتے۔ آپ کی ہر چیز خیر قیمتی اور ناقابل اعتبار ہے۔

اب اسلطان بھی اس نکتے سے آگاہ تھا: پوچھا: اس سلسلے میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

خواجہ حسن نے کہا: اس وقت صرف ایک صورت ہے۔ میں صرف مشورے دے سکتا ہوں۔

اب اسلطان نے جواب دیا: مشورے بھی دے دو اور ہمیں عملی جامہ بھی پہنائیں۔

خواجہ حسن نے مشورہ دیا: سیدہ کو فوراً بغداد روانہ کر دیں۔ اور امیر المومنین کو لکھ دیں کہ آپ کی عزت اور امانت بے حد احترام اور احتیاط واپس کر دی گئی ہے اور خط میں یہ بھی لکھ دیا جائے کہ اس افسوس ناک واقعے میں جس شخص کا ہاتھ تھا۔ اسے اسے سے نکال کر ضرور درمیں قید کر دیا گیا ہے۔

اب اسلطان نے پوچھا: کیا یہ سب ممکن ضروری ہے؟

خواجہ حسن نے آئندہ ہمے میں کہا: میں جانتا ہوں کہ آپ کے دل میں ابونصر کی وقعت اور عزت اب بھی موجود ہے لیکن اب آپ جس مقام پر کھڑے ہیں وہاں ابونصر کو خلافت عباسیہ کے رو بہ واسی شکل اسی روپ میں پیش کرنا ہو گا۔ امیر المومنین قائم باہر ابونصر سے ناراض ہیں۔ وہ آپ کے مذکورہ اقدام سے بہت خوش ہوں گے اور آپ کو فوراً اس سید سلطانی بل جائے گی۔

اب اسلطان نے پوچھا: اور سیدہ کو بغداد لے کون جائے گا؟

خواجہ حسن نے جواب دیا: ابن موفقی، امیر ابن موفقی۔

اب اسلطان نے فوراً اجازت دے دی: پھر تاخیر کیوں؟

اس پر فوراً عمل کیا جائے۔

خواجہ حسن نے خلافت عباسیہ کے نام اب اسلطان کی طرف سے نہایت شاندار خط لکھی اس میں ابونصر کی بڑی مذمت کی گئی تھی۔

ابن موفقی اس خدمت کو اپنے لیے بڑا اعزاز سمجھ رہا تھا۔ وہ ابن موفقی کو سمجھا تا رہا کہ جب تجھے خلیفہ قائم باہر شد سے ہم کلا کی کا شرف حاصل ہو تو اس کے دل و دماغ میں یہ ضرور بٹھارینا کہ سیدہ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کا ابونصر ذمے دار اور خطا کار ہے اور یہ بھی بتا دینا کہ اب اسلطان نے اسے اسی جرم میں قید کیا۔ مقدمہ چلایا اور سزا دے دی۔ تو فیض کو یہ بھی بتا سکتا ہے کہ یہ ساری کارروائی تیرے سامنے ہوئی ہے اللہ یہ بھی بارگاہ دینا کہ اس مقدمہ خفا اور سیدہ کی بہ عجلت اور بے حد عزت و احترام واپسی کا محرک خواجہ حسن ہے اگر تو نے یہ کام میری توقع کے مطابق کی تو میں تجھ کو کہیں سے کہیں پتھاروں گا۔

شادی سیدہ سے کر سکے ہیں ہماری قوم کی نظروں میں اٹھا دیا تھا۔
اب ابن موفیٰ پریشان ہو رہا تھا کہ وہ کس کی بات مانے
اور کس کی شناسنے؟

اب اسلطان کتارہ "انسان سے غلطیاں ہوتی ہیں، لیکن
ایونس سے کچھ زیادہ ہی غلطیاں سرزد ہو رہی ہیں۔ وہ بلا کا ذہین
اور قابل انسان کسی جیم اور بے سہارا بچے کی طرح سم سم کر ہوتہم
بھی اٹھتا ہے وہ اس کے خلاف جانتا ہے، مجھ کو اس پر تم آتا ہے۔
ابن موفیٰ نے عرض کیا: "آپ جو کہہ فرماتے ہیں میں وہی
کروں گا۔"

اب اسلطان نے خواجہ حسن کی شکایت کی: "خواجہ حسن ابونصر
سے ناراض ہے۔ وہ اسے بالکل پسند نہیں کرتا۔ شاید خواجہ حسن ابونصر
سے ڈرتا بھی ہے؟ چاہتے ہیں؟"

ابن موفیٰ نے عرض کیا: "میں حضور والا! یہ بات نہیں ہے
شاید خواجہ حسن کسی سے بھی نہیں ڈرتا۔"

اب اسلطان نے کہا: "تو نہیں جانتا یہ بات صرف میں جانتا
ہوں بھرت میں۔ کوئی اور نہیں جانتا کوئی اور جان بھی کس طرح
سکتا ہے؟"

ابن موفیٰ نے اجازت چاہی: "کیا میں جاؤں؟"
اب اسلطان نے جواب دیا: "اے اب تو جاسکتا ہے لیکن
خبردار ہماری اس گفتگو کا کسی اور کو علم نہیں ہونا چاہیے اور خاص
کر خواجہ حسن کو۔"

ابن موفیٰ نے عرض کیا: "آپ کی ہر بات آپ کی امانت کی
طرح محفوظ رہے گی۔"

خواجہ حسن ابن موفیٰ پر بھی اعتبار نہیں کر رہا تھا اس کے بھڑپا
نے یہ خبر سننے پر ہی کہ اب اسلطان اور ابن موفیٰ میں تعلق میں کافی
بائیں ہوئی ہیں۔ وہ ابن موفیٰ سے یہ نہیں پوچھ سکتا تھا کہ ان باتوں
کی تفصیل کیا ہے؟

وہ ابن موفیٰ اور سیدہ کو شہر کے باہر مین فرسخ ملک رخصت
کرتے گیا اور اس کا گھوڑا ابن موفیٰ کے گھوڑے کے برابر چل رہا تھا
رستے میں خواجہ حسن نے پوچھا: "سلطان نے بھی تو کچھ ہدایت
دی ہوں گی، اگر مجھ کو ان کا علم ہو جائے تو میں مجھ کو بہترین مشورے
سے سکتا ہوں۔"

ابن موفیٰ جواب لیا: "میں کوئی خاص قابل ذکر بات
نہیں ہوں۔"

خواجہ حسن کا ماتھا جھکا۔ اس نے معنی خیز سوالیہ نظروں سے
ابن موفیٰ کو گھورا: "تو سچ کہہ رہا ہے؟"
ابن موفیٰ نے جواب دیا: "بالکل سچ، آپ مجھ پر کسی قسم کا

شہدہ کریں۔"

خواجہ حسن قافلے کے دوسرے فرد سے ہاتھیں کرنے لگا۔
قافلے کے سبھی لوگ خواجہ حسن کے انتخاب کیے ہوئے تھے۔ وہ ہاری باری
ہر ایک سے ملا۔ اور الگ الگ ہدایت دیتا رہا۔ یہ قافلہ آگے
بڑھ گیا۔ اور خواجہ حسن واپس لوٹ آیا۔

ابن موفیٰ نے خواجہ حسن میں یہ تغیر محسوس کیا کہ خواجہ حسن نے
واپس جاتے ہوئے اس سے ملاقات نہیں کی تھی۔

دوسرے ہی دن قافلے کی طرف سے ایک آدمی بہت بڑی
خبر لایا کہ ابن موفیٰ کا اچانک انتقال ہو گیا ہے اور قافلہ سیدہ کے ساتھ
پڑاؤ ڈالے پڑا ہوا ہے۔

خواجہ حسن نے یہ خبر اب اسلطان تک پہنچادی۔ اور افسوس کا
اظہار کیا: "یہ کیا اور کس طرح ہو گیا میری تو عقل یہ ان ہے؟"

اب اسلطان نے پوچھا: "ابن موفیٰ کی جگہ آپ کسے بھیج جائے؟"
خواجہ حسن نے اپنی خدمات پیش کیں: "اگر آپ اجازت دیں
تو میں جاسکتا ہوں۔"

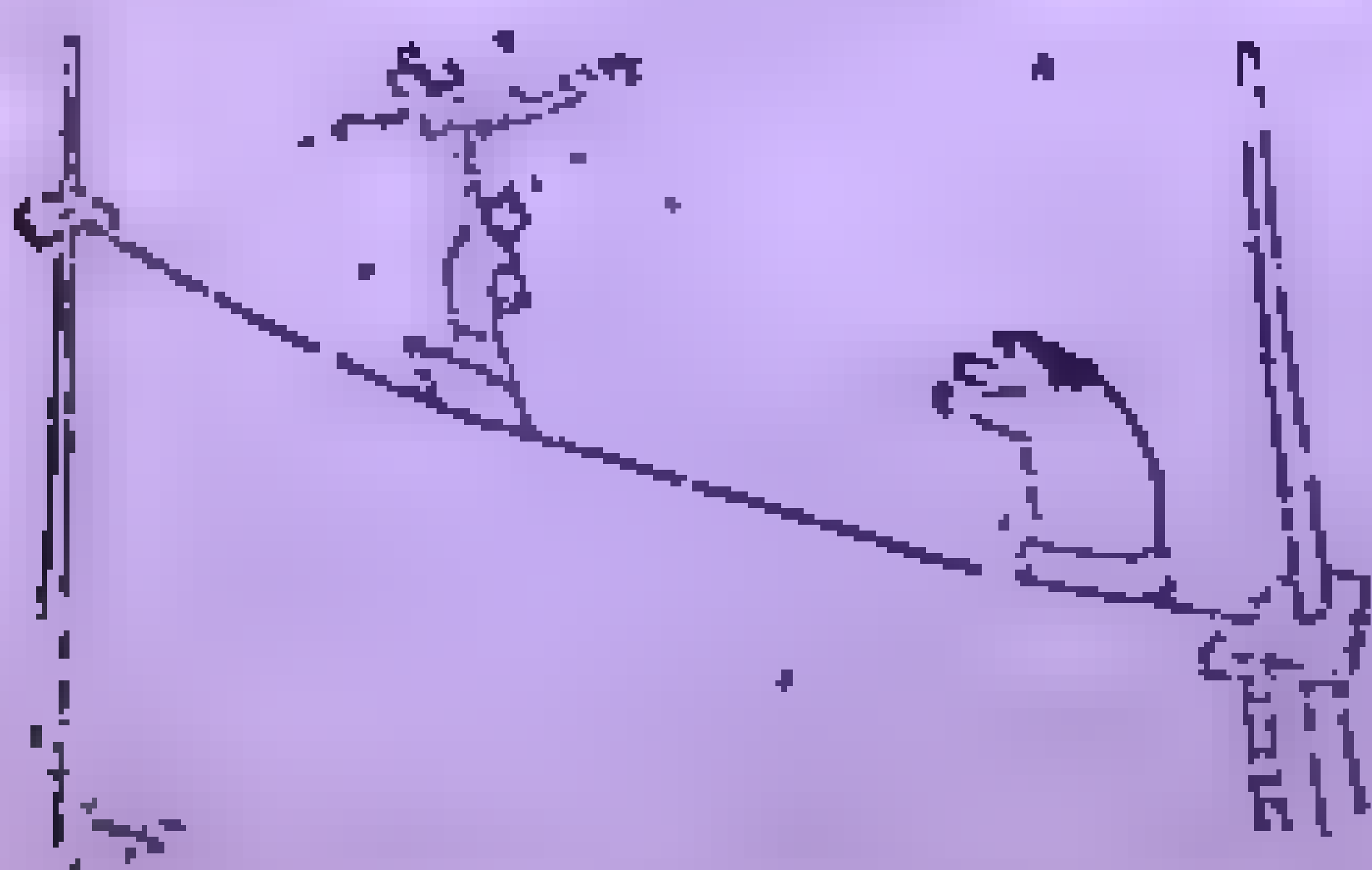
اب اسلطان سے منع کر دیا۔ خواجہ حسن اس عبوری دور
میں مجھے آپ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے میں آپ کو میں بھیج سکتا ہوں؟
خواجہ حسن نے عرض کیا: "میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔ پھر کس کو بھیجا
جاسکتا ہے کسی بھی دوسرے آدمی کو جلالی اور فراں بردار ہو؟"

اب اسلطان اپنے ذہن پر زور دیتا رہا۔ اور آخر کار حکم دیا۔
"حیدر ابوحج مغلطہ بن حسین کو بلایا جائے؟"

خواجہ حسن نے اس نام سے یہ اندازہ لگا لیا کہ یہ اب اسلطان
لغرل و حکم کے دربار سے وابستہ تھا۔ اس لیے ابونصر سے بھی کس نہ کسی
قسم کا تعلق ضرور رہا ہوگا۔

خواجہ حسن نے پوچھا: "یہ شخص مناسب ہے؟"
اب اسلطان نے جواب دیا: "یہ تجھ پر کارامیر ہے اور ابن موفیٰ
سے کسی طرح کم نہیں۔"

خواجہ حسن نے دیے لفظوں میں سلطان کو خبردار کیا: "میں تو یہ
چاہتا ہوں آپ جیسے چاہیں بندہ ادھیچ دیں لیکن پیسے یہ ضرور سچ



دایہ کر رکھی تھیں۔

اس نے شہزادے سے کہا: شہزادے! اب آپ اس کو ہونچے میں کر اور مملکت میں علما جتہ دیکھیں۔

شہزادے نے جواب دیا: اس کو محترم! میں تو آپ کے زیر سایہ سیکھ رہا ہوں، آپ جس بات کا حکم دیں گے میں انجام دوں گا، خواجہ حسن نے کہا: اب جیسے ابو الفتح بنی دیکھتے ہیں اس کے ساتھ آپ کو بھی جانا چاہیے تھا۔

شہزادے نے کہا: آپ نے ذرا سا شہزادہ بھی کر دیا جو کہ تو میں ابو الفتح کے ساتھ ضرور جاتا۔

خواجہ حسن مسکرایا: آپ فکر نہ کریں شہزادے! آپ کو تو میرا بغداد لے جاؤں گا۔

شہزادہ خواجہ حسن سے دیر تک باتیں کرتا رہا، ان باتوں میں ابو الفتح کا ذکر بھی آیا، خواجہ حسن نے شکایت کیا کہ: ابو الفتح کے مقابلے میں میں بد قسمت انسان ہوں۔

شہزادہ حکم شاہ نے پوچھا: وہ کس طرح اس کے ابو الفتح کو جیل وطن کر دیا گیا۔ اور وہ موروں میں قیدیوں کی طرح رہ رہا ہوگا جبکہ آپ وزیر ہیں۔

خواجہ حسن نے جواب دیا: وہ جیل وطن کر دیا گیا لیکن میری وزارت میں وہ اب بھی سرکس ہے، میں نے ابھی تک وزارت عظمیٰ کا منصب نہیں سنبھالا۔

شہزادے نے پوچھا: ایسا کیوں ہے؟

خواجہ حسن نے جواب دیا: میں نے سلطان سے کئی بار یہ درخواست کی کہ مجھے وزارت عظمیٰ کا منصب مرحمت فرمایا جائے لیکن سلطان نے ٹال دیا۔

شہزادے نے پوچھا: اور وہ جیل وطن قیدی آپ کے منصب میں سرکس ہے، آخر کیوں؟

خواجہ حسن اور اس پر پوچھا: مہم نہیں کیوں بہت نہیں کیوں؟

شہزادے نے پوچھا: کیا میں بادشاہان سے بات کروں؟

خواجہ حسن گھبر گیا: نہیں! آپ میری باتوں کا میں ذکر ہی نہ کیجیے گا، اس سے بات بگڑ جائے گی۔

شہزادہ ملک شاہ کچھ دیر اور بیٹھا چہرے پر مل چڑ گیا۔

کئی دن بعد اسی سلطان کو یہ خوش خبر بھی مل گئی کہ جو الفتح ابھی امتحان کر گیا اب کسی قیام سے شخص کو روانہ کیا جائے تاکہ شہزادہ کو پہنچا دیا جاسکے۔

اسی اعلان حیران تھا کہ کیا پورا ہوتا ہے اس نے اپنے سر کو دھریں طلب کیا اور یہ عجیب و غریب مسئلہ کے سامنے رکھ دیا۔

میں کہ وہ آپ کا اہم ترین کام انجام بھی دے سکے گا یا نہیں؟

اب اس سلطان نے جواب دیا: میں ابو الفتح کو تیرے حوالے کر دوں گا، تو اسے اچھی طرح سمجھا دے گا۔

خواجہ حسن دیر تک ابو الفتح کا انتظار کرتا رہا، سلطان اب اس سے بھی سب وہی سمجھا تا رہا، خواجہ حسن کو بھی اپنے کا تھا، وہیں امیر المومنین سے اپنے طور پر کوئی ایسی بات نہیں کرتی ہے جس سے ابو الفتح کی شکایت ظاہر ہو۔ ہی ہو، اس نے جلتے قہارانی وقار کو سر بلند کیا ہے۔

ابو الفتح نے عرض کیا: ابو الفتح کے بچے پر بھی احسانات ہیں۔ میں اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اب اس سلطان نے کہا: جانب خواجہ حسن سے بھی مل لے، وہ بھی تجھے ہدایت دے گا۔ ہماری باتوں کا خواجہ کو علم نہیں ہونا چاہیے۔

خواجہ حسن ابو الفتح سے مشتبہ انداز میں باتیں کرتا رہا، اور اس کے ساتھ بھی وہی ابن موفی والا طریقہ اختیار کیا۔ وہ ابو الفتح کو حکم فرما کر ایک تھوڑے سے آیا اور راستے میں پوچھا: سلطان نے ابو الفتح کے پاس سے میں کیا ہدایات دی ہیں؟

ابو الفتح نے جواب دیا: کوئی خاص ہدایت نہیں دی وہ فرما رہے تھے کہ اصل ہدایات تو آپ سے لیں گی مجھ کو۔

خواجہ حسن نے ابو الفتح کو خول سے باہر نکالنے کے لیے ہدایات دینا شروع کر دیں، امیر المومنین کو سب طرح یہ باور کرا دینا ہے کہ محترمہ سیدہ یا خاندان خلافت کے ساتھ جو بھی زیادتی ہوتی ہے۔ اس کا دلدار تصور دار ابو الفتح ہے۔

ابو الفتح کی زبان سے یہ اختیار نکل گیا: لیکن جناب وزیر اعظم صاحب! آپ ابو الفتح کے سلسلے میں یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ ابو الفتح ہی تھے جس نے آج سب کو تاسو کا نام میں وہ مقام دلوا دیا، جو اس سے پہلے ان جیسوں کو حاصل نہیں ہوا تھا، ابو الفتح! ابو الفتح! لیکن اس میں اچھائیوں بھی بہت زیادہ ہیں۔

خواجہ حسن متاثر ہو گیا: تو تو خود بہت سمجھ دار ہے عقلمند ہے انکو کو میں کیا ہدایات دلاؤں گا، خوب!

ابو الفتح کو ایسا لگا جیسے وہ خواجہ حسن کو ابو الفتح کے معاملے میں قائل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

خواجہ حسن تین فرسخ سے فاصلہ لگا کر اب وہ خود سفر کی تیاریاں کرنے لگا، اب اس معاملے کو اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

اب سلطان نے اپنے بیٹے ملک شاہ کو خواجہ حسن کی آیتوں میں سے دیا تھا، وہ کثرت و بیشہ خود ہی خواجہ حسن کے پاس جاتا تھا، ابو الفتح کے ہونے کے دوسرے دن ملک شاہ نماز فجر کے بعد ہی خواجہ حسن سے ملنے آ گیا، خواجہ حسن نے شہزادے سے بڑی سید

معاذلوں کے ذریعے سیدہ کو مطلع کیا کہ خواجہ حسن اذن باریابی پایا ہے۔
سیدہ اس نام سے بہت خوش ہوئی اور اسے اندر بلا لیا۔
شہزادہ ملک شاہ اس کے ساتھ تھا۔ سیدہ شہزادے سے واقف
نہیں تھی خواجہ حسن سے پوچھا: "تیرے ساتھ یہ نو عمر لڑکا کون ہے؟"
خواجہ حسن نے جواب دیا: "ابو اسلان کا بیٹا ملک شاہ۔"

ابو اسلان کا تیسرا فرزند روا۔

سیدہ نے خوشی کا اظہار کیا اور شہزادے کو اپنے پاس بٹھا لیا۔
خواجہ حسن نے سیدہ کو بتایا: "آپ کے ساتھ میں آتا ہوں۔"

اللہ نے میری خواہش پوری کر دی۔

سیدہ نے کہا: "اب تو خدا اور میں خود بھی حیران ہوں کہ ابن بونصر
اور ابو اسلان آپ تک کس طرح مر گئے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "موت کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ سچی بات
تو یہ ہے کہ بغداد میں آپ کے ساتھ مجھے داخل ہوا تھا۔"

سیدہ نے ابو نصر کی خیریت پوچھی: "وہ کہاں ہے؟"
خواجہ حسن کو اس نام اور اس ذکر سے حیرت تھی۔ منہ بنا کے
جواب دیا: "وہ مردور میں جلا وطنی کی زندگی گزار رہا ہے۔"

سیدہ نے اس کی ذہانت اور قابلیت کی تعریف کی: "اس
نے جو کچھ میرے ساتھ کیا اس سے قطع نظر آدمی لائق اور مدبر ہے۔"
خواجہ حسن کے ہر سے پر کھنگالی گئی: "بغداد میں آپ میری
کام ضرور کریں گی۔"

سیدہ نے پوچھا: "وہ کیا؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "میں امیر المومنین سے تنہا میں کچھ
باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ وہاں ہم دونوں کے سوا کوئی نہ ہوگا۔ اگر

کسی مسخرے نے ابو اسلان کو مشورہ دیا: "ابو نصر کو مرد
سے بڑا کر سیدہ کے ساتھ بغداد روانہ کر دیا جائے۔" اللہ نے چاہا
تو وہ بھی ٹھیکانے لگ جاتے گا اور خواجہ حسن کو سکون و تسکین ملے گا۔"
خواجہ حسن اس مذاق کو نہیں برداشت کر سکا۔ ابو اسلان سے
عارض کیا: "جناب واپس اگر یہ خدمت اتنی ہی منہوس و خطرناک ہے
تو میں یہ فتنے داری قبول کرنے کو تیار ہوں۔"

اسلان نے اپنے دوسرے امرا کی طرف دیکھا: "ہے کوئی
تم میں ایسا جیلا اور جوں مرد جو یہ فتنے داری قبول کرے؟"
اسلان نے کچھ دیر جواب کا انتظار کیا آخر جب کوئی آگے
نہیں بڑھا تو خواجہ حسن پھر کھڑا ہو گیا: "اسلان محترم! یہ فتنے داری
میں قبول کر رہا ہوں۔"

ابو اسلان نے بس اور عبور ہو گیا اور خواجہ حسن کو اس
اہم فتنے داری کی انجام دہی پر مامور کر دیا گیا۔

دوبارہ درخواست کر دیا گیا اور ابو اسلان نے خواجہ حسن کو
تنہا میں دینک سمجھایا آخر میں کہا: "خواجہ حسن! آپ رانا وینا ہیں
ابو نصر سے آپ نفرت کرتے ہیں۔"

خواجہ حسن نے احمق کے اشارے سے منع کیا کہ اس ذکر کو
نہ پھیلے اور اسے تو مناسب ہوگا۔

ابو اسلان نے کہا: "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ دوبارہ
عدالت میں ابو نصر کا ذکر کم سے کم ہو۔ آخر ابو نصر جی چھ طفل مرحوم
کا وزیر رہ چکا ہے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا: "اس خاکسار کو معلوم ہے کہ آپ
کے دل میں ابو نصر کی کیا عزت ہے۔ میں آپ کے احساسات
کا پورا پورا خیال رکھوں گا۔" اس کے بعد خواجہ حسن نے درخواست
کی: "شہزادہ ملک شاہ کو بھی اس کے ساتھ جانے کی اجازت عطا
فرمائی جائے۔"

ابو اسلان نے پوچھا: "اس ہم میں شہزادے کے کیا کام؟"
خواجہ حسن نے جواب دیا: "نرت نے تجربات کی خاطر گئی۔"
مشاہدات اور۔۔۔

ابو اسلان عبور ہو گیا اور شہزادہ ملک شاہ کو خواجہ حسن
کے ساتھ بغداد جانے کی اجازت دی گئی۔

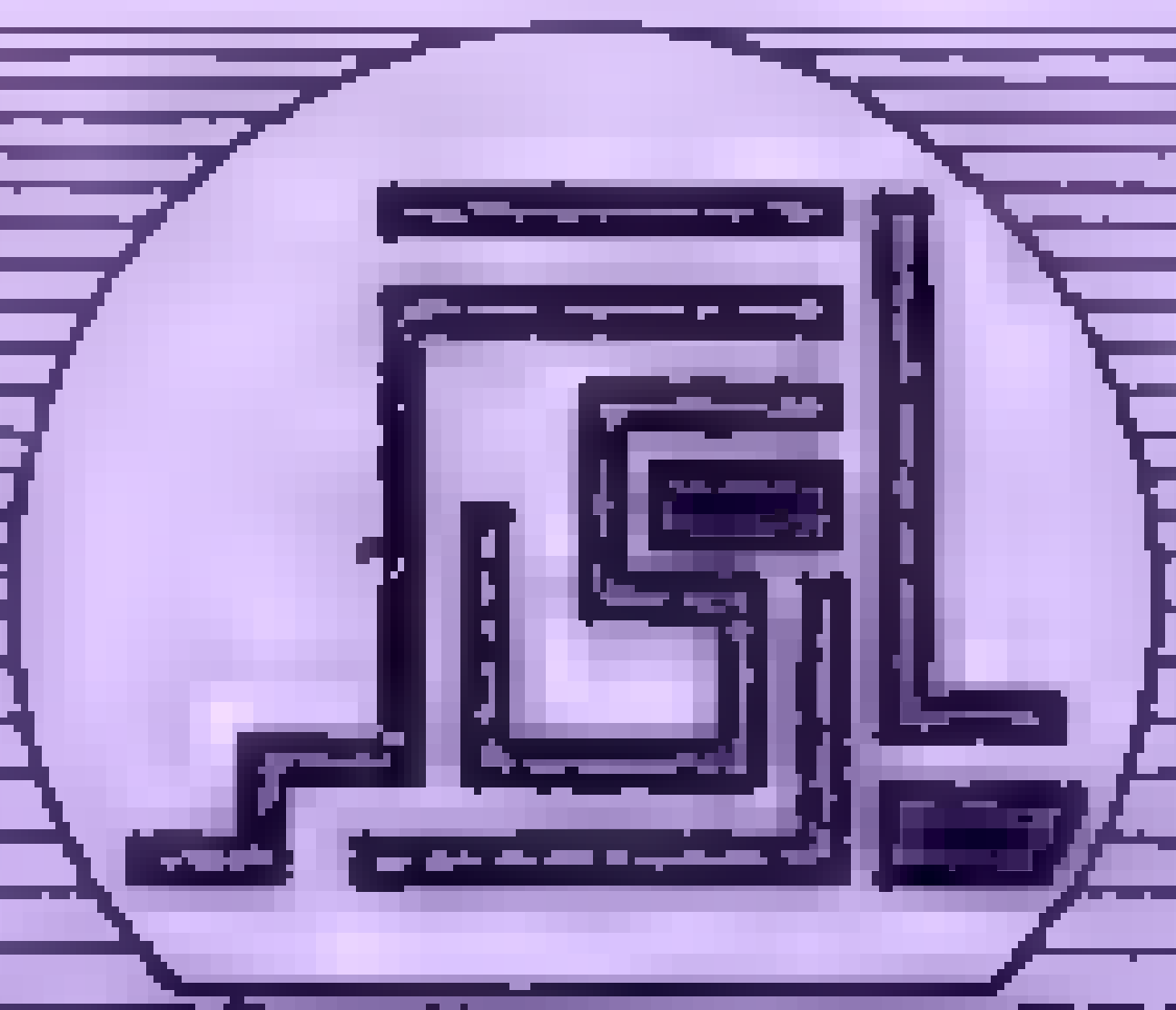
خواجہ حسن پہلے ہی سفر کی تیاری کر چکا تھا شہزادہ ملک شاہ
اس کے ساتھ تھا۔

کئی دن بعد خواجہ حسن وہاں پہنچ گیا۔ جہاں سیدہ اپنے تیسرے
میرے کاروں کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کا تیسرا
میرے کاروں کون ہوگا؟

خواجہ حسن سیدہ کے خیمے کے سامنے گھوٹے سے اترا اور

ننگی ننگی کے لیے ایک ماہ گزیدہ کی خوں رنگ سرگزشت

ایک مقبول سلسلہ



بارہاں خاں کی آپ بیتی، جگ بیتی

قیمت فی جلد: ۵ روپے
ڈاک خرید: ۵ روپے

کتاب والا پہاڑی بھوجپہ، دہلی ۶

یہ غیبت تک جو عمل کے اوپر فی ہفتہ میں بیٹھ کر ایک دن گزارنے کی

ستید نے چند دہائیوں کے اندر ہی اپنے مہم جوئیوں سے

کہ میں نائب ہو جاؤں اور ابونصر ذرورت مناسبت سے دوبارہ
مستوفی بنے اگر کیا ہو تو بہت بڑا ہو گا۔
غیرت نے پوچھا: اس کا کوئی تو مل ہو گا تیرے پاس؟
خواجه حسن نے جواب دیا: ہاں ایک مل ہے میرے پاس۔
مگر اس کو ملنے ہوئے گھبرا رہا ہوں۔

غیرت نے تو صدر بڑھایا، امت گجرا یہاں ہم دونوں کے
موا تیسرا کوئی نہیں۔

خواجه حسن نے پوچھا: موجب سالی جہ کا کوئی عضو گل سڑنے لے
تو اس عضو کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے؟
غیرت نے جواب دیا: اس کو کاٹ کر تیسہ تہم سے لگ کر
دیا جاتا ہے۔

خواجه حسن نے سنا: اس میں ملوینین میں بھی ای چاہتا ہوں کہ
اس گلے میں سے کو کاٹ کر چنگ دیا جائے۔
غیرت نے دھپتے ہوئے کہا: یہ کام تو آپ اربان کر سکتے ہیں۔
خواجه حسن نے منہ نہ دیا: سچان یہ حکم نہیں دے سکتا۔
وہ سو رہے تھے کہ اس کے دل و دماغ پر ابونصر کا قبضہ ہے۔
غیرت نے پوچھا: پھر آخر تو جوابات ہے وہ کس طرح ہوتے
خواجه حسن نے کہا: یہ کام آپ کر سکتے ہیں ایسا مونین۔
آپ کا مولیٰ سا اشارہ یہ کام کر سکتا ہے۔
غیرت کو حیرت تھی کہ خواجه حسن اسے کس طرح گھبرا رہا تھا۔
”وہ کس طرح؟“

خواجه حسن نے کہا: میں یہاں سے پلا ہاؤں گا۔ آپ چند
دنوں بعد آپ اربان کو لکھیں کہ ناموں خلافت کے خرم و صورت
بلا وطن کر دینا کافی نہیں ہے اسے نرا بھی رہی جائے اور غیرت بھی
سزا دی جائے۔ اس یہ مختصر سی تحریر دو کام کرے گی جو کس کا بڑے
سے بڑا حکم بھی نہیں کر سکتا۔

✽

مردود دریا سے مرغاب کے کنارے آباد یہ شہر بڑے
نشیب و قرار دیکھا رہا ہے۔ یہاں فیصلہ کن جنگیں بھی لڑی جا چکی
ہیں۔ ابونصر کو یہ شہر پسند تھا، یہاں اس کا گناہ سے پہلے آچکا تھا۔
اس کے دونوں مذاہم جو سلطان الپ اربان کے غنا کر رہے تھے
اس کے نکلے تھے۔ وہ ابونصر کو مردود کے باہر جانے سے روک
سکتے تھے۔ اس نے پورا ایک سال اس شہر کی حدود کے اندر
گزار دیا۔ دریا سے مرغاب جس کے دونوں کنارے مہر کی بھری
گھاٹ سے مہر گزار رہے ہوئے تھے۔ ابونصر کو بہت اچھے لگتے
تھے۔ وہ اس سبز زار پریشانی کی طرف دیکھ رہا تھا، اسے
سپنے پیدا کرنے والے سے یہی شکایت تھی کہ وہ شاید ابونصر کو قبول کیا

موت سے پریشان تھا جو اسے ملے لک کر بیرونی دنیا سے
ماحول ہونی لگتی۔

ذرات بڑے کرب میں گزری، غیرت خواجه حسن سے واقف
نہیں تھا، لیکن سید سے اس کے پاس میں جو کچھ معلوم ہوا تھا اس
سے وہ ابونصر حبیب کا نیاں معلوم ہوتا تھا۔

صبح تھیں یہ غیرت اور خواجه حسن آئے سلسلے میں گئے غیرت
کو خیانت کہ خواجه حسن کے خرم میں کھڑے ہو کر باتیں کر رہا
لیکن خواجه حسن نہایت بے تکلفی سے بیٹھ گیا وہ غیرت اس سے نہیں
کہہ سکا کہ خواجه حسن ایسا مونین کے ادب و احترام کو یاد رکھ۔

غیرت نے کہا: خواجه حسن، تولے اور تیرے قہ سے سید کے
ساتھ جہ سوک گیا ہے اس کے لیے ہم تم دونوں کے جگر گز رہیں۔
خواجه حسن نے جواب دیا: ”وہ تو ہمارا فرض تھا، بھرتہ سید
سے ہزاروں سوک روکا گیا اس کا اصل خرم ابونصر تھا، ہاں
آپ الپ اربان نے اس کو اسی جرم کی وجہ سے قید کر دیا ہے۔“
غیرت نے پوچھا: بونہ کو کہاں قید کیا گیا ہے؟
خواجه حسن نے جواب دیا: مردود میں۔

غیرت نے کہا: بہت خوب! تم لوگوں نے ہم سے لیے جو کچھ
کیا ہم نے اس کا یہ صلہ دیا کہ آپ اربان کو سلطان تسلیم کر لیا۔
اور اس کا نام خطبات میں داخل کر دیا گیا ہے۔
خواجه حسن نے ادھر ادھر دیکھ کر عرض کیا: اور ایک گزارش
اور ہے۔

غیرت نے پوچھا: ہاں تو گزارش پیش کرنا

خواجه حسن نے عرض کیا: دراصل میں ابونصر کے سلسلے میں کوئی
بات کرنا چاہتا ہوں۔

غیرت نے جواب دیا: تو اپنی بات کر کہیں یہاں نہ ہو کہ بات بھی
نہ ہو اور وقت بھی گزر جائے۔

خواجه حسن نے کہا: ایسا مونین ناموں خلافت پر ہاتھ ڈالنے
والا ابونصر مردود میں ہوا وطن کی زندگی گزار رہا ہے۔ آپ سلطنت
اس کی امان مند ہے کہ اس نے عباسی غیرت اور غوثیہ کی بیٹی کو
نکسے گھر کی ہو بنا دیا۔ اس کا تیز دماغ آج بھی اسی فکر میں ہے کہ
عدوت عباسیہ کو کس طرح دس و خوار کیا جائے۔

غیرت نے پوچھا: مگر وہ ایسا کیوں چاہتا ہے؟
خواجه حسن نے جواب دیا: چاہتا نہیں لیکن وہ یہ چاہتا ہے کہ
غیرت نے کہا: تو زمین اور مدبر ہے اور تیرے پاس اختیار
جی ہے تو اسے یہاں نہ کرنے دے۔

خواجه حسن نے عرض کیا: ابونصر جلدوگر ہے، اس نے کب اس
کو پیش اپنے خرم سے رکھی ہے اور اس بات کا مکان موجود ہے

تھا۔ اس کے دونوں غلام سامیہ کی خدمت انجام دے رہے تھے۔
اس نے اپنے غلاموں کو اپنے پاس بلا لیا اور کہا: "اگر تم
اجازت دو تو میں دو پارہوں کے لیے مرد ہو آؤں۔"
دونوں غلاموں نے انکار کر دیا: "آپ مروروں کے باہر
نہیں جاسکتے۔"

ابونصر نے مزید اصرار نہیں کیا۔ کچھ دیر بعد میں گھر سوار
ابونصر کو تلاش کرتے ہوئے دریائی غرغزار میں پہنچ گئے۔
تینوں گھر سوار دونوں غلاموں سے آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے
اور پھر دونوں غلاموں کی نشاندہی پر ابونصر کے پاس آگئے۔ ابونصر
کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔
ایک گھر سوار ابونصر سے مخاطب ہوا: "ہیں سلطان ملک
نے بھیجا ہے۔"

اس کے بعد اس نے سلطان کا فرمان ابونصر کے حوالے کر دیا۔
فرمان مختصر ترین تھا۔

"ابونصر کو قتل کر دیا جائے اور اس کے کاسہ سر میں لکھا کس
بھر کر جلد از جلد میرے پاس بھیج دیا جائے۔"
ابونصر نے بڑے قہر سے جواب دیا: "پوچھا: فرمان کی تعمیل
کب ہوگی؟"

قاصد جو بوت کا پیغام لایا تھا اپنے ماقیوں سے بولا۔
"یہ خدمت تم دونوں کو انجام دینی ہے کب انجام دو گے؟"
دونوں جلاوطن نے جواب دیا: "کل بعد نماز ظہر۔"

ابونصر نے حسرت بھری نظروں سے دریائے مغرب اور
اس کے ساحلی سبزہ زار کو دیکھا اور ان سب کے ساتھ اپنے کل
چلا آیا۔ تاکوں کو مہلوں کی طرح محل میں بٹھرایا گیا۔ ابونصر اپنے
واجبین اور حقیقین سے شہسہن کے ہاتھ کرتا رہا۔ ان میں سے
کسی ایک کو بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ابونصر ایک دن بعد ان سب کے
ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائے گا۔

وہ رات بھر سونے کی کوشش کرتا رہا لیکن صبح تک نیند
تو نہیں آئی۔ مگر تیز بخار ضرور آگیا۔ ظہر سے ذرا پہلے دونوں جلاوطن
اس کے پاس گئے تو وہ بخار میں جھن رہا تھا۔ ایک جلاوطن نے بخار
کی شدت کے پیش نظر اپنے طور پر یہ فیصلہ کیا کہ اس سزا کو کچھ دن
کے لیے ملتوی کر دیا جائے۔

لیکن ابونصر اس پر راضی نہ ہوا۔ اس نے غصہ کیا اور سننے

کچھ دیر سے پہن کر مسجد چلا گیا۔ وہاں ظہر کی نماز ادا کی اور مسجد سے باہر
نکل کر جلاوطن سے کہا: "اب تم فرمان کی تعمیل کر سکتے ہو۔"
دونوں جلاوطن کو اس پر رحم آ رہا تھا۔ ایک نے پوچھا: "آپ
کامی کے نام کوئی پیغام؟"

ابونصر نے جواب دیا: "بہت خوب، واپس جا کے سلطان
ابن ارسلان سے کہہ دینا کہ آپ کے چچا غزل نے مجھے وزیر بنانے کے
دنیاوی عزت سے سرفراز کیا تھا۔ اور اب آپ مجھے شہید کر
کے آخرت میں بلند مقام عطا فرما رہے ہیں۔ آپ دونوں کا بے حد
شکر گزار ہوں۔"

اس کے بعد دوسرے جلاوطن سے کہا: "اور میں میرے قہر
میں یہ پیغام کرتا ہوں کہ وزیر خواجہ حسن سے کہہ دینا کہ ان ترکوں کو
تو نے وزیر کشی کی لذت سے آشنا کر دیا ہے۔ تو نے یہ بہت بُرا
کیا۔ تو نے یہ کنواں میرے لیے کھودا تھا۔ اللہ نے پہلا تو مجھ سے
میں دفن ہو جائے گا۔"

مسجد کے باہر جلاوطن نے ایک بڑے طشت میں ادرہ
منا ابونصر کو بٹا دیا۔ اور ایک ہی وار میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا
ذرا سی دیر میں طشت خون سے بھر گیا۔

دونوں جلاوطن کاسہ سر کی صفائی کرنے میں مہر تھے۔ انھوں نے
سر میں سے بھونک کر پوٹی میں باندھ دیا۔ اور کاسہ سر کو مغرب
کی گھاس سے بھر دیا۔

ابونصر کا خون مروروں میں دفن کر دیا گیا۔ رماح کو غیشا پھر
روانہ کر دیا گیا۔

جسم کو ابونصر کے وطن کندر بھیج دیا گیا اور اہل وطن نے اس
سربلند ڈھانچے کو کندر میں دفن کر دیا۔

کاسہ سر کرمان "ابن ارسلان کے پاس روانہ کر دیا گیا۔ کرمان
کے قلعے میں ابن ارسلان نے مغرب کی گھاس سے لبریز کاسہ سر
کو دیکھا اور کچھ دیر دیکھتا رہا۔ آہستہ سے کہا: "اللہ تجھ پر آخرت
میں رحم فرمائے۔"

جلاوطن ابونصر کا آخری پیغام ابن ارسلان کے گوش گزار
کر دیا۔ سلطان نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور کاسہ سر کو کرمان
میں دفن کر دیا۔

ابونصر کا عضو مخصوص سلطان عطر دہنی زندگی ہی میں جسم
سے قطع کر کے خوارزم میں دفن کر دیا گیا تھا۔

کہانی کے تاریخی پس منظر کے مآخذ

تاریخ بغداد | تاریخ حبشی | تاریخ الکلبی | تاریخ | تاریخ ہند | تاریخ ملک عراق

ابن خلدون | ابن کثیر | ابن عساکر | ابن عساکر | ابن عساکر | ابن عساکر | ابن عساکر | ابن عساکر

ناول ہی ناول

انسان اور شیطان احمد فراز ۲ حصے فی حصہ ۳۰/	الیاس سیتا پوری ۳۰/	بنت حوا
ایلیکا ۳ حصے اسلم راہی فی حصہ ۳۵/	۲۰/	مقدس آگ
حضرت آدم سے آج تک کے انسان کی کہانی	۱۵/	وشت کا بھیڑیا
ہمارا جہ ممکن حشمت علی خاں ۳۰/	۳۰/	خانماں پر بار
تاریک سفر محسن رضا ۳۰/	۳۰/	بھاری پتھر
چارلس سو بھراج ڈاکہانی	۳۰/	جاہل سلطان
غلام روحیس شاہ علی ۲۰/	۲۰/	مفتوب وقت
گنگا اور طوفان یعقوب جمیل ۳۵/	۳۰/	خاقان مغرب و مشرق
اردو کی آخری کتاب امین انشا ۱۵/		دیوتا (۲۱ حصے) محی الدین نواب
پیازی اردو ابو ظفر زین ۲۰/	۳۵/	دنیا کا طویل ترین ناول فی حصہ ۳۵/
انکلی سانی کنول ۲۵/	۳۰/	مختاری کلی محی الدین نواب
وحشی شبیر رضیہ بیٹ ۲۰/	۳۰/	آئندہ بانو
سالولی ۳۵/	۳۵/	ورغنے
افشاں اسے آرخاتون ۵۰/	۳۵/	ادھور ارا دھوری
		صدیوں کا بیٹا دھتے ایم اے راحت ۴۰/
		بقراط ۲۵/
		شطرینج ۳۵/
		نرواں کی تلاش تین حصے فی حصہ ۲۵/
		ہالیہ (تین حصے) ۲۵/
		دشمن مکمل ۴۰/
		تھرازیہ ۳۰/
		شہباز روحیہ اظہر کلیم فی حصہ ۲۵/
		سفر ویش ۳۵/
		شاطر شکیل انجم ۳۵/
		انکا جمیل احمد خاں ۲۵/
		بازی گر ۴ حصے شکیل عادل زادہ ۳۰/

ابن صفی کے صد اہل ہمارے جاسوسی ناول
ہر کتاب میں ابن صفی کے چالیسے پانچ تک ناول
موجود ہیں آؤرہ شہزادہ، آخری سیرھی، آواز صفی
قصیر، دستک، پتھر کی چرخ، حرفوں کی بقا،
خون کے پیاسے، فقہ، فریب نظر، آواز دو،
ڈاکٹر ڈیر، زہر کا افسان، سوہیہ نشان، ناگ،
پتھر کا آدمی، آخری شعلہ، ستاروں سے آگے،
چتے سے چانگ، حادثہ، اڈا دوا، شوگر بنک،
موتالے، ڈاکٹر دغاگو، آتشی بارل، لاشوں کا بازار،
سبز لہو، بحر ظلمات، ریگم بالا، ہنگامہ بھوت،
بچارہ، بچاری، سرخ دائرہ، الیرا، پدش جلی،
☆ ہر کتاب کی قیمت ۳۰ روپیہ

کتاب والا ۲۹۴، پہاڑی بھوجلہ، دہلی ۱۱۰۰۰۶

بے روزگاری سے نجات دلانے والی

ٹیکنیکل کتابیں

۲۵/-	قیمت	جدید الیکٹریک گائیڈ
۲۵/-	"	وائرنگ
۲۵/-	"	ریڈیو گائیڈ
۲۵/-	"	موٹر وائرنگ
۲۰/-	"	الیکٹریک گیس ویلڈنگ
۲۰/-	"	کمپیوٹر گائیڈ
۲۰/-	"	جدید صابن سازی
۲۰/-	"	پریٹیکل ٹرانسفارمر گائیڈ
۳۰/-	"	جدید گھڑی سازی
۳۰/-	"	پریٹیکل ایمپلی فائر گائیڈ
۱۵/-	"	ڈیزل انجن گائیڈ
۳۵/-	"	ٹرول انجن گائیڈ
۱۲/-	"	۲۰۷ ریپر گائیڈ
۳۵/-	"	کلر ۲۷ گائیڈ
۱۲/-	"	موم بتی دکھانے بنانا
۱۲/-	"	آئینہ سازی
۱۵/-	"	جدید موٹرز گائیڈ
۱۲/-	"	موٹر ڈرائیوری گائیڈ
۱۵/-	"	فولڈ گرائی

کتاب والا

۲۷۹۴، پہاڑی بھوجہ، دہلی ۱۱۰۰۰۶

وہ علوم جنہیں ہزاروں روپیہ صرف کر کے بھی سیکھنا ممکن نہ تھا

== اب آپ گھر بیٹھے سیکھ سکتے ہیں ==
 دنیا کے ہر علم پر بالتصویر کتابیں سلیس اردو زبان میں پیش کرنے کا قہر ہمیشہ حاصل رہا

۱۰ روپے کی کتابیں ایک ساتھ منگائے پر محصول ڈاک معاف آرڈر کے ہمراہ ۲۰ روپے کا منی آرڈر ضرور بھیجئے

۱۔ فن جوڈو	۲۵/-	۲۱۔ کمپیوٹر گائیڈ	۲۰/-	۱۔ سر سے پیر تک بیماریوں کا علاج	۱۲/-
۲۔ آسٹین کراٹے	۱۵/-	۲۲۔ گھڑی سازی	۲۰/-	۲۔ نوجوانوں کے مسائل و بیماریاں	۱۵/-
۳۔ ہیناٹرم کیا ہے ؟	۲۵/-	۲۳۔ پٹرول انجن گائیڈ	۳۵/-	۳۔ نظری کمزوری اور اس کی سبب	۱۲/-
۴۔ ہیناٹرم کے عملی طریقے	۲۵/-	۲۴۔ ٹی.وی گائیڈ	۳۵/-	۴۔ آسان گھر یلو صنعت	۱۲/-
۵۔ ہیناٹرم سے علاج	۱۵/-	۲۵۔ ٹی.وی ریسیور گائیڈ	۱۲/-	۵۔ ۹۹۹ بیماریوں کا علاج	۱۵/-
۶۔ دنیا کے چھ بڑے اسرار علوم	۱۵/-	۲۶۔ جدید موٹرز گائیڈ	۱۵/-	۶۔ عورتوں کی بیماریاں اور ان کا علاج	۱۵/-
۷۔ وچ کرافٹ	۱۰/-	۲۷۔ فوٹو گرافی	۱۵/-	۷۔ پیچھے رہی غذائیں	۹/-
۸۔ کالے جادو پر حیرت انگیز کتاب		۲۸۔ موٹر ڈرائیوری	۱۲/-	۸۔ کمزور المفردات	۱۵/-
۹۔ آئینہ بینی و عمل حاضر	۱۵/-	۲۹۔ آئینہ سازی	۱۲/-	۹۔ گھر یلو ترکیبیں	۱۰/-
۱۰۔ عملیات شیعہ قلوب	۱۵/-	۳۰۔ ورزی ماسٹر	۱۵/-	۱۰۔ حمل سے پیدائش تک	۱۲/-
۱۱۔ عملیات جنات	۱۰/-	۳۱۔ ڈکشنری اردو سے انگریزی	۵۰/-	۱۱۔ نفسیاتی مسائل	۱۲/-
۱۲۔ فال نامہ خواب نامہ	۲۰/-	۳۲۔ ڈکشنری انگریزی سے اردو	۵۰/-	۱۲۔ صحت بخش کھانے	۱۲/-
۱۳۔ اندر جال	۲۰/-	۳۳۔ خط نویسی	۱۰/-	۱۳۔ صحت بردار سستی غذائیں	۱۵/-
۱۴۔ ٹیلی وچھی گائیڈ	۲۰/-	۳۴۔ انگلش ٹیچر	۲۰/-	۱۴۔ مومو پیٹک ڈاکٹر	۲۰/-
۱۵۔ جدید ریڈیو گائیڈ	۲۵/-	۳۵۔ بچوں سے علاج	۱۰/-	۱۵۔ جنسی صلاحیت بڑھائیے	۲۰/-
۱۶۔ جدید الیکٹریک گائیڈ	۲۵/-	۳۶۔ بھڑوں سے علاج	۱۰/-	۱۶۔ خفیہ جنسی راز	۲۰/-
۱۷۔ جدید الیکٹریک انرنگ	۲۵/-	۳۷۔ بھڑوں سے علاج	۸/-	۱۷۔ کوک مشاٹر	۱۵/-
۱۸۔ جدید الیکٹریک ٹر وائڈنگ	۲۰/-	۳۸۔ اخلاص اور نامری گزشتہ علاج	۱۲/-	۱۸۔ بہاگ رات	۱۰/-
۱۹۔ جدید گیس و الیکٹریک وائڈنگ	۲۰/-	۳۹۔ گھر کا ڈاکٹر	۱۳/-	۱۹۔ بہار شباب	۱۲/-
۲۰۔ جدید صابن سازی	۲۰/-	۴۰۔ باہوں کی بیماریاں اور ان کا علاج	۱۳/-	۲۰۔ بارش گائیڈ	۱۵/-
۲۱۔ موم جی بناؤ	۱۲/-	۴۱۔ قریزل انجن گائیڈ	۱۵/-	۲۱۔ شرافت فائبر گائیڈ	۱۰/-
۲۲۔ ایکسپریس وار گائیڈ	۲۰/-	۴۲۔ ۷. C. ۹. ۶۵ سروں گائیڈ	۳۰/-	۲۲۔ گائیڈ (بندوں)	۲۰/-

روشن چراغ اردو زبان میں بامحاورہ کلام مجید ہدیہ ۳ روپیہ

کتاب والا ۹۳، ۲ پہاڑی بھوجلہ دہلی

شمالی ہندی کتابیں اور دوسری زبانوں کی کتابیں بھی دستیاب ہیں۔
 شری مہادیو گائیڈ (۱۰ روپے) اور دوسری زبانوں کی کتابیں بھی دستیاب ہیں۔
 شری مہادیو گائیڈ (۱۰ روپے) اور دوسری زبانوں کی کتابیں بھی دستیاب ہیں۔